اورنگ زیب عالمگیر

علامہ شبلی نعمانی
ڈاکٹر اوم پرکاش پرشاد

تعارف و ترتیب: سردار عظیم اللہ خاں

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر

شبلی نعمانی اوم پرکاش پرشاد

مرتب: سردار عظیم اللہ خاں

E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com
Ph:042-7249218, 7237430

نام کتاب : اورنگ زیب عالمگیر

مرتب : سردار عظیم اللہ خاں

پبلشرز : فکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ، لاہور

فون:7249218-7237430

اہتمام : ظہور احمد خاں

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

اشاعت : 2010ء

قیمت : 200/- روپے

ہیڈ آفس : 18-مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

برانچ لاہور | سب آفس حیدر آباد

124-ٹیمپل روڈ لاہور | 52,53. رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدر آباد

فون:042-7321040 | فون:022-2780608

انتساب

تاریخ کے اُن طالبعلموں کے نام

جو تعصب و جانبداری سے بالاتر تاریخی تحقیق کے قائل ہیں!

فہرست

حصہ دوم: اورنگ زیب اور اس کا نظریہ — اوم پرکاش پرشاد

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی

(اقبالؒ)

اورنگ زیب عالمگیر: تعارف

تاریخ کے طالب علموں کے لئے یہ بات یقیناً اطمینان بخش ہے کہ بالآخر مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو انسان مان لیا گیا ہے۔ ایسا انسان جو خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ تھا۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کے دو تحقیقی مضامین پر مبنی ہے۔ ایک مضمون علامہ شبلی نعمانی کا ہے جن کی تاریخ دانی اور ادبی حیثیت کا ایک عالم معترف ہے جبکہ دوسرا مقالہ ڈاکٹر اوم پرکاش پرشاد کی محنت شاقہ کا نچوڑ ہے جو جدید بھارت کے نامور مورخ ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کا نام اپنے زمانہء حیات سے ہی ہندوستان کی سب سے زیادہ زیرِ بحث رہنے والی شخصیات میں سے ایک رہا ہے۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور نا معلوم کب تک جاری رہے گا۔

اورنگ زیب کے دورِ شہنشاہی بلکہ اُس وقت سے جبکہ وہ ابھی شاہ زادہ تھا ایک بڑا طبقہ اُسے فرشتوں کی صفات کا مظہر قرار دیتا تھا۔ اس طبقے نے جو آج بھی اپنا وجود رکھتا ہے اورنگ زیب کو تمام انسانی نقائص سے پاک فرشتہ قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ دوسری طرف اُسے ناپسند کرنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی اور ان لوگوں نے جن میں بعد ازاں مذہبی اختلاف رکھنے والے ہندو اور سکھ مورخین بھی شامل ہو گئے اورنگ زیب کو انسانیت سے گرا ہوا ایسا حکمران بنا کر پیش کیا جس کی زندگی میں مذہبی رواداری، برداشت اور رحم جیسے الفاظ کی کوئی وقعت نہ تھی۔ جلتی پر تیل کا کام اُن انگریز مورخین نے کیا جو اپنے حکمرانوں کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" والی پالیسی کے زبردست داعی تھے۔ ظاہر ہے اس مقصد کے لئے اورنگ زیب سے موزوں شخص اور کون ہو سکتا تھا۔ ان صاحبان نے ہندو مسلم اختلافات کو ہوا دینے کے لئے اپنی تصنیفات میں اس عظیم شہنشاہ کو کچھ ایسے ڈھنگ سے پیش کیا کہ بے چارہ شیطان بھی عالمگیر کے ظالمانہ کارناموں کے آگے اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھنے لگا۔ مورخ کا ایک اہم ترین وصف

غیر جانبداری گردانا جاتا ہے لیکن شاید دونوں طبقات نے اورنگ زیب کے معاملے میں اس اصول کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں تحقیق کرنے والے افراد کے پیشِ نظر دیگر عوامل کے علاوہ جو چیز سب سے اہم ہونی چاہئے وہ ہے اُس کا ''شہنشاہِ ہندوستان'' ہونا۔ ایسا شہنشاہ جس کی سی وسعتِ سلطنت اشوک اعظم کو حاصل ہوئی نہ سمدر گپت کو۔ اس قدر وسیع علاقہ نہ اکبرِ اعظم کی حکومت میں شامل تھا اور نہ ہی برصغیر کی حد تک جدید دور کے عظیم برطانوی فاتحین اتنے وسیع علاقے پر اپنا جھنڈا بلا شرکتِ غیرے لہرا سکے۔ جنوبی سمندر سے شمال مغرب کی انتہاؤں اور افغانستان تک کو وحدت کی ایک لڑی میں پرونے والا وہ واحد حکمران تھا جس کی نظیر قدیم و جدید ہندوستان میں ملنا محال ہے۔ اُس کی اس وسیع و عریض سلطنت میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن سے اُس کا مذہبی و نسلی تعلق نہ تھا۔ اس عظیم سلطنت کو قابو میں رکھنے کے لئے اُس نے خود اپنے لئے چند اصول وضع کیے اور اُن پر سختی سے کاربند رہا۔ مثلاً ڈاکٹر اوم پرکاش کے مقالہ میں ''اورنگ زیب کا وصیت نامہ'' کے عنوان سے باب میں اورنگ زیب کی وصیت اور اپنے بیٹوں کو نصیحت دی گئی ہے۔ اپنے بیٹے شہزادہ معظم بہادر شاہ کو قید سے رہا کرتے وقت اورنگ زیب نے نصیحت کی ''ہر ایک بادشاہ کو نرمی اور سختی کے درمیان قائم رہنا چاہئے۔ اگر دونوں میں سے ایک وصف دوسرے سے بڑھ جاتا ہے تو اُس کے تخت و تاج کی بربادی اور خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے۔ نرمی کی زیادتی ہونے پر لوگ برابری کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور اگر سختی میں اضافہ ہو جائے تو لوگ خوفزدہ ہو کر دور بھاگتے ہیں۔''

اورنگ زیب نے اپنے کہے پر سختی سے عمل کیا اُس نے جہاں فوج کشی کر کے سرکشوں کو سخت سزائیں دیں وہیں بہت سے لوگوں کی خطاؤں پر درگزر سے بھی کام لیا۔ سینکڑوں ہندوؤں کو نوکریوں سے نکالا تو ہزاروں کو ملازمت میں بھرتی بھی کیا۔ بلاتفریقِ مذہب ریاستوں پر حملے کئے اور جاگیروں کو ضبط کیا تو بہت سی ریاستوں کو بحال بھی رکھا اور کئی لوگوں کو نئی جاگیریں دیں سیاسی مخالفت کی آماجگاہ بننے والے مندروں اور دیگر عبادت گاہوں کو نیست و نابود کیا تو کئی نئی عبادت گاہیں تعمیر بھی کیں۔ مندروں نیز گوردواروں کی بحالی کے لئے سینکڑوں فرامین جاری کئے جاگیریں عطا کیں اور وظائف کا اجراء کیا۔ عام لوگوں کو حکومت پر دیوانی دعویٰ جات کا حق دیا ایسی

کئی مثالیں موجود ہیں جب شہنشاہ نے عام لوگوں کو انصاف مہیا کرنے کی غرض سے امرائے مملکت حتیٰ کہ شہزادوں کے خلاف فیصلے کیے۔

اورنگ زیب کی شخصیت پر سب سے بڑا الزام اُس کا اپنے باپ، بھائیوں اور بعدازاں اولاد سے سلوک ہے۔ اس کی توجیہہ میں صرف یہ کہہ دینا کہ مغل خاندان اور دنیا کے دیگر حکمران خاندانوں میں ایسے سلوک کا رواج چلا آتا تھا کافی نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ساری دنیا خصوصاً خود خاندان مغلیہ میں اس قسم کی مثالیں پہلے سے موجود تھیں اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا تو آخر اورنگ زیب کو ہی اتنا مطعون کیوں کیا جاتا ہے؟

حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ داراشکوہ یا دیگر بھائیوں کی کامیابی کی صورت میں اورنگ زیب کو اپنے ساتھ کسی بہتر سلوک کی توقع نہ تھی۔ میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ اورنگ زیب خود تھا۔ زمانہء شاہ زادگی سے ہی عوام میں اُس کی شہرت زاہد خشک کی تھی جس کے بارے میں عمومی تاثر فنونِ لطیفہ کے ذوق سے عاری ایسے شخص کا تھا جو کٹر مذہبی طبقہ کا نمائندہ تھا۔ اگرچہ اُس کا یہ کردار کسی بھی پہلو سے قابلِ اعتراض نہیں کہا جا سکتا لیکن اکبر اعظم کے ہندوستان میں شہنشاہ سے لوگ اس سے مختلف رویّے کی توقع رکھتے تھے۔ بدلتے وقت نے ہندوستان میں سلاطینِ دہلی کے خالص اسلامی اندازِ حکمرانی کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ ہندوستان کے ضعیف الاعتقاد لوگ اپنے پیروں فقیروں اور رشیوں منیوں کو دیوتاؤں کے روپ میں دیکھتے چلے آئے تھے۔ عظیم مدبر اکبر نے ہندوستانیوں کی اسی کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر شہنشاہ کی شخصیت کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ لوگ حقیقتاً شہنشاہ کو ظلِ الٰہی اور خدا کی طرف سے ایستادہ خاص ہستی کے روپ میں دیکھنے لگے۔ اورنگ زیب نے تخت نشین ہوتے ہی جھروکہ درشن اور فرشی سلام جیسی کئی رسموں کو موقوف کر دیا اور بادشاہ کو عام آدمی کے مقام پر لانے کی کوشش کی جس کا اثر بالکل اُلٹا ہوا۔ ہندو جو شہنشاہ اکبر اور بعد میں آنے والے شہنشاہوں کو ہندو مسلم کی نہیں بلکہ ہندوستانی کی حیثیت سے پہچانتے تھے اس قسم کی اچانک تبدیلیوں پر کافی متفکر ہو گئے۔ ان باتوں کو مزید بڑھاوا جزیہ لگانے جیسے اقدامات نے دیا اور اکثریتی طبقے کی شہنشاہ کے بارے میں سوچ بالکل تبدیل ہو گئی۔ اورنگ زیب کے بارے میں یہ سوچ اُس کی وفات کے تین سو برس

بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ ہندوؤں کا ایک خاص طبقہ آج بھی بھارت کی نئی نسل میں اسی سوچ کی آبیاری کر رہا ہے۔

اس بات کا اندازہ مجھے 2007ء میں ہوا جب میں پہلی بار بھارت گیا تھا۔ فتح پور سیکری کے محلات کی سیر کروانے کے لئے ہمارا گائیڈ قریبی گاؤں کا ایک تعلیم یافتہ راجپوت لڑکا تھا جس نے تاریخ میں MA کیا ہوا تھا۔ شہنشاہ اکبر کی بیگمات کے محلوں کی سیر کے دوران میں نے دیکھا کہ دیواروں پر بنی جانوروں کی کئی تصویروں کے سر مسخ کر دیئے گئے تھے۔ میں نے اپنے گائیڈ سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا "یہ اورنگ زیب نے کروایا تھا کیونکہ اُس نے اسلام دھرم قبول کر لیا تھا اور اسلام میں تصویر بنانا منع ہے۔"

اورنگ زیب کی سکھوں، مرہٹوں، راجپوتوں اور افغانوں سے متعلق پالیسی پر بھی بہت سے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ سکھوں سے متعلق معاملات میں صرف اورنگ زیب کو موردِ الزام ٹھہرانا شاید ناانصافی ہوگی سکھ پچھلے کئی عشروں سے بطور فوجی قوت اپنی حیثیت منوانے کی تگ و دو کر رہے تھے اور ظاہر ہے ایسی صورتحال میں اُنہیں راہِ راست پر لانے کے لئے ضروری کارروائی عمل میں لائی جاتی رہی۔

ڈاکٹر اوم پرکاش نے ثبوتوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ کے قتل کا الزام کیسے بعد کے دور میں آہستہ آہستہ اورنگ زیب کی شخصیت پر منڈھ دیا گیا کیونکہ وہ ایک آسان ہدف تھا راجپوتوں کے معاملے میں۔ حتی الامکان نرمی کے باوجود جسونت سنگھ اور اُس کی اولاد نے مہارانا میواڑ کی اعانت سے ہمیشہ اورنگ زیب کو تنگ کیا۔ مرہٹہ یقیناً ایک اہم طاقت بن کر اُبھرے لیکن اورنگ زیب نے مسلسل کوشش کر کے اُنہیں مطیع کیا اور مرہٹے کافی عرصہ تک اورنگ زیب کے جانشینوں کو تنگ کرنے کی پوزیشن میں نہ آ سکے۔ سلطنت کی وسعت اور اورنگ زیب کی طرف سے اپنے اور بیٹوں کو ضرورت سے زیادہ اپنے دباؤ میں رکھنے کو بھی مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ اوّل نے اپنے مختصر عرصہ حکمرانی میں کسی مقام پر کوئی کمزوری ظاہر نہ کی اور اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی سلطنت کو متحد رکھا۔ باوجود کچھ شخصی خامیوں کے اورنگ زیب کے بیٹے کو کامیاب شہنشاہوں کی فہرست سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ اورنگ زیب اور اُس کے جانشین وقت کی رفتار کو نہ پہچان سکے وہ بدلتے وقت کے ساتھ ہندوستانی معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا صحیح تجزیہ نہ کر سکے اور فرسودہ جاگیردارانہ نظام کے ذریعے ہی اپنی بقاء کی جنگ لڑتے رہے اور وہ سلطنت جسے اورنگ زیب نے درجہء کمال تک پہنچادیا تھا زیادہ عرصہ اپنے مقام پر قائم نہ رہ سکی۔

اورنگ زیب پر الزام لگانے والے یقیناً یہ بات بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک کو متحد رکھنے میں اہم کمال سلاطین اور مغلوں کی فوج کا تھا جس میں وقتاً فوقتاً ایران افغانستان اور ترکستان سے جنگجوؤں کے نئے جتھے شامل ہوتے رہتے تھے۔ یہ جتھے ہندوستان کی آرام طلب آب و ہوا میں کاہلی کا شکار فوج کے لئے تازہ خون کی حیثیت رکھتے تھے سلاطین اور مغلوں کے تمام نامی گرامی جرنیلوں کا تعلق انہی ممالک سے آنے والی نسلوں سے تھا اور اس سلسلے کی آخری کڑی مرزا نجف خاں تھا جس کے بعد مغل شہنشاہ بالکل برائے نام بادشاہ بن کر رہ گیا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مغلوں کے دورِ زوال میں نہ تو کوئی ایسا حکمران پیدا ہو سکا جو اکبر کی سی دانشمندی یا اورنگ زیب جیسی فوجی استعداد کا مالک ہوتا اور بکھرتی ہوئی سلطنت کو متحد رکھنے کی سعی کرتا اور نہ ہی شمال سے آنے والا کوئی بیرونی حملہ آور ایسی قابلیت کا مظاہرہ کر سکا۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی محض لٹیرے ثابت ہوئے اور اپنا مقصد پورا کر کے چلتے بنے۔ ان حملوں کا نقصان یہ ہوا کہ زوال کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔

علامہ شبلی نے اپنے مضمون میں مضبوط دلائل کے ذریعے اورنگ زیب کی شخصیت پر لگائے جانے والے الزامات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اورنگ زیب سے اپنی جذباتی وابستگی کو چھپا نہیں سکے۔ ان کی تحریر اس امر کی واضح غماز ہے۔

ڈاکٹر اوم پرکاش نے اورنگ زیب کو ان کی مسلم شناخت سے ہٹ کر ایک ایسے حکمران کے روپ میں دیکھا ہے جو ہندو مسلم سب کا شہنشاہ تھا۔ جس نے اپنی رعایا کی بہتری کے لئے حتی المقدور کوشش کی۔ مرکز گریز قوتوں کو مطیع بنانے میں عمر گنوا دی۔ جو ہندوستان کا حکمران تھا۔ ہندوستانیوں کا بادشاہ تھا۔

اورنگ زیب جیسی شخصیت ایسی ہی غیر جانبدارانہ تحقیق کی مستحق ہے۔ پھر یہ بھی طے شدہ

حقیقت ہے کہ مغلیہ سلطنت کا زوال صرف مغلوں کا نہیں بلکہ ہندوستانی شہنشائیت کا زوال ہے جس کا نعم البدل ہندوستان کی کوئی قوت نہ بن سکی۔ اسی لئے اورنگ زیب کو اس زوال کا واحد باعث قرار دینا شاید حقائق کے منافی ہے۔

سردار عظیم اللہ خاں میو
10 اپریل 2010ء

حصہ اول

اورنگ زیب عالمگیر

شبلی نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اورنگ زیب عالمگیر

فلسفہ تاریخی کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر ان کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے' سد سکند' دیوار قہقہہ' چاہ بابل' آب حیواں' مار ضحاک' جام جم سے بڑھ کر کس واقعہ نے شہرت عام کی سند حاصل کی ہے' لیکن کیا ان میں ایک بھی اصلیت سے کچھ علاقہ رکھتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کی منظر عام پر آ جاتے ہیں' پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے شہرت عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں اور کسی کو تنقید اور تحقیق کا خیال تک نہیں آتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ مسلمات عامہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نسبت کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا حکم کسی بدنیت عیسائی نے دل سے گڑھ کر منسوب کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ صلیبی لڑائیاں جاری تھیں اور عیسائی مسلمانوں سے نفرت دلانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کرتے تھے' اس واقعہ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا خدا کا خاص قاصد آکر ایک ایک کے کان میں وحی پھونک گیا' جوان' بوڑھے' جاہل' عالم' شریف' نیک' بد' جو تھا یہی راگ گاتا تھا' رفتہ رفتہ تقریر' تحریر' ضرب المثل' تلمیحات' افسانہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں رہی' لیکن بالآخر تحقیق کی عدالت نے فیصلہ کیا کہ ؎

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

عالمگیر کی بدنامی کا قصہ بھی واقعہ مذکورہ سے کچھ کم نہیں' اس کی فرد قرار داد جرم اتنی لمبی ہے کہ شاید کسی مجرم کی نہ ہو گی' باپ کو قید کیا' بھائیوں کو قتل کرایا' دکن کی اسلامی ریاستیں مٹا دیں' ہندوؤں کو ستایا' بت خانے ڈھائے' مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری

سلطنت کے ارکان متزلزل کر دیئے۔ مصرعہ :۔

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

لیکن اور تمام باتوں سے قطع نظر کر کے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اسی خاندان میں عادل بادشاہ پر قریب قریب یہی فرد قرارداد جرم قائم ہو سکتی ہے یا نہیں' باپ سے بغاوت کی' بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کرایا۔ (1) دکن کی اسلامی ریاست (نظام شاہیہ) مٹا دی' ایک سال کے اندر 65 بت خانے منہدم کرا دیئے۔ (2) اور ہمیشہ اس پر فخر کرتا رہا۔ یہ کون صاحب قران ثانی شاہجہان۔

ہم اس اصول سے بے خبر نہیں کہ ایک شخص کے برے ثابت ہونے سے دوسرا شخص اچھا نہیں ہو سکتا' شاہجہان پر اگر الزام ثابت ہو تو اس سے عالمگیر کی برات نہیں ہو سکتی' لیکن آخر یہ مسئلہ غور کے قابل ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شاہجہان کے الزامات کی کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں اور عالمگیر کے وہی الزامات افسانہ بزم و انجم ہیں۔ ۔

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است
ورنہ طشت من و اوہر دوزیک بام افتاد

اس عقدہ کا حل کرنا اگرچہ ایک تاریخی فرض ہے لیکن اس سے ایک قومی تفریق کو تحریک ہوتی ہے اس لئے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔

عالمگیر کی فرد قرارداد جرم میں سب سے بڑا نمایاں واقعہ حیدر آباد کا استیصال ہے' یہ واقعہ مختلف حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے۔

1- ریاست حیدر آباد ایک شیعہ ریاست تھی اس لئے اس کی بربادی کے قصد سے عالمگیر کا سخت مذہبی تعصب ثابت ہوتا ہے۔

2- حیدر آباد کے مٹنے سے مرہٹوں کو قوت ہو گئی اس لئے یہ پولٹیکل جرم ہے۔

اس بنا پر ہم سب سے پہلے اس واقعہ کی تحقیق کے طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دکن میں پانچ ریاستیں قائم تھیں' گولکنڈہ' بیجاپور' خاندیس' برار' احمد نگر' یہ

ریاستیں باہم لڑتی بھڑتی رہتی تھیں' جس کی وجہ سے یہ نوبت پہنچی تھی کہ جب علی عادل نے حسین نظام شاہ کی دستبرد سے تنگ آ کر رام راج کو مدد کے لئے بلایا تو گو یہ شرط تھی کہ ہندو مسلمانوں کے جان و مال سے متعرض نہ ہوں گے تاہم ہندوؤں نے احمد نگر میں آ کر جو برتاؤ کیا اس کو فرشتہ ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

در مساجد فرود آمدہ بت پرستی می کردند و ساز نواختہ سرودی گفتند
و عدالت پناہ از استماع ایں اخبار دلگیر شدہ چوں منع را قدرت
نداشت بہ تغافل می گذرانیدند

ان خانہ جنگیوں کی بدولت تیموریوں کو مداخلت کے موقع ملا اور سب سے پہلے اکبر نے بعض ریاستیں اپنے زیر اثر کیں' جہانگیر اور شاہ جہان چاہتے تھے کہ ان ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر اکتفا کیا جائے' لیکن یہ ابن الوقت مجبوری کے وقت مطیع ہو جاتے تھے اور موقع پا کر دشمن بن جاتے تھے مجبورا" ان کا استیصال کر کے یہ ریاستیں سلطنت تیموری میں شامل کر لی گئیں' عالمگیر جب تخت حکومت پر بیٹھا تو صرف دو سلطنتیں حیدر آباد اور بیجاپور باقی رہ گئی تھیں۔

اسی اثنا میں سیواجی کے باپ ساہو نے سر اٹھایا' ساہو اور سیواجی کی مفصل داستان اسی مضمون کے دوسرے حصے میں آئے گی' یہاں سلسلہ کلام کے لحاظ سے اس قدر یاد رکھنا چاہئے کہ عادل شاہ والئی بیجاپور نے پونہ اور سوپہ دو صوبے ساہو کو جاگیر میں دیئے تھے۔ سیواجی نے ان علاقوں میں بہت سے قلعے بنوائے' عادل شاہ بیمار ہو کر مر گیا' اس کے زمانہ علالت میں سیواجی نے اپنے حدود اور زیادہ وسیع کر کے چالیس قلعے تیار کئے۔ عادل شاہ کا کوئی وارث شرعی نہ تھا' درباریوں نے سکندر نام ایک مجہول النسب لڑکے کو اس کا وارث قرار دے کر تخت سلطنت پر بٹھایا' وہ جب بالغ ہوا تو اس نے افضل خاں کو سیواجی کے مقابلے میں بھیجا۔ جس کو سیواجی نے دھوکے سے قتل کر ڈالا۔ یہی سکندر تھا جو عالمگیر کا معاصر اور ہمزمان تھا۔

سیواجی نے چند روز کے بعد انتقال کیا اور اس کا بیٹا سنبھا اس کا جانشین ہوا۔ سکندر نے اپنی کمزوری یا تیموریہ کی قدیم خاندانی عداوت سے اس سے سازش کر لی۔اور

عالمگیر کے مقابلہ میں اس کو مدد دیتا رہا۔ عالمگیر نے بار بار اس کو متنبہ کیا اور ترغیب و ترہیب ہر طرح کی تدبیریں اختیار کیں لیکن سکندر کو کچھ احساس نہ ہوا' خافی خاں اس واقعہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"چوں از فساد و نفاق بیجاپوری یعنی سکندر والئی آنجاکہ وارث ملک' ہم نبود' مع ہذا باغنیم رفاقت می نمود' متواتر .عرض رسید و مکرر فرمان نصیحت آمیز ازراہ تہدید و وعدہ و وعید صادر گردیدہ فائدہ نہ بخشید۔"

مجبوراً" عالمگیر نے بیجاپور فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا' لیکن سکندر سے نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کیا' اس کو سکندر خاں کا خطاب دیا' خلعت خاص مع تلوار کے جس کے پر تلہ پر موتی ٹکے ہوئے تھے' پھول کٹارہ مع مالائے مروارید جس میں زمرد کا آویزہ تھا کلغی مرصع اور عصائے مرصع عنایت کیا' اس کے ساتھ حکم دیا کہ خاص خیمہ شاہی کے پہلو میں اس کا خیمہ نصب کیا جائے اور ہر قسم کی ضروریات خزانہ شاہی سے مہیا کی جائیں' چنانچہ یہ پوری تفصیل عالمگیر نامہ تصنیف مستعد خاں ساقی میں مذکور ہے۔

حیدر آباد کا فرمانروا عالمگیر کے زمانہ میں ابوالحسن شاہ تھا جو عوام میں تانا شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ قطب شاہ جو اس سے پہلے حیدر آباد کا فرمانروا تھا' اس نے جب وفات کی تو اس کی کوئی اولاد ذکور نہ تھی' نہ کوئی قریب عزیز تھا' مجبوراً" ابوالحسن کو جو دور کا واسطہ رکھتا تھا تخت نشین کیا' ابوالحسن بچپن سے قلندروں کے ساتھ آوارہ پھرتا رہا۔ اس لئے تخت نشینی کے بعد بھی یہ شان قائم رہی' صاحب ماثرالامرا اگرچہ اس کا اس قدر طرف دار ہے کہ حیدر آباد کی فتح کا جہاں ذکر آتا ہے اس کا دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کے حال میں لکھتا ہے۔

"ابوالحسن والئی تلنگ کہ از غایت انہماک درعیش و عشرت گاہے در پانزدہ سالہ حکومت خویش از شہر حیدر آباد غیراز مسافت یک کروہ بہ محمد نگر "گلکنڈہ' سفر گزیں نہ شدہ بود و سواری ہر روزہ

بروو شوار بود۔" (ماثرالامرا جلد اول صفحہ 534 تذکرہ جاں سپار خاں)

ابوالحسن کی عیش پرستی نے تمام ریاست کو اس رنگ میں رنگ دیا اور ہر طرف علانیہ بدمعاشی اور شراب خواری پھیل گئی' خافی خاں لکھتا ہے۔

"ازاں کہ ابوالحسن قطب الملک فرمانروائے حیدر آباد بہ افعال قبیح از سپردن ملک بہ مادنا و آکنا کہ ہر دو کافر شدید العداوت بودند و سختی و ظلم زیادہ بر مسلمانان می گذشت و فسق و فجور علانیہ ازدواج مسکرات و لہو و لعب زیادہ بعرض رسید۔"

ابوالحسن کو جس نے سلطنت دلائی تھی' وہ سید مظفر نام ایک اولوالعزم امیر تھا۔ لیکن ابوالحسن نے اس کو معزول کر کے مادنا نام ایک برہمن کو وزارت کے عہدہ پر مامور کیا۔ اور حکومت و سلطنت کے تمام اختیارات اس کو دے دیئے اس کے تسلط اور اقتدار کی یہ نوبت پہنچی۔ کہ ابو الحسن کے سپہ سالار نے جس کا نام ابراہیم خلیل اللہ خاں تھا اور بڑے سطوت اور اقتدار کا آدمی تھا' اپنے نگینہ پر یہ شعر کندہ کرایا تھا۔

زالتفات پادشاہ و پنڈت روشن رواں
گشت ابراہیم سر لشکر خلیل اللہ خاں (3)

مادنا کے تسلط اور اقتدار کی نسبت صاحب ماثرالامرا لکھتا ہے۔

رتق و فتق امور ملکی و مالی باقتدار آں دوبرادر باہمن شوم ملوم مادنا و آکنا کہ خمیرمایہ مفاسد و فتن و مورث وبال و زوال آں دو دمان گشتہ' تفویض یافت۔" (4)

یہ وہ زمانہ تھا کہ سیواجی عالمگیر کے دربار سے بھاگ کر دکن میں آگیا تھا' وہ حیدر آباد میں آیا اور ابوالحسن سے کہا کہ آپ اور ہم مل کر شاہی ممالک پر حملہ آور ہوں' چنانچہ ابوالحسن نے فوج اور روپیہ سے اس کی مدد کی' عالمگیر کی تخت نشینی کا اکیسواں سال تھا کہ سیوا نے تیموری حدود حکومت میں گھس کر جالنہ کو برباد کر دیا' ماثرالامراء

میں اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

"بستر بلوائی حیدر آباد متفق شدہ قرارداد کہ باتفاق بافوج بادشاہی جنگ می نمائم' اول بہ تسخیر قلاع تر ومن باید دید' بدین تقریب فوج وزرا زو گرفتہ بر تنجاور رفت.... و در ہمیں سال سیوا بر ملک بادشاہی دویدہ پرگنہ جالنہ راویران ساخت۔" (ماثر الامرا جلد اول از صفحہ 345 تا 349)

سیوا کے مرنے کے بعد جب سنبھا اس کا جانشین ہوا تو ابوالحسن نے اس کو بھی عالمگیر کے مقابلہ میں ہر قسم کی مدد دی اور ایک لاکھ ہوں (ایک طلائی سکہ کا نام ہے) نقد بھیجا۔ چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے۔

"وعلاوہ آں در امداد سنبھائے جہنمی دارالحربی در تاخت ملک و تسخیر قلعہ جات و رساندن لک ہوں نقد خود را بدنام و زبان زد عالمے ساختہ بود۔"

ان سب پر طرہ یہ کہ جس زمانہ میں عالمگیر بیجاپور کے محاصرہ میں مشغول تھا' ابوالحسن نے اپنے ایک سردار کو لکھا کہ ایک طرف سے سنبھا بیشمار فوج لے کر بڑھتا ہے اور دوسری طرف سے میں چالیس ہزار فوج بھیجتا ہوں' دیکھوں حضرت عالمگیر کس کس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو ابوالحسن کے خط کی نقل کے ساتھ تمام مورخوں نے نقل کیا ہے' صاحب ماثر الامراء کہتے ہیں۔

چوں آں مہم بہ امتداد کشید' بادشاہ کشور کشا بہ اقتضائے صوابدید از اورنگ آباد بہ احمد نگر وازاں جانب شولا پور معسکر گردانید' ناگاہ ابوالحسن نوشتہ بنام صاحب اوکہ در فوج فیروزی بود بجنس از نظر بادشاہی گذشت' بدیں مضمون کہ تاحال پاس مراسم بزرگ داشت می نمودیم۔ حالانکہ ایشاں سکندر را یتیم و ناتواں دانستہ بیجاپور را محاصرہ نمودہ کار بر او تنگ آوردند۔ واجب آمد کہ سوائے جمیعت موفور راجہ سنبھا از طرفے باقشون از شمار افزوں جہت

کمک آں بے کس کم رستی بر بند دوما بہ سرداری خلیل اللہ خاں پلنگ حملہ چہل ہزار سوار مستعد پیکار تعین نمائیم و بینیم کہ ازیشاں کدام کدام طرف مقابلہ و مقاومت خواہند کرد" (ماثر الامراء جلد سوم از صفحہ 627-629)

عالمگیر نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ ہم نے اب تک اس بندر نچانے والے کو چھوڑ رکھا تھا' لیکن جب مرغی نے خود آواز دی تو کیا باقی رہا۔

بایں ہمہ جب عالمگیر کے حکم سے شاہزادہ معظم شاہ حیدر آباد کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے ابوالحسن کو لکھا کہ شرائط ذیل منظور ہوں تو عفو تقصیر کے لئے سفارش کی جائے شرائط یہ تھے۔

1- مادنا وزارت سے معزول ہو کر مقید کر دیا جائے۔

2- سیرم و رائگر وغیرہ جو ممالک محروسہ میں داخل تھے اور جن پر غصباً" قبضہ کر لیا گیا ہے۔ واپس کر دیئے جائیں۔

3- پیش کش مقررہ کی باقیات ادا کر دی جائیں۔

لیکن ابوالحسن نے درباریوں کے اغوا سے یہ شرطیں منظور نہیں کیں' چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے۔

"ازاں کہ بادشاہزادہ محمد معظم نمی خواست کہ تامقدور کار بجنگ کشد' بہ خلیل اللہ خاں پیغام نمود کہ اگر ابوالحسن بہ اظہار ندامت والتماس عفو تقصیر پیش آمدہ دست اختیار مادنا و آکنارا از امور ملکی کوتاہ نمودہ مقید سازد۔

دوم آنکہ پرگنات سیرم و رام گیر وغیرہ کہ بہ غصب از تصرف بند ہائے بادشاہی بہ دعوی و بیجا برآوردہ دست ازاں برداشتہ بازحوالۂ منصوبان بادشاہی نماید' دیگر آنکہ باقی پیش کش سابق ولاحق بلا توقف و اہمال روانہ بارگاہ آسمان جاہ سازد' برائے عفو تقصیرات او بہ حضور معروض داشتہ آید۔

امرائے ناقص عقل دکن ازراہ غرور بہ جواب ہائے مہمل پیش آمدہ در دفعیہ غضب بادشاہی نہ توانستند پرداخت۔

اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ پھر شاہزادہ معظم نے صرف اس شرط پر صلح کی گفتگو کی کہ سیرم وغیرہ واپس کر دیئے جائیں' لیکن وہاں سے یہ جواب کہ سیرم ہمارے نیزہ کی نوک سے بندھا ہوا ہے۔ (5)

انصاف کرو ان حالات کے ساتھ کہ بادشاہ کو انتظام کی قابلیت نہیں' رندی اور عیاشی دربار شاہی سے گذر کر چاروں طرف پھیلتی جاتی ہے' وزیراعظم اور ہندو ہیں جو مسلمانوں کو پامال کرتے جاتے ہیں۔ مرہٹوں کو فوج اور خزانے سے مدد دی جا رہی ہے کہ تیموری سلطنت کا تختہ الٹ دیا جائے تیموری علاقوں پر غارت گریاں ہو رہی ہیں ان کے حالات کے ساتھ' اکبر تو کیا اگر نوشیرواں اور عمرو بن عبدالعزیز بھی ہوتے تو کیا کرتے؟ وہی کرتے جو دنیا بھر کے الزاموں کے ہدف یعنی عالمگیر نے کیا' حملہ کے وقت جب ابوالحسن نے اسی قدیم طریقے پر معافی کی درخواست کی تو عالمگیر نے حسب ذیل فرمان لکھا۔

> "اگرچہ افعال قبیح آں بدعا قبت از احاطہ تحریر بیرون است اما از صد یکے واز بسیار اندکے بہ شمار می آید۔
>
> اولاً اختیار ملک و سلطنت بہ کف اقتدار کافر نافر جام ظالم دادن و سادات و مشائخ و فضلا رامنکوب و مغلوب ساختن دور رواج فسق و فجور بہ افراط علانیہ کوشیدن و خود از بادہ پرستی و ریاست و بدمستی دولت در انواع کبائر شب و روز مستغرق بودن' بلکہ کفر از اسلام و ظلم از عدل و فسق از عبادت فرق نہ نمودن دور اعانت کفار حربی اصرار ورزیدن و خود را در عدم اطاعت اوامر و مناہی الہی خصوص در مادہ منع معاونت دار الحربی کی نص کلام مجید بہ تاکید واقع شدہ نزد خلق و خالق مطعون ساختن چنانچہ مکرر دریں باب فرامین نصیحت آمیز مصحوب مردم آداب داں مزاج گرفتہ

حضور صلو رشد و پنبہ غفلت ازگوش نہ کشید' بلکہ دریں تازگی فرستادن لک ہون برائے سنبھائے بدکردار بہ عرض رسید' باایں ہمہ غرور و بدمستی بادہ ناکامی نظر بر افعال وزشتی اعمال خود نہ نمودن و امید رستگاری در ہردو جہاں واشتن۔

زہے تصور باطل زہے خیال محال

ان الفاظ کو غور سے پڑھو اور بار بار پڑھو اور انصاف کرو کہ کیا ان میں ایک لفظ بھی واقعیت اور سچائی سے ہٹا ہوا ہے۔

اس بوالعجبی کو دیکھو کہ نعمت خاں عالی' مصنف ماثرالامراء خافی خاں کے نزدیک ان سب باتوں کے ساتھ بھی حیدر آباد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے ان کے نزدیک عالمگیر کا کانشنس خود حیدر آباد کے حملہ کے نام سے کانپ اٹھتا ہے' وہ حیدر آباد کا قصد کرتا ہے لیکن شیخ الاسلام سے فتویٰ پوچھتا ہے اور وہ کسی طرح اس کی اجازت نہیں دیتے' یہاں تک کہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جاتے ہیں۔ (6) وہ مرزا محمد کو سفارت کے طور پر ابوالحسن کے پاس بھیجتا ہے' اور خلوت میں لیجا کر اس سے چپکے سے کہتا ہے کہ ابوالحسن سے اس طرح سختی سے بات چیت کرنا کہ وہ بھی مجبور ہو کر سختی سے پیش آئے اور مجھ کو حیدر آباد کے حملہ کے لئے سند ہاتھ آئے' (7) وہ ابوالحسن سے ایک بے بہا الماس اس غرض سے طلب کرتا ہے کہ وہ انکار کرے اور لڑائی کے لئے بہانہ ہاتھ آئے۔

ان مورخوں کی دانشمندی پر غور کرو مرہٹوں کی سازش شاہی مقبوضات پر تصرف ہندوؤں کا تسلط' ملک کی بدانتظامی' فسق و فجور کا رواج' عام مسلمانوں کی ذلت و خواری' یہ چیزیں حیدر آباد پر حملہ کرنے کے لئے سند نہیں بن سکتیں صرف سفیر کے ساتھ سخت کلامی' اور الماس کے دینے سے انکار وہ جرم ہے جس کی سند پر عالمگیر بے دریغ حیدر آباد پر حملہ کر سکتا ہے اور پھر اس کو کوئی کسی قسم کا الزام نہیں دے سکتا۔

عبدالقادر بدیوانی نے نکتہ چینی کے ساتھ اکبر کے صحیح صحیح واقعات قلمبند کئے جہانگیر نے اپنے زمانہ حکومت میں حکم دے دیا کہ اس کتاب کی اشاعت قطعاً" بند کر

دی جائے' نعمت خاں عالی نے وقائع نعمت خاں میں سرتاپا عالمگیر کی ہجو لکھی' لیکن عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ نے شیعیت کی مناسبت سے نعمت خاں کو دانشمند خاں کا خطاب دیا' اور وقائع نعمت خاں عالی خافی خاں' شاہ نواز خاں جیسے واقعہ نگار ہاتھ آئیں تو بیچارے کو نیک نامی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

تاہم یہ متعصب مورخ سچ کو نہیں چھپا سکے اور خود انہیں کے مسلمہ واقعات نے بتا دیا کہ حیدر آباد کا استیصال کرنا کسی اسلامی سلطنت کا نہیں بلکہ ایک مرہٹی سلطنت کا استیصال کرنا تھا۔

ہم نے بعض شیعی احباب کو یہ کہتے سنا ہے کہ عالمگیر نے خود اپنی سلطنت برباد کی کیونکہ دکن کی ریاستیں مرہٹوں کو دبائے ہوئے تھیں' ان کا دباؤ اٹھ گیا تو مرہٹے زور پکڑ گئے' لیکن ہمارے دوستوں کو یہ نہیں معلوم کہ دکن کی یہ ریاستیں' مرہٹوں کی گویا باج گذار بن گئی تھیں' (8) اور اگر عالمگیر حیدر آباد و بیجاپور کو فتح نہ کر لیتا تو آج بڑودہ اور گوالیار کی طرح حیدر آباد اور بیجاپور پر بھی مرہٹوں کا علم لہراتا ہوتا۔

عالمگیر اور مرہٹہ

عالمگیر کی فرد قرارداد جرم کا یہ دوسرا نمبر ہے اور یہ جرم بجائے خود متعدد جرائم کا مجموعہ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1- مرہٹوں کا فساد عالمگیر کی ذات سے برپا ہوا۔

2- سیواجی جب عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوا تو عالمگیر نے اس سے ایسا برتاؤ کیا جس سے وہ چار ناچار سرکشی پر مجبور ہوا' ورنہ فراخ حوصلگی سے کام لیا جاتا تو وہ عالمگیر کا حلقہ بگوش ہو جاتا۔

3- سیواجی کو عالمگیر نے امان دے کر بلایا تھا' لیکن خلاف عہد اس کو نظر بند کر دیا۔

4- سیواجی کے جانشینوں کے ساتھ عالمگیر نے اچھا سلوک نہیں کیا۔

5- عالمگیر مرہٹوں کو زیر نہ کر سکا۔ اور چونکہ مرہٹوں ہی نے سلطنت تیموریہ کو زیر و زبر کر دیا' اس لئے تیموریوں کی بربادی کا سبب اصلی خود عالمگیر تھا۔

ان بحثوں کے فیصل کرنے سے پہلے ہم سیواجی کے خاندان کی ابتدائی تاریخ لکھتے ہیں۔ جس سے متنازع فیہ مسئلوں کے متعلق آئندہ مدد ملے گی۔

سیواجی کا خاندان

سیواجی کا خاندان (9) دراصل مہارانہ اودے پور سے تعلق رکھتا ہے' اس خاندان میں سورسین نام ایک شخص بعض اسباب سے چتوڑ چھوڑ کر پرگنہ کر کنب ضلع پرینڈہ ریاست دکن میں چلا آیا' اس کے خاندان میں سے مالوجی اہل وطن سے ناراض ہو کر ایلورہ میں جو دولت آباد کے قریب ہے آ کر آباد ہوا۔

اس زمانے میں دولت آباد نظام شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور یہاں کا دیس مکھ (یعنی صوبیدار) لکھی جادو نام ایک شخص تھا' مالوجی نے لکھی جادو کی سرکار میں ملازمت اختیار کی' مالوجی کے دو بیٹے تھے' چونکہ وہ شاہ شریف صاحب کا جن کی قبر احمد نگر میں ہے نہایت معتقد تھا' اس لئے اس نے بیٹوں کا نام شاہ صاحبؒ موصوف کے تعلق سے شاہ جی اور شرف جی رکھا' یہی شاہ جی آگے چل کر ساہو جی کے لقب سے مشہور ہوا اور یہی ساہو جی ہے جو سیوا جی کا باپ تھا' لکھی جادو کے کوئی اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی' شاہ جی چونکہ خوش اندام اور خوش رو تھا لکھی جادو نے اس کو اپنا متبنی بنایا اور چاہا کہ اپنی بیٹی اس کو بیاہ دے' لیکن لکھی جادو کے خاندان والوں نے اس کو باز رکھا' بالآخر مالوجی اننگ پال (ایک معزز زمیندار تھا) کے دربار میں رسائی حاصل کی اور دباؤ ڈال کر مالوجی کی لڑکی سے شاہ جی کی شادی کر دی۔

ساہو جی

ساہو جی نے سب سے پہلے نظام شاہی دربار میں توسل پیدا کیا۔ 1030ھ میں جب نظام شاہ کی فوجوں نے نربدا اتر کر مالوا کو غارت کیا اور جہانگیر نے اس کے دفعیہ کے لئے لشکر کشی کی تو نظام شاہ کے فوجی سرداروں میں ساہو جی اور اس کا خسر جادو رائے بھی تھا۔ (10)

جہانگیر نے جب اس کے انتقام کے لئے شاہجہان کو دکن بھیجا تو جادو رائے

شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے صلہ میں اس کو پنج ہزاری منصب ملا۔ اور ارکان خاندان کو بھی حسب مراتب عہدے ملے' لیکن پھر باغی ہو کر 1040ھ میں نظام شاہ کے پاس واپس چلا گیا' نظام شاہ نے اس کو قتل کروا دیا' اس بنا پر ساہو جی نظام شاہ سے ناراض ہو کر شاہجہان کے دربار میں چلا آیا اور پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوا۔ اس کے ساتھ خلعت' اسلحہ مرصع' علم نقارہ' اسپ فیل' اور دو لاکھ نقد انعام ملے' ساہو جی کے' سالوں کو بھی جن کا نام بہادر اور جگدیو تھا' پنج ہزاری اور چار ہزاری منصب (11) ملے۔ شاہجہان نے نظام شاہ کے بعض علاقے جو عنبر کی جاگیر میں تھے ساہو کو دے دیئے تھے لیکن جب 1040ھ میں عنبر کا بیٹا فتح خاں نظام شاہ سے باغی ہو کر شاہجہان کے دربار میں چلا آیا' تو شاہجہان نے عنبر کے علاقے ساہو جی سے لے کر فتح خاں کو واپس کر دیئے۔ اس بنا پر ساہو جی ناراض ہو کر عادل شاہ والئی بیجاپور سے جا کر مل گیا اور ایک فوج گراں لے کر دولت آباد کی طرف بڑھا۔ (12)

ساہو کی تنبیہہ کے لئے شاہجہان نے فوجیں روانہ کیں اور اسی سنہ میں اس کے اہل و عیال گرفتار ہوئے' 1042ھ میں ساہو جی نے ظفر نگر پر حملہ کیا' 1044ھ میں اور اضلاع شاہی پر غارت گری کی جس کی پاداش کے لئے اورنگ زیب عالمگیر مامور ہوا۔

شاہجہان نے نظام شاہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا' اس کے کوئی اولاد نہ تھی ساہو جی نے ایک مجہول النسب لڑکے کو نظام شاہ کا وارث قرار دے کر تخت نشین کیا' اور تیموری حکومت کے بعض اضلاع دبا (13) لئے' ان دست درازیوں میں عادل شاہ والی بیجاپور بھی ساہو جی کا برابر کا شریک تھا' چنانچہ ساہو کی اعانت کے لئے عادل شاہ نے رندولہ کو فوج دے کر بھیجا تھا۔ (14)

یہ دست درازیاں اس حد تک پہنچیں کہ شاہ جہان نے بڑے زور شور سے اس کے استیصال کا عزم کیا' 1045ھ مطابق 9 جلوس میں اڑتالیس ہزار فوج بڑے بڑے امرا کی سپہ سالاری میں دے کر دکن کو روانہ کی۔ ان میں سے بیس ہزار فوج کا سردار خان زمان کو بنا کر حکم دیا کہ چمار کونڈہ کو جو ساہو کا مستقر ہے برباد کر کے کوکن کے اضلاع کی طرف بڑھے۔ چنانچہ ان فوجوں نے ساہو کے پچیس قلعے فتح کر کے ساہو کو بیجاپور

تک بھگا دیا' 1046ھ میں ساہو نظام شاہی علاقہ سے بھی نکال دیا گیا۔ (خافی خاں حالات شاہجہان صفحہ 520 و 521 و 539)۔

ساہو جی نے عادل شاہ کے دربار میں ملازمت اختیار کی' عادل شاہ نے پونہ اور سوپہ اس کو جاگیر میں دیئے۔ سیواجی اب جوان ہو چکا تھا' اور حوصلہ مندی کے جوہر دکھلانے لگا' ان اضلاع کا انتظام اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور جابجا قلعے تیار کرنے شروع کئے' رفتہ رفتہ ایک بڑی فوج جو حسب بیان ماثر الامرا پندرہ ہزار تھی تیار کر لی اور اپنی حکومت کے علاقے وسیع کرنے شروع کر دیئے' اسی اثنا میں عادل شاہ بیمار پڑا اور دربار میں سخت ابتری پیدا ہو گئی۔ سیوا جی نے آس پاس کے علاقوں پر دست درازی شروع کی' دور دور تک کے علاقے زیر اثر کر لئے تھوڑے دنوں میں کوکن کے تمام علاقہ پر جو بیجاپور کی حکومت میں داخل تھا متصرف (15) ہو گیا' سیوا نے قوت پا کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو شہر یا قصبہ آباد اور خوشحال ہوتا' اس پر چھاپہ مارتا' اور لوٹ لیتا' وہاں کا حاکم جب عادل شاہ کو خبر کرتا تو ساتھ ہی سیوا جی کی عرض پہنچتی کہ اس ضلع کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے' اضافہ کی شرط پر میری جاگیر میں دے دیا جائے۔ دربار میں عادل شاہ کی بیماری کی وجہ سے ابتری پھیلی ہوئی تھی' اس لئے جاگیرداروں کی تحریر پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا تھا' اور رشوت خوار عمال سیوا جی کو جاگیر کی سند لکھ کر بھیج دیتے تھے' اسی اثنا میں یعنی 1066ھ مطابق 30 جلوس میں عادل شاہ مر گیا' اور چونکہ اس کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی' درباریوں نے ایک مجہول النسب لڑکے کو تخت نشین کیا۔ جو علی عادل شاہ کے نام سے مشہور ہے' شاہجہان کو خبر ہوئی اس نے عالمگیر کو لکھا کہ بیجاپور پر قبضہ کر لیا جائے' (16) عالمگیر نے بیجاپور کا محاصرہ کیا' عادل شاہ نے مجبور ہو کر کروڑ روپیہ دینا منظور کیا۔

اسی اثنا میں شاہجہان بیمار ہوا' داراشکوہ نے ولی عہدی کے دعوی سے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی' اور چونکہ سب سے مقدم عالمگیر کا زور توڑنا تھا' تمام امرا اور فوجی افسروں کو جو عالمگیر کے ساتھ تھے حکم بھیج دیا کہ پائے تخت میں واپس آئیں۔ عالمگیر مجبوراً" محاصرہ چھوڑ کر اورنگ آباد چلا آیا۔ (17)

اب حالت یہ ہے کہ شاہجہان بیمار اور مسلوب الاختیار ہے' داراشکوہ نے بھائیوں کے استیصال کی تیاریاں کی ہیں' مراد نے گجرات میں سکہ و خطبہ جاری کیا ہے' شجاع بہ ارادہ حکومت بنگالہ سے دارالسلطنت کی طرف بڑھتا آتا ہے' عالمگیر دکن سے روانہ ہو گیا ہے سیوا جی کو کھل کھیلنے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا موقع نصیب ہو سکتا تھا' اس نے ہر طرف دست درازیاں شروع کر دیں' چالیس قلعے تیار کرائے' جزیروں میں بحری قوت کا سامان کیا' (18) مرہٹوں کی ایک فوج گراں تیار کی' اور رفتہ رفتہ بیجاپور کے اکثر اضلاع پر متصرف ہو گیا۔

دست گلچیں قتل عام لالہ و گل می کند
باغباں در صحن گلشن مست خواب افتادہ است

علی عادل شاہ نے ہوش سنبھالا' تو اپنے سپہ سالار افضل خاں کو سیوا جی کے استیصال کے لئے بھیجا' افضل خاں نے اس کو محصور کر لیا' سیوا نے عاجز ہو کر مکر و فریب سے کام لینا چاہا۔ خافی خاں لکھتا ہے۔

"افضل خاں کہ از امرائے عمدہ و از شجاعان باسر انجام بود بعد رسیدن برسر اوکار برو تنگ کردہ آں مفسد بدسگال چوں دید در جنگ صف و محصور گردیدن صرفہ اونمی کند بہ حیلہ و تزویر روباہ بازی پیش آمدہ مردم معتمد را درمیاں انداختہ بہ اظہار ندامت والتماس قبول عفو تقصیرات رجوع آوردہ۔"

ماثر عالمگیری میں ہے کہ جب عادل خاں نے سیوا پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو سیوا نے پیشدستی کر کے عفو تقصیر کی درخواست کی اور لکھا کہ افضل خاں کو بھیجئے کہ میں ان کے ہمرکاب آ کر روبرو اپنے معروضات پیش کروں' غرض افضل خاں دو ہزار سوار کے ساتھ روانہ ہوا' شرط قرار پائی کہ ملاقات کے وقت کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو' چنانچہ افضل خاں جریدہ گیا۔ لیکن سیوا چھرا آستین میں چھپائے ہوئے تھا' معانقہ کے ساتھ اس نے افضل خاں کا کام تمام کر دیا۔

عالمگیر کی لشکر کشی

سیوا نے اس پر اکتفا نہ کر کے تیموری حدود حکومت میں بھی دست درازیاں شروع کیں' عالمگیر اگرچہ ابھی رقیبان سلطنت کے معرکوں سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ تاہم 3 جلوس مطابق جمادی الاول 1070ھ میں شائستہ خاں امیرالامرا کو اس ہنگامے کے فرو کرنے کے لئے دکن بھیجا' امیرالامرا رجب 1070ھ میں سیوگانوں میں داخل ہوا۔ سیوا اس وقت سوپہ میں تھا۔ امیرالامرا کی آمد سن کر وہاں سے بھاگ گیا' امیرالامرا نے سوپہ پر قبضہ کیا اور رفتہ رفتہ پونا اور سیواپور بھی فتح ہو گئے' پھر چاکنہ کا محاصرہ ہوا۔ اور کئی مہینے کے بعد محصورین نے امان طلب کی اور قلعہ حوالے کر دیا۔ (19) امیرالامرا نے پونا کو صدر مقام قرار دے کر خود اس محل میں قیام کیا۔ جو سیوا نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اور ہر طرف سیوا کے تعاقب کے لئے فوجیں بھیج دیں' سیوا جابجا بھاگتا پھرتا تھا۔ یہاں تک کہ دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بھی ایک ایک دو دو ہفتے سے زیادہ کہیں ٹھہر نہیں سکتا تھا' خافی خاں لکھتا ہے۔

سیوا چناں منکوب و مغلوب ہراس گردیدہ بود کہ میان کوہ ہائے
دشوار گزار ہرہفتہ و ہرماہ جائے بسری برد (جلد دوم صفحہ 172)

سیوا نے اب اپنے قدیم طریقہ سے کام لیا' 1070ھ مطابق 6 جلوس میں امیرالامرا پر شب خون مارا چونکہ امیرالامرا کی بے احتیاطی سے سیوا کو یہ موقعہ ہاتھ آیا تھا' اس لئے عالمگیر نے امیرالامرا کو معزول کر کے شاہزادہ معظم کو اس مہم پر مامور کیا۔

سیوا نے اب اور ہاتھ پاؤں نکالے سورت کے پاس جو بندرگاہ تھے' یعنی جیول و پائل وغیرہ ان پر قبضہ کر لیا۔ اور عام غارت گری کے ساتھ حجاج کو لوٹنا شروع کر دیا۔ (20) عالمگیر نے مہاراجہ جے سنگھ کو جو ریاست جے پور کا راجہ اور سپہ سالاری کا منصب رکھتا تھا' اس مہم پر مامور کیا اور فوج کا ہراول دلیر خاں کو مقرر کیا' جے سنگھ 1075ھ مطابق 8 جلوس پونا میں داخل ہوا اور ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ دلیر خاں نے سات ہزار سوار لے کر پانچ مہینے کی مدت میں سیوا کے تمام علاقے پامال کر دیئے سیوا کا

خاص دارالسلطنت راج گڑھ اور اس کی ننہال کے لوگ کندانہ میں رہتے تھے' سیوا نے دیکھا کہ یہ مقامات بھی فتح ہوئے تو تمام اہل و عیال برباد ہو جائیں گے مجبوراً" اس نے اطاعت کی سلسلہ جنبانی کی' خافی خاں لکھتا ہے۔

> "کوتاہی سخن کار بر محصوراں از سعی بہادران قلعہ کشا تنگ گردید و راہ فرار از اطراف چناں مسدود ساختند کہ ہرچند آں محیل (یعنی حیلہ باز) خواست قبائل را ازاں جابدر بردہ برمکان دشوار گزار دیگر رساندہ لشکر را برائے تعاقب آنہا سرگرداں سازد' نہ توانست و دانست کہ بعد مفتوح گردیدن آں ملجا و ماوائے مستقرالریاست آں واجب السیاست تمام مال و قبیلہ و عیال بدسگال' پامال مکافات کردار اوخواہد گردید۔ لہٰذا چند نفر زبان فہم نزد راجہ (جے سنگھ) برائے التماس عفو تقصیرات وسپردن بعض قلعہ جات باقی ماندہ و ارادہ دیدن راجہ فرستاد (جلد دوم صفحہ 180 و 181)۔

ماثر الامراء میں لکھا ہے قلعہ رودر مال کے محاصرہ میں جب قلعہ کا ایک برج توپوں سے اڑا دیا گیا تو دلیر خاں نے فوج کو قلعہ کے برج پر چڑھا دیا' سیوا نے دیکھا کہ اب قلعہ پورندھر بھی فتح ہوا چاہتا ہے جس میں سیوا کے تمام اہل و عیال محصور تھے' مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی (ماثر الامرا جلد دوم صفحہ 50 و 51 تذکرہ دلیر خاں) لیکن راجہ جے سنگھ کو سیوا کی مکاری کی وجہ سے اس کی باتوں پر اعتماد نہیں تھا' اس لئے حکم دیا کہ حملہ اور یورش کے سامان اور بڑھا دیئے جائیں' اتنے میں خبر پہنچی کہ سیوا قلعہ سے جریدہ نکل کر آ رہا ہے' ساتھ ہی چند برہمن جو اس کے ساتھ تھے' راجہ کے پاس پہنچے۔ اور نہایت عجز و زاری کے ساتھ سخت قسمیں کھائیں' خافی خاں لکھتا ہے۔

> "راجہ نظر برمکاری و عیاری او اغماض نمودہ برائے یورش زیادہ از سابق تاکید فرمودہ تاآنکہ خبر رسید کہ سیوا جریدہ از قلعہ فرود آمدو برہمنان معتمد اورسیدہ قسم ہائے شدید بہ عجز و زاری تمام بہ میاں آوردند۔"

غرض جب اطمینان ہو گیا کہ سیوا عاجزانہ آتا ہے تو راجہ جے سنگھ نے اجازت دی اور ادیب راج اپنے منشی کو استقبال کے لئے بھیجا' لیکن چند مسلح راجپوت بھی ساتھ کر دیئے کہ سیوا سے ہوشیار رہیں' یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر خلوص کے ساتھ آتا ہے تو بے ہتھیار آئے ورنہ اجازت ہے کہ واپس چلا جائے' سیوا (21) جریدہ آیا جے سنگھ نے مہربانی سے اٹھ کر گلے لگا لیا' سیوا نے ہاتھ جوڑ کہا' (22) ادنیٰ گنہگار غلاموں کی طرح حاضر ہوا ہوں' اب آپ کو اختیار ہے ماریئے یا چھوڑ دیجئے خافی خاں کے الفاظ یہ ہیں۔

"بہ طریق بندہ ہائے ذلیل مجرم رو بدیں درگاہ آوردہ ام خواہی بہ بخش و خواہی بکش۔"

سیوا نے عرض کی کہ تمام بڑے بڑے قلعے پیش کش ہیں میرا بیٹا سنبھا جی ملازمان شاہی میں داخل کیا جائے' میں مطلق العنان کسی قلعے میں بسر کروں گا' لیکن جب کبھی ضرورت ہو گی فوراً" حاضر ہوں گا' جے سنگھ نے اطمینان دلایا اور دلیر خاں کو کہلا بھیجا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ سات ہزار زن و مرد قلعہ سے باہر نکلے اور ان کو امان دی گئی' دلیر خاں نے اپنی طرف سے تلوار جمدھر دو عربی گھوڑے مع ساز طلائی سیوا کو عنایت کئے اور اس کا ہاتھ جے سنگھ کے ہاتھ میں دیا' جے سنگھ نے خلعت' گھوڑے اور ہاتھی عطا کیا' دلیر خاں نے اپنے ہاتھ سے سیوا کی کمر میں تلوار باندھی لیکن سیوا نے تھوڑی دیر کے بعد کھول کر رکھ دی اور کہا کہ "میں بغیر ہتھیار کے خدمت گزاری کروں گا۔"

اس سے پہلے جے سنگھ نے سیوا کی معافی کے لئے دربار شاہی میں لکھ بھیجا تھا۔ چنانچہ وہاں سے فرمان اور خلعت آیا' سیوا کو پہلے خلعت اور فرمان کے قبول کرنے کے آداب سکھلائے گئے' چنانچہ فرمان کے استقبال کے لئے سیوا تین میل تک پیادہ گیا اور خلعت کے سامنے آداب بجا لایا۔ (23)

سیوا نے 35 قلعوں میں سے 23 قلعے خدام شاہی کے حوالے کر دیئے' سیوا کے بیٹے سنبھا کے لئے راجہ جے سنگھ نے پنج ہزاری منصب کی سفارش کی تھی' چنانچہ وہ منظور ہوئی اور سنبھا کو فرمان شاہی عنایت ہوا' سیوا 7- ذی الحجہ 1075ھ کو جے سنگھ کی

خدمت میں حاضر ہوا تھا' اس وقت سے اب تک تلوار نہیں باندھتا تھا' لیکن 26 ربیع الاول یعنی قریباً چار مہینے کے بعد جے سنگھ نے اس کو ہتھیار لگانے کی اجازت دی اور مرصع تلوار عنایت کی۔

اس موقع پر یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ عالمگیر نے جب جے سنگھ کو سیوا کے استیصال کے لئے بھیجا تھا تو عادل شاہ والی بیجاپور کو لکھا تھا کہ وہ بھی اپنی فوجیں سیوا کے مقابلے کے لئے بھیجے' عادل شاہ نے بظاہر اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن وہ دراصل سیوا کے وجود کو پولٹیکل اغراض کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ اس لئے مخفی سیوا کو ہر طرح کی مدد دیتا تھا۔ اور قطب شاہ والئی حیدر آباد کو بھی اس کی سفارش کی' ماثر عالمگیری میں اس واقعہ کو نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"فرمان کرامت عنوان بہ عادل خاں عرضد دریافت کہ او نیز افواج خویش بر سر آں بدکیش تعین نماید ..... اگرچہ بظاہر چنیں و امی نمود کہ بنا بر امتثال امر اعلیٰ در دفع او ساعی است و برخی از لشکر ہائے خود بہ حدود ولایت آں مخذول تعین نمودہ بود' لیکن ازیں جہت کہ دفع آں بدنہاد و قلع ریشہ فساد اور ابالکلیہ از مقدمات خرابی حال خویش اندیشیدہ صواب چناں می دانست کہ آں مقہور میان عساکر منصور والل بیجاپور حائل باشد۔ دریں اوقات بنا بر مصلحت کار خود با اونامہ و پیام و عہود و مواثیق سلسلہ جنبان یک دلی و موافقت گشتہ متفق و ہمداستاں شدہ بود و نہانی در مراتب امداد و سعادتش کوشیدہ بہ تفویض اقطاعات و ارسال نقود دیگر مایحتاج اورا معاونت می کرد' وبداں تدبیر ناقص و اندیشہ واہی قطب الملک رانیز بریں داشتہ بود۔" (24)

کیا ان واقعات کے بعد بھی عالمگیر کا حملہ بیجاپور اور حیدر آباد پر بے وجہ کہا جا سکتا ہے یہ ایک اتفاقی جملہ بیچ میں آگیا تھا' اب پھر ہم سیوا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سیوا نے اطاعت قبول کی تیئس قلعوں کی کنجیاں حوالہ کیں 9 جلوس مطابق 1076ھ میں وہ پائے تخت یعنی آگرہ کو روانہ ہوا' شہر کے قریب پہنچا تو عالمگیر نے کنور رام سنگھ کو جو راجہ جے سنگھ کا بیٹا تھا مخلص خاں کے ساتھ استقبال کے لئے بھیجا' سیوا دربار میں پہنچ کر آداب بجا لایا۔ اور نذر پیش کی' عالمگیر نے اشارہ کیا کہ پنج ہزاری امراء کی قطار میں اس کو جگہ دی جائے لیکن سیوا کی توقعات اس سے زیادہ تھیں' اس نے ایک گوشہ میں جا کر رام سنگھ سے شکایت کی اور درد شکم کے بہانہ سے وہیں فرش پر لیٹ گیا۔ (25) عالمگیر نے حکم دیا کہ فرودگاہ کو واپس جائے۔

یورپین مورخین اور ان کے مقلدین نے عالمگیر کی ناعاقبت اندیشیوں اور غلط کاریوں کی جو یادداشت مرتب کی ہے اس کا پہلا نمبر یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:

> "اورنگ زیب کو یہ موقع حاصل تھا کہ سیوا جی سے اہلیت برتتا اور نہایت سلوک سے پیش آ کر اس سے فائدہ اٹھاتا۔ مگر جیسی کہ اس کی رائیں دین و ملت کے معاملہ میں تنگ و تاریک تھیں ویسے ہی تدبیر ممالک میں پستہ و کوتاہ تھیں' چنانچہ وہ اپنی طبیعت کو سیوا جی کی یکایک تذلیل و اہانت سے روک تھام تو سکا مگر اپنے تعصبوں سے بالکل کنارہ کش نہ ہو سکا۔ حاصل یہ کہ جب سیوا جی دہلی کے متصل پہنچا تو ایک کمتر درجہ کا سردار اس کی پیشوائی کو جے سنگھ کے بیٹے رام سنگھ کے ساتھ بھیجا گیا' اور جب وہ خود دربار میں حاضر ہوا تو بات اس کی نہ پوچھی گئی' یہاں تک کہ سیوا جیؒ نے کمال ادب سے پیش کشیں کیں اور غالباً یہ چاہا کہ دستور کے موافق تعریف و ثنا کے فقرے ادا کرے بہ خضوع و خشوع تخت کی طرف کو آگے بڑھے مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ بادشاہ نے کچھ توجہ نہ فرمائی اور بلا امتیاز تیسرے درجے کے سرداروں میں اس کو کھڑا کیا تو وہ اپنے رنج و غیرت کو روک

نہ سکا چنانچہ غصہ اور حمیت کے مارے رنگ اس کا پلٹ گیا' اور درباریوں کی صف سے کچھ پیچھے ہٹا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا بعد اس کے جب ہوش اس کے ٹھکانے آئے تو رام سنگھ کو اس کے باپ کے دھوکہ دہی اور وعدہ خلافی پر برا بھلا کہا اور جل بھن کر بادشاہ کے ملازموں سے یہ درخواست پیش کی کہ اب مناسب یہ ہے کہ جیسا میری بات کو خاک میں ملا دیا ویسا ہی مجھ کو بھی خاک میں ملا دیں' یعنی جب آبرو گئی تو جان کی کیا پروا ہے۔ (26)

لین پول' فرایر' برنیر وغیرہ یورپین مصنفین نے بھی اسی کے قریب لکھا ہے۔

بعض یورپین مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عالمگیر نے سیواجی کو قید کر لیا۔ اور اس پر پہرے بٹھا دیئے' اس بحث کے تصفیہ میں امور ذیل تنقیح طلب ہیں۔

1- جو برتاؤ سیواجی کے ساتھ کیا گیا' کیا تحقیر اور اہانت کی غرض سے تھا۔

2- کیا سیواجی قید کر لیا گیا تھا۔

3- اگر سیواجی کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تو کیا وہ مطیع بن جاتا۔

4- اس واقعہ کے متعلق یورپین اور مسلمان مورخین میں سے کس کی شہادت زیادہ معتبر ہے۔

اس امر کو سب مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ سیواجی کی پیشوائی کے لئے رام سنگھ اور مخلص خاں بھیجے گئے تھے' رام سنگھ راجہ جے سنگھ کا بیٹا تھا۔ جو امرائے عالمگیری میں سب سے زیادہ ممتاز اور سپہ سالار لشکر تھا' رام سنگھ شاہ جہان کے 19 جلوس میں پانچ سو سواروں کے ساتھ دربار میں آیا تھا اور اس کو ہزاری منصب اور خلعت عطا ہوا تھا۔ 27 جلوس شاہجہانی میں اس کا منصب سہ و نیم ہزاری تک پہنچا' عالمگیر کے زمانہ میں وہ معتمد خاص رہا' یہاں تک کہ سلیمان شکوہ کے لانے کے لئے عالمگیر نے اسی کو راجہ جے سنگھ کا قائمقام بنا کر بھیجا تھا' سیواجی کی اطاعت کی جس دن خبر آئی عالمگیر نے اس کو

زیور مرصع' ہاتھی اور خلعت (27) عطا کیا' چونکہ سیوا جی راجہ جے سنگھ کے توسط اور ضمانت سے دربار میں آیا تھا' اس لئے اس کے استقبال کے لئے رام سنگھ سے زیادہ کون موزوں ہو سکتا تھا جو اپنے باپ کا فرزند رشید اور اس کا قائمقام تھا' مخلص خاں اس کے ساتھ اس لئے بھیجا کہ یہ نہ خیال ہو کہ ہندو پن کے تعصب سے کوئی مسلمان درباری نہیں بھیجا گیا۔

الفنسٹن صاحب کی اس چالاکی کو دیکھو کو استقبال کا اصلی ممبر مخلص خاں کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رام سنگھ اس کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا' حالانکہ تمام تاریخوں میں رام سنگھ کا نام مقدم رکھا گیا ہے۔

سیوا جی کو جب منصب عطا ہوا وہ پنج ہزاری تھا' جس کو الفنسٹن صاحب اپنی کتاب کے نوٹ میں تیسرے درجہ کا منصب قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نامور مورخ کو یہ معلوم نہیں کہ خود راجہ جے سنگھ کا منصب اس وقت تک پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھا' اس فتح عظیم کے صلہ میں جب اس کے منصب پر دو ہزار کا اضافہ ہوا ہے تب جا کر وہ ہفت ہزاری ہوا ہے۔ ماثر عالمگیری میں ہے۔

> "نوز دہم ذی الحجہ کو خبر فتح قلعہ پورندھر و کیفیت آمدن سیوا بمسامع جاہ و جلال رسید۔ دو ہزار سوار ازا تابینانش دواسپہ سہ اسپہ مقرر فرمود مذکر منصبش از اصل و اضافہ ہفت ہزاری ہزار سوار واسپہ سہ اسپہ باشد۔" (28)

راجہ جے سنگھ ریاست جے پور کا رئیس' دربار عالمگیری کا سب سے معزز سردار اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سیوا جی کا فاتح اور سر شکن تھا' کیا ہمارے یورپین دوست یہ چاہتے ہیں کہ ایک مفتوح باغی' ایک فاتح حکمران کا ہمسر بنا دیا جاتا۔

راجہ جے سنگھ پر موقوف نہیں خود وزیراعظم فاضل خاں کا منصب پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھا' مہارانہ اودے پور سے زیادہ ہندوستان میں کوئی راجہ معزز نہ تھا۔ لیکن جب اس خاندان نے دربار شاہی سے ربط پیدا کیا تو جہانگیر نے رانا کرن کو یہی پنج ہزاری منصب دیا۔ اس کے بعد رانا راج سنگھ کو دربار عالمگیری سے یہی منصب حاصل

ہوا۔ چنانچہ راجہ کرن کے تذکرہ میں ماثرالامراء کے مصنف نے یہ تمام واقعات درج کئے ہیں۔ کیا سیوا جی اودے پور کے مہارانوں سے بھی زیادہ معزز درجہ رکھتا تھا' ان سب کے علاوہ خود سیوا جی کے باپ ساہو جی نے 3 جلوس میں جب شاہجہان کے دربار میں رسائی حاصل کی ہے تو شاہجہان نے اس کو یہی پنج ہزاری منصب عنایت کیا تھا۔ (29)

سیوا جی کی اطاعت کا سلطنت پر کیا احسان تھا؟ شاہی فوجوں نے اس کے تمام علاقے فتح کر لئے تھے' وہ قلعہ میں چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ اس کے خاص صدر نشین قلعے کے برجوں پر شاہی فوج کا پھریرا اڑ چکا تھا' ان مجبوریوں سے وہ ہتھیار رکھ کر غلاموں کی طرح آیا اور دربار میں روانہ کیا گیا۔ تاہم اس کے استقبال کے لئے عالمگیر نے دربار میں سب سے زیادہ جو شخص موزوں ہو سکتا تھا' اس کو بھیجا' پنج ہزاری امرا کی صف میں جو خود راجہ جے سنگھ کا منصب تھا' اس کو جگہ دی' اس سے زیادہ اور کیا چاہتا تھا؟ کیا شہنشاہ ہند ایک مفتوح رہزن کے لئے تخت سے اتر آتا؟ بے شبہ یورپ اس قسم کی جھوٹی اور مکارانہ خوشامدوں کی مثالیں پیش کر سکتا ہے' لیکن اسلام سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

منصب کی بحث چھوڑ کر سیوا جی کا جو اعزاز کیا گیا اس کی کیفیت ماثر عالمگیری کی عبارت ذیل سے معلوم ہو گی۔

"چوں بہ بارگاہ خلافت رسیدہ کامیاب تفصیل سدہ سینہ گردیدہ بعد
از تقدیم آداب ملازمت بہ اشارہ والا برسباط قرب و منزلت
باریافت و در مقامے مناسب کہ جائے مقربان پیشگاہ دولت
بود باامرائے نامدار و نوئینان رفیع مقدار دوش بدوش ا یستاد۔"

جس کتاب کی یہ عبارت ہے وہ خاص عالمگیر کے حکم سے روزنامچہ کے طور پر لکھی گئی ہے اور عالمگیر کو اس کا مسودہ دکھلا کر منظور کرا لیا جاتا تھا' اس بنا پر یہ الفاظ گویا عالمگیر کی زبان سے ہیں۔ ان الفاظ میں صاف تصریح ہے کہ سیوا کو دربار میں وہ جگہ دی گئی جو مقربان دولت اور امرائے نامدار کی جگہ تھی' اگر عالمگیر سیواجی کی تحقیر

چاہتا تو اپنے روزنامچہ میں یہ کیوں لکھواتا کہ اس کی توقیر اور عزت کی گئی' دربار میں جو کچھ ہوا وہ ایک وقتی کاروائی تھی جو گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہ سکتی تھی' لیکن تاریخ کی عمر قیامت کے دامن سے بندھی ہے' اس لئے اگر عالمگیر کو سیوا کی تحقیر مقصود ہوتی تو کیا وہ پسند کرتا کہ گھڑی دو گھڑی کے لئے اس کو ذلت دے اور قیامت تک کے لئے اس کی توقیر اور عزت کا واقعہ تاریخ میں درج ہو جائے۔

یورپین مورخوں کی سند خافی خاں کا بیان ہے جس نے ناراضی کے حسب ذیل اسباب بتائے ہیں۔

-1 سیوا جی کے بیٹے کو اس سے پہلے پنج ہزاری منصب عطا ہو چکا تھا' اس لئے باپ کی عزت بیٹے سے زیادہ ہونی چاہئے تھی۔

-2 جے سنگھ نے جو اس کو امیدیں دلائی تھیں بادشاہ کی طرف سے اس کا اظہار نہیں ہوا۔

-3 اس کا استقبال اس شان سے نہیں ہوا جو اس کے خیال میں تھا۔

استقبال کے متعلق تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں' باقی دو اعتراض توجہ کے قابل ہیں۔

اصل سوال یہ ہے کہ راجہ جے سنگھ نے سیوا کی نسبت کیا سفارش کی تھی جس کی بنا پر سیوا نے دربار میں جانا منظور کیا تھا۔ عالمگیر نے اس سفارش کو منظور کیا یا نہیں اور جو امیدیں سیوا کو دلائی گئی تھیں وہ عالمگیر کی طرف سے پوری کی گئیں یا نہیں؟

اس بات پر تمام مورخین متفق ہیں کہ جب سیوا دربار سے ناراض ہو کر چلا آیا تو عالمگیر نے حکم دیا کہ راجہ جے سنگھ کو کیفیت واقعہ سے اطلاع دی جائے۔ وہاں سے جو جواب آئے اس پر عمل کیا جائے' خود خافی خاں لکھتا ہے۔

"حکم نمودند کہ حقیقت بہ راجہ جے سنگھ نوشتہ تارسیدن جواب کہ آنچہ مصلحت صوابدید داند بہ عمل آید۔ سیوا بہ مجرانہ آید۔"

ماثر عالمگیری میں ہے۔

"منشور متضمن ایں کیفیت بہ راجہ جے سنگھ اصدار یافت کہ آنچہ صلاح داند معروض دارد تا بہ او معاملہ رود۔"

جے سنگھ نے جو جواب بھیجا وہ صرف اس قدر تھا کہ اس کا جرم معاف کر دیا جائے۔

"دریں اثنا عرضداشت راجہ جے سنگھ نیز رسید کہ با او عہد و قول درمیاں آوردہ ام گذشتن از جرم آں مخذول بہ اکثر مصالح اقرب است۔"

چنانچہ اس عرضی کے آنے کے بعد سیوا کی نگرانی کا جو حکم تھا اٹھا لیا گیا' اور وہ مطلق العنان کر دیا گیا۔

میں نے بنارس میں ایک مشہور کایست خاندان کے ہاں ایک قلمی بیاض دیکھی جس میں راجہ جے سنگھ کے وہ خطوط ہیں جو اس نے سیوا کے معاملات اور مہمات کے متعلق عالمگیر کو لکھے تھے' ایک خط خاص اس معاملہ کے متعلق ہے' یہ خط ایشیائی عام طریقہ کے موافق بہت لمبا چوڑا ہے۔ لیکن تمام خط میں یہ کہیں نہیں کہ میں نے سیوا سے ہفت ہزاری منصب کا وعدہ کیا تھا۔ نہ اس قسم کی اور کوئی خواہش مذکور ہے' صرف اس قدر ہے کہ اس کی خاطرداری کی جائے۔

تمام موافق اور مخالف مورخوں نے لکھا ہے کہ راجہ جے سنگھ نے سنبھاجی (فرزند سیواجی) کے لئے پنج ہزاری منصب کی سفارش کی تھی وہ منظور ہوئی۔

جب یہ مسلم ہے کہ جے سنگھ کی سفارشیں سنبھاجی وغیرہ کی نسبت پوری پوری منظور ہوئیں' جب یہ مسلم ہے کہ کوئی مورخ کنایتہ" بھی یہ دعوئی نہیں کرتا کہ جے سنگھ نے سیواجی کے لئے ہفت ہزاری وغیرہ منصب کی سفارش کی تھی' جب یہ مسلم ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب عالمگیر نے جے سنگھ سے حقیقت حال اور اصلاح پوچھی تو اس نے صرف عفو تقصیر اور استمالت کی درخواست کی' تو بداہتہ" ثابت ہے کہ سیوا سے ہفت ہزاری وغیرہ کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا اور نہ کوئی امر وعدہ کے خلاف عمل میں آیا۔ اسی بنا پر جے سنگھ نے صرف یہ درخواست کی کہ سیوا کی گستاخی جو اس سے دربار میں سرزد ہوئی معاف کر دی جائے' چنانچہ کوتوال کو جو حکم دیا گیا تھا کہ سیواجی کی نگرانی رکھی جائے وہ اٹھا لیا گیا۔

خافی خاں کا یہ اعتراض کہ سنبھاجی کو جو منصب عطا ہوا تھا' سیوا کو اس سے زیادہ عطا ہونا چاہئے تھا' بہ ظاہر لگتی ہوئی بات ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دربار تیموری میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باپ بیٹے کو ایک درجے کا منصب عطا کیا جاتا تھا' اور چونکہ ابتدا کسی شخص کو پنج ہزاری سے زیادہ منصب نہیں مل سکتا تھا' اس لیے سیوا کو بھی پہلے پہل یہی منصب دیا جا سکتا تھا۔ جن لوگوں کو ہفت ہزاری اور دو ہزاری وغیرہ منصب ملے ہیں' سب ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچے ہیں یہ قاعدہ کلیہ کے لئے توڑا نہیں جا سکتا۔

یورپین مورخین کا یہ دعویٰ کہ اگر سیوا سے اچھا برتاؤ کیا جاتا تو وہ حلقہ بگوش بن جاتا' کس قدر تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے۔ سیوا کی تمام زندگی میں پابندی عہد کا کونسا واقعہ ہے؟ افضل خاں کا دغا بازانہ قتل' بیجاپور اور گولکنڈہ کے ساتھ مکارانہ سازشیں' شہروں اور قصبوں پر غفلت اور بیخبری میں چھاپے مارنا' کیا ان واقعات سے اسی قسم کے نتائج کی امید ہو سکتی ہے۔

شدم آگہ زود از خوئے آں بیداد گر وحشی
اگر بعد از وفا ایں کارہا کردے چہ می کردم

پچھلے بیانات سے تو اس قدر قطعاً" ثابت ہو گیا کہ مرہٹوں کو عالمگیر نے نہیں چھیڑا تھا' بلکہ شاہجہان کے زمانے میں وہ اس قدر قوت پکڑ چکے تھے کہ شاہجہان کو تمام اپنی قوت ان کے مقابلہ میں صرف کر دینی پڑی تھی۔ اور اس نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے خود دکن کا سفر کیا تھا' یہ بھی واضح ہو چکا کہ عالمگیر کی فوج نے سیوا کو اس قدر دست پاچہ کر دیا تھا' کہ وہ ہتھیار کے بغیر سپہ سالار کے پاس حاضر ہو گیا' یہ امر بھی تمام تاریخی شہادتوں سے فیصل ہو چکا کہ عالمگیر نے سیوا کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ کسی طرح سیوا کے مرتبہ اور شان کے خلاف نہ تھا' اب گفتگو اس میں ہے کہ کیا سیوا نے اپنی قوت قائم کر لی اور اخیر تک وہ عالمگیر کا حریف مقابل رہا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشینوں نے عالمگیر کی سلطنت کا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔

تمام یورپین مورخوں کا بیان ہے کہ عالمگیر مرہٹوں کے مقابلہ سے بالکل عاجز آ گیا تھا' یہاں تک کہ اس نے مرہٹوں کو چوتھ یعنی دکن کے چھ صوبوں کی چوتھائی آمدنی دینی منظور کر لی تھی الفنسٹن صاحب اگرچہ چوتھ دینے کے واقعہ سے منکر ہیں' تاہم لکھتے ہیں کہ "اورنگ زیب کے سرداروں کے تغیر و تبدل سے سیوا جی کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا' اس لئے کہ راجہ جسونت سنگھ شاہزادہ معظم کی طبیعت پر حاوی اور بادشاہ کی نسبت ہندوؤں کا زیادہ خیر خواہ تھا' علاوہ اس کے لوگوں کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ وہ لوبھی لالچی ہے اور روپیہ کی بات تھوڑی بہت مانتا ہے۔ غرضیکہ ان وسیلوں سے سیوا جی نے رفیق اس کو بنایا اور نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ اس کی اور شاہزادہ معظم کی تائید و اعانت سے ایسی عمدہ عمدہ شرطوں پر بادشاہ سے آشتی کی کہ وہ اس کی توقع سے خارج تھیں' چنانچہ بہت سا ملک اس کا اس کو واپس کر دیا گیا اور صوبہ برار میں اس کو جاگیر عنایت کی گئی۔ اور راجائی کا خطاب اس کا تسلیم کیا گیا' اور سارے قصوروں سے چشم پوشی برتی گئی۔ (30)

مفصل بحثوں سے پہلے ہم دکھلاتے ہیں کہ یورپین مورخ کس طرح واقعہ کی اصلی حیثیت بدل کر دوسرے قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب سیوا بھاگ کر دکن پہنچا اور 10 جلوس میں معظم شاہ بہمراہی جسونت سنگھ دکن کی صوبیداری پر مامور ہوا تو سیوا جی نے جسونت سنگھ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے بیٹے سنبھا جی کو بھیجتا ہوں اس کو فوج میں کوئی عہدہ عنایت کیا جائے۔ جسونت سنگھ نے یہ درخواست منظور کی' سیوا جی نے سنبھا کو ایک ہزار فوج کے ساتھ شاہزادہ معظم شاہ کی خدمت میں بھیجا' چونکہ سنبھا جی کو پہلے بھی پنج ہزاری منصب عالمگیر کے دربار سے مل چکا تھا۔ اور سیوا جی کے نظر بند ہونے کی حالت میں بھی وہ دربار کی حاضری سے روکا نہیں گیا تھا' بلکہ روزانہ حاضر ہو کر مجرا بجا لاتا تھا اس لئے معظم شاہ نے سنبھا کو پنج ہزاری منصب عنایت کیا اور صوبہ برار میں اس کو جاگیر عنایت کی' ماثر الامرا جلد دوم صفحہ 348 میں ہے۔

"بعد رسیدن بادشاہزادہ بہ مہاراجہ جسونت سنگھ پیغام کرد کہ سنبھا

پسر خود رامی فرستم بہ منصب سرفراز شود' وبا جمعیت بہ کار ماموره
پردارد پس از پذیرا شدن این معنی پسر بذمور راباپر تاب راؤ ناکامی
کار پردارد جمعیت یک ہزار سوار فرستاده بعد ملازمت بہ منصب
پنج ہزاری پنج ہزار سوار و عطای فیل بایراق مرصع و تیول در صوبہ
برار وغیره سربلندی یافت۔"

یہی عبارت ہے جس سے الفنسٹن صاحب نے واقعات مذکورہ بالا اخذ کئے ہیں۔ لیکن اس سے کس رنگ آمیزی سے کام لیا ہے' سیوا جی نے اطاعت کی درخواست کی اور اپنے بیٹے کو ملازمت میں بھیجا' درخواست منظور ہوئی اور عہدہ بحال ہوا' عہدہ کی بحالی اور جاگیر کا عنایت ہونا دربار کی معمولی باتیں تھیں۔ سینکڑوں عہدہ دار جرم کرتے تھے' برطرف ہوتے تھے پھر معافی مانگ کر بحال ہوتے تھے اور ان کے منصب و جاگیر واپس ملتے تھے اس میں غیر معمولی اور غیر متوقع کیا بات ہے؟ کیا الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ "ایسی ایسی عمدہ شرطوں پر بادشاہ سے آشتی کی کہ وہ اس کی توقع سے خارج تھیں" غیر متوقع شرطیں کیا تھیں' وہی عہدہ کی بحالی اور جاگیر' راجائی کے خطاب کا ماثر الامرا میں ذکر نہیں' لیکن ہوتا بھی تو کیا؟ راجائی کا خطاب دربار میں چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں تک کو ملتا تھا' سنبھا جی کو بھی یہی خطاب ملا تھا۔ لیکن الفنسٹن اسی خطاب کو اس حقیقت سے ظاہر کرتے ہیں گویا سنبھا جی رئیس خود مختار تسلیم کیا گیا' ان سب کے علاوہ راجائی کا خطاب سنبھا جی کو عطا ہوا تھا۔ الفنسٹن صاحب اس کو سیوا جی کی طرف منسوب کرتے ہیں' سنبھا جی کو صرف جاگیر عطا ہوئی تھی' جو معمولاً عہدہ داروں کو عطا ہوا کرتی تھی' الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ "اس کا ملک اس کو واپس ہوا" گویا عالمگیر نے اس کا صاحب ملک ہونا تسلیم کر لیا تھا' غور کرو ایک ذرا سی عبارت کے مطلب میں الفنسٹن صاحب نے کس قدر تصرفات کئے اور کس قدر توبر تو تحریفات۔

چوتھ کا یہ واقعہ ہے کہ دکن میں ایک مدت سے قاعدہ چلا آتا تھا اور زمانہ حال تک باقی تھا کہ تحصیلدار اور کلکٹر کے بجائے دیس مکھ ہوتے تھے' یہ مالگذاری وصول

کر کے سرکار میں داخل کرتے تھے اور ان کو رقم موصولہ کا دسواں حصہ یا اس سے زاید ملتا تھا۔ سیوا جی اور اس کے جانشین سنبھاجی اور رام راجا جب مر گئے تو تارا بائی نے جو رام راجا کی زوجہ اور نہایت بہادر اور صاحب حوصلہ تھی مدت تک شورش اور فساد کا سلسلہ قائم رکھا' لیکن بالاخر عاجز آ کر یہ درخواست کی کہ نو روپیہ فی صدی پر دیس مکھی کا منصب عطا کیا جائے لیکن عالمگیر نے منظور نہ کیا' خافی خاں لکھتا ہے۔

"در اواخر عہد خلد مکان (عالمگیر) ہرچند وکلائے تارا بائی رانی کہ زن رام راجا باشد و بعد فوت شوہر تا دہ دوازدہ سال دم مخالفت با بادشاہ زد التماس مصالحہ بہ شرط عطا نمودن سرد یسمکھی شش صوبہ دکن بدستور سرصد نہ روپیہ رجوع آوردہ بود بادشاہ مغفور از غیرت اسلام و بہ میان آوردن بعض سلب قبول نہ نمود۔" (خافی خاں صفحہ 783)

الفنسٹن صاحب بھی باوجود سخت مخالفت کے تسلیم کرتے ہیں کہ عالمگیر نے مرہٹوں کو چوتھ وغیرہ منظور نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اب بادشاہ کا حال ایسا پتلا ہو گیا تھا کہ کام بخش کے سمجھانے بجھانے سے آشتی کا خواہاں ہوا یہاں تک کہ اگر مرہٹوں کی بیہودہ درخواستوں اور ناشائستہ حرکتوں سے آشتی کی لکھا پڑھی منقطع نہ ہوتی تو گمان غالب تھا کہ وہ ساہو کو قید سے رہائی بخشتا اور دکن کے محاصل سے فی صدی سالانہ اس طرح عنایت کرتا کہ اس کی بات کو بٹہ نہ لگتا۔" (صفحہ 1126)

عالمگیر کے بعد 1119ھ بزمانہ بہادر شاہ راجہ ساہو کے وکیل نے ذوالفقار خاں کے ذریعے سرد یسمکھی کے سند کی درخواست کی' بہادر شاہ نے منظور بھی کر لی' لیکن خود مرہٹوں کے آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ملتوی (31) رہ گئی' مولوی غلام علی آزاد نے خزانہ عامرہ میں غلطی سے لکھ دیا ہے کہ عالمگیر نے سند لکھ دی تھی' لیکن پھر اس کی رائے پھر گئی آزاد کی عبارت یہ ہے۔

"آخر رائے بادشاہ برگشت و میر ملنگ راکہ ہنوز اسناد حوالہ غنیم
(مرہٹہ) نکردہ بود بحضور طبیعد۔" (32)

آزاد کا بیان اگرچہ تمام مورخوں کے خلاف ہے تاہم اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ بالاخر عالمگیر نے مرہٹوں کی درخواست منظور نہیں کی' ان شہادتوں کے مقابلہ میں یورپین مورخوں کا بیان کس قدر تعجب انگیز ہے' لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو سر دیسمکھی کا عہدہ رعایا اور ماتحتوں کو دیا جاتا ہے' بالکل اسی طرح جس طرح یہاں انگریزی گورنمنٹ سے پہلے چوہدری اور مکھیا ہوتے تھے' آج بھی دکن میں سینکڑوں دیسمکھ موجود ہیں' لیکن یورپین مورخوں نے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ آج تمام تعلیم یافتہ یہ سمجھتے ہیں کہ عالمگیر نے دب کر بطور خراج یا ٹیکس کے مرہٹوں کو یہ رقم دینی منظور کر لی تھی۔ ان واقعات سے قیاس ہو سکتا ہے کہ صرف ایک لفظ کے مفہوم بدل دینے سے تاریخ کا رخ کس طرح بدل جاتا ہے۔

چوتھ یا دہ یکی کا منظور کرنا تو محض افترا ہے تاہم اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا مخالف کہہ سکتا ہے کہ گو عالمگیر نے کوئی رقم دینی منظور نہ کی ہو' لیکن مرہٹوں نے اس کی سلطنت کے ارکان متزلزل کر دیئے تھے۔ الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں۔

"جوں جوں کہ مرہٹے لوگ اورنگ زیب کی فوج اکبر کے قریب آتے گئے اسی قدر اس کی مشکلات زیادہ ہوتی گئیں یہاں تک کہ کبھی دامن لشکر تک لوٹتے مارتے آتے تھے اور رسدوں کو کاٹتے تھے اور مویشیوں کو سامنے سے اٹھا لے جاتے تھے اور چرکٹوں کو مار ڈالتے تھے' اور ایسا تنگ پکڑا تھا کہ جب تک قوی محافظوں کا گروہ ہمراہ نہ ہوتا تھا تب تک اکیلا دوکیلا چھاؤنی سے باہر نہیں جا سکتا تھا اور اگر کوئی معمولی ٹکڑا فوج کا ان کی دوت دبک کے لئے روانہ کیا جاتا تھا تو وہ لوگ اس کو مار پیٹ کر بھگاتے تھے یا بالکل تباہ کر دیتے تھے۔"

"عالمگیر کا پچھلا جنگی کام یہ تھا کہ وہ احمد نگر کو لوٹا اور لوٹنے

کا حال اس کی ہاری تھکی اور ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے سمجھا جا سکتا ہے' چنانچہ لشکر کی بھیڑ بھاڑ افسردگی پژمردگی اور بے انتظامی سے پیچھے کو لوٹتی تھی اور بندو قچیوں کی متواتر گولی چلانے سے کان ان کے بہرے ہو گئے تھے اور بھالے والوں کے دھاروں اور للکاروں سے بہت گھبرا گئے تھے۔ اور ہر وقت ان کو یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ اب مرہٹوں کی طرف سے عام دھاوا ہو گا اور ہماری بربادی کمال کو پہنچے گی۔"

ان واقعات کے طے کر لینے کے لئے ہم کو پہلے سیوا جی اور اس کے جانشینوں کی مختصر تاریخ پیش نظر رکھنی چاہئے۔

سیوا جی جب اکبر آباد سے نکل کر دکن پہنچا تو ریاست گولکنڈہ کی اعانت سے شاہی علاقوں پر غارت گری شروع کی اور متعدد قلعوں پر قابض ہو گیا۔ عالمگیر نے اس کی تنبیہ کے لئے وقتاً" فوقتاً" فوجیں متعین کیں جو کبھی فتح پاتی تھیں اور کبھی شکست کھاتی تھیں بالآخر سنہ 23 جلوس مطابق 1090ھ میں سیوا نے وفات پائی۔ (33) سیوا کے بعد اس کا بیٹا سنبھا جی جانشین ہوا۔ اس نے برہان پور پر دفعتہ" حملہ کر کے نہایت سفاکی اور بے دردی سے تمام شہر کو لوٹا اور شہر میں آگ لگا دی' علما اور مشائخ برہان پور نے ایک محضر تیار کر کے عالمگیر کے پاس بھیجا کہ یہ ملک اب دارالحرب ہو گیا' اور اب یہاں جمعہ اور جماعت جائز نہیں۔

عالمگیر نے اب تک مرہٹوں کی شرارتوں پر چنداں توجہ نہیں کی تھی' لیکن اس واقعہ نے اس کو متاثر کیا اور محضر کے جواب میں لکھا کہ میں خود آتا ہوں 25 جلوس میں وہ دکن کو روانہ ہوا اور اورنگ آباد میں قیام کر کے اپنے بڑے بیٹے معظم شاہ کو مرہٹوں کے استیصال کے لئے روانہ کیا' معظم شاہ دکن کے تمام علاقوں کو پامال کرتا ہوا انتہائے حد تک پہنچ گیا۔ لیکن آب و ہوا کی ردات اور رسد کی نایابی کی وجہ سے ہزاروں آدمی اور مویشی تباہ ہو گئے اور بالآخر عالمگیر نے اس کو واپس بلا لیا' اس کے بعد وقتاً" فوقتاً" فوجیں متعین ہوتی رہیں' لیکن چونکہ سنبھا جی کو بیجاپور اور حیدر آباد سے مدد

ملتی رہتی تھی' عالمگیر نے مرہٹوں کی طرف سے توجہ ہٹا کر حیدر آباد کی طرف رخ کیا' اور اس کو فتح کر کے ممالک مقبوضہ میں داخل کر لیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر 34 جلوس مطابق 1101ھ میں مقرب خاں کو سنبھا کے استیصال کے لئے روانہ کیا' مقرب خاں نے کولاپور میں پہنچ کر مقام کیا' یہاں اس کو خبر لگی کہ سنبھا دو تین ہزار سواروں کے ساتھ سنگمیز میں مقیم ہے' اگرچہ یہ مقام کولاپور سے 45 کوس کے فاصلے پر تھا اور راستہ اس قدر دشوار گزار تھا کہ جابجا مقرب خاں کو گھوڑے سے اتر کر پیادہ چلنا پڑتا تھا' تاہم اس تیزی سے یلغار کرتا ہوا پہنچا کہ سنبھا خبردار بھی نہ ہونے پایا اور مقرب خاں نے اس کو جا لیا' چونکہ مقرب خاں کے ساتھ صرف دو تین سو سوار تھے' سنبھا نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مع اہل و عیال کے زندہ گرفتار ہوا' چونکہ سنبھا سخت سفاک اور ظالم تھا اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی اس کی سفاکیوں اور بے رحمانہ غارت گریوں سے نالاں تھے' اس لئے جب اس کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ملک میں خوشی کے غلغلے بلند ہوئے' جب وہ پابہ زنجیر عالمگیر کے دربار میں روانہ کیا گیا تو راہ میں جدھر گزرتا تھا شریف عورتیں تک گھروں سے نکل آتی تھیں اور خوشیاں کرتی تھیں' خافی خاں لکھتا ہے۔

"از زناں مستورات گرفتہ تامرداں دست و پا باختہ از خوش وقتی
ایں خبر خواب تمودہ تا دو منزل بہ تماشا برآمدہ شکر گویان استقبال
نمودہ بودند' دور ہر قصبہ و دیہات سر راہ و اطراف ہر جا خبری
رسید دہل شادی نواختہ می گردید و ہر جا گزری می نمودند' در و بام
پراز زن و مرد گشتہ شادی کناں تماشای نمودند۔"

غرض سنبھا عالمگیر کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ اور چونکہ اس نے رو در رو عالمگیر کو سخت گالیاں دیں عالمگیر نے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کر دیا گیا۔ اس موقع پر یاد رکھنا چاہئے کہ عالمگیر کے پچاس برس کی حکومت کا صرف یہ ایک مستثنٰی واقعہ ہے۔ ورنہ اس نے کبھی کسی کو اس قسم کی وحشیانہ سزا نہیں دی۔

سنبھا کے ساتھ اس کا بیٹا ساہو اور اس کی ماں بھی گرفتار ہوئی تھی' عالمگیر نے اس

موقع پر ایسی فیاض دلی اور وسعت حوصلہ سے کام لیا جس کی نظیر تاریخوں میں بہت کم مل سکتی ہے۔ اس نے ساہو کو جو سات آٹھ برس کا لڑکا تھا ہفت ہزاری کا منصب اور راجہ کا خطاب دیا اور اس کی سرکار قائم کر کے دیوان اور بخشی مقرر کئے اور حکم دیا کہ اس کا خیمہ ہمیشہ شاہی خیمہ کے ساتھ ایستادہ کیا جائے' اس کے چھوٹے بھائیوں یعنی مدن سنگھ اور اودھو سنگھ کی بھی اسی طرح قدر افزائی کی۔

بے شبہ یہ بڑی فیاضی کا کام تھا۔ لیکن دور اندیشی سے دور تھا۔ خافی خاں نے سچ لکھا کہ یہ "افعی کشتن و بچہ اش رانگہداشتن" تھا۔ (34)

ہندوؤں کے مذہب میں قید کی حالت میں کھانا نہیں کھاتے اس بنا پر ساہو صرف مٹھائی اور میوہ جات پر بسر کرتا تھا' عالمگیر کو یہ حال معلوم ہوا تو حمیدالدین خاں کو بھیجا کہ جا کر ساہو سے کہو کہ "تم قید میں نہیں' بلکہ اپنے گھر میں ہو۔ اس لئے تم کو بے تکلف کھانا چاہئے۔" (35)

عالمگیر کو اس کے مخالف متعصب اور تنگ دل کہتے ہیں' لیکن اگر تعصب اسی کا نام ہے تو ہزاروں بے تعصبیاں اس پر نثار کر دینی چاہئیں' عالمگیر کا برتاؤ اخیر تک ساہو کے ساتھ مربیانہ اور فیاضانہ رہا' چنانچہ عالمگیر کے مرنے کے بعد گو ساہو نے خود مختاری کا علم بلند کیا' لیکن عالمگیر کے احسانوں کا پھر بھی اتنا اس کو پاس تھا کہ سب سے پہلے اس نے عالمگیر کی قبر کی جا کر زیارت کی۔ (36)

سنبھا کے مرنے کے بعد اس کا بھائی رام راجہ اس کا جانشین ہوا اور متعدد موقعوں پر شاہی فوجوں کو سخت شکستیں دیں' اس کی فوج کے دو بڑے سردار سنتا اور دھنتا تھے جو دس دس بارہ بارہ ہزار جمعیت کے ساتھ تمام ملک کو لوٹتے پھرتے تھے' اور ان کا اس قدر رعب چھا گیا تھا کہ بادشاہی افسران کے مقابلے سے جی چرانے لگے تھے۔

مخالفوں نے ان واقعات کو بڑے آب و رنگ سے بیان کیا ہے لیکن بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ 1106ھ میں سنتا مقتول ہوا اور رام راجہ اپنے مقبوضہ مقامات سے بھاگ کر آوارہ گرد برار کے علاقے میں قصبات اور دیہات کو لوٹتا پھرتا تھا' 1101ھ میں مر گیا'

رام راجا کے بعد اس کی بیوی' تارا بائی نے مرہٹوں کی سرداری حاصل کی اور رام راجا کی طرح اس نے بھی عالمگیر کو مدتوں پریشان رکھا۔

اب عالمگیر نے قطعی ارادہ کر لیا کہ مرہٹوں کا بالکل استیصال کر دے' اس کے لئے سب سے مقدم یہ امر تھا کہ مرہٹوں کے قلعے جو ان کی جائے پناہ تھے فتح کر لئے جائیں' یہ قلعے ایسے محفوظ بلند مستحکم اور چاروں طرف سے غاروں اور خندقوں سے گھرے ہوئے تھے کہ ان کا فتح کرنا آدمی کا کام نہ تھا۔ بعض بعض دو دو میل کی بلندی پر واقع تھے' راج گڑھ کا قلعہ جو سیوا جی کا گویا پائے تخت تھا' اس کا دور بارہ میل کا تھا' راستے اس قدر دشوار گزار تھے کہ کئی کئی دن کے متواتر سفر میں ایک ایک کوس طے ہوتا تھا' لین پول صاحب مصائب راہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

> کوچ کی حالت میں ناممکن العبور دریاؤں' سیلابی وادیوں' پرخلاب نالوں اور تنگ راستوں نے کس قدر تکلیفیں دی ہوں گی' جہاں سامان رسد مہیا نہ ہوتا تھا' اس کو ٹھہر جانا ہوتا تھا اور چارہ گھانس کے نہ ملنے سے جانوروں اور بار برداری کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ فوج بے دست و پا ہو جاتی تھی' برسات کے سوا گرمیوں میں منزلوں کی سختی' خیموں کی اذیت اور پانی نہ ملنے کی مصیبت بیان سے باہر ہے۔

عالمگیر کی عمر اس وقت 88 برس کی تھی تاہم اس جواں ہمت بادشاہ نے بذات خود اس مہم کی کمان کی اور بالآخر تمام قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لئے الفنسٹن صاحب نہایت ناگواری اور مجبوری سے شہادت دیتے ہیں۔

> اورنگ زیب اپنی چالوں چلے گیا۔ یہاں تک کہ اگلے چار برس میں بڑے بڑے قلعوں کو اپنے تصرف میں لایا۔ بہت سے محاصرے لمبے چوڑے اور خونوں کے پیاسے واقع ہوئے اور دونوں طرف سے طرح طرح کی تدبیریں اور بھانت بھانت کی فطرتیں برتی گئیں' مگر وہ تدبیریں ایسی متواتر مرۃ بعد اخریٰ واقع

ہوئیں کہ تفصیل ان کی بغایت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے' ہاں
انجام ان کا یہ ہوا کہ وہ قلعے مذکورہ بالا فتح ہو گئے۔ (37)

غرض 1117ھ مطابق 49 جلوس یعنی عالمگیر کی وفات سے دو برس قبل مرہٹوں کے تمام قلعے اور محفوظ مقامات فتح ہو گئے اور عالمگیر نے دیواپور میں جو دریائے کرشنا کے قریب ہے قیام کر کے حسین قلیچ خان کو اس کام پر معین کیا کہ تمام ملک میں امن امان کی منادی کرا دے اور رعایا کو ترغیب دی جائے کہ اپنے اپنے گھر پر آ کر آباد ہو جائیں۔ (38)

مرہٹے اب بالکل بے خانماں ہو گئے تھے اور خانہ بدوش ہو کر ادھر ادھر قزاقوں اور ڈاکوؤں کی طرح چھاپے مارتے پھرتے تھے' جب کوئی نیا ملک مفتوح ہوتا ہے تو عموماً مدت تک یہ حالت باقی رہتی ہے' برہما کو جب انگریزی گورنمنٹ نے فتح کیا تو باوجود اس کے کہ ان بیچاروں کے پاس جنگ کا کوئی سروسامان نہ تھا۔ تاہم کئی برس تک اس قسم کی برہمی قائم رہی جس کی پاداش میں انگریزی فوجیں دیہات اور قصبات کو آگ لگاتی پھرتی تھیں' خود ہندوستان میں ابتدائی عملداری میں مدتوں تک پنڈارے کئی کئی سو میل تک کے دھاوے کرتے پھرتے تھے اور اس وقت تک امن قائم نہ ہو سکا جب تک گورنمنٹ نے ان کو بڑی بڑی جائیدادیں دے کر راضی نہیں کیا۔

اس سے بڑھ کر تعصب اور ناانصافی کیا ہو گی کہ یورپین مورخ ان قزاقیوں کو اس صورت میں دکھاتے ہیں کہ تیموری سلطنت ایک مردہ لاش تھی جس کو مرہٹے چاروں طرف نوچنے لگے تھے الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں۔

> جوں جوں کہ مرہٹے لوگ اورنگ زیب کی فوج اکبر کے قریب آتے گئے اسی قدر مشکلات اس کی زیادہ ہوتی گئیں یہاں تک کہ کبھی کبھی دامن لشکر تک لوٹتے مارتے آتے تھے' اور رسدوں کو کاٹتے تھے اور مویشیوں کو سامنے سے اٹھا لے جاتے تھے اور چرکٹوں کو مار ڈالتے تھے اور پہرہ چوکی والوں سے نوک جھوک کر جاتے تھے' اور ایسا تنگ پکڑا تھا کہ جب تک قومی

محافظوں کا گروہ ہمراہ نہ ہوتا تھا تب تک اکیلا دوکیلا چھاؤنی سے نہ جا سکتا تھا۔ الخ

الفنسٹن صاحب نے گو مرہٹوں کی قوت اور عالمگیر کی بے بسی کو بڑے آب و رنگ سے دکھانا چاہا ہے۔ لیکن مرہٹوں کے جو اوصاف بیان کئے یعنی رسد پر ڈاکہ ڈالنا' مویشیوں کو اٹھا لے جانا' پہرہ چوکی والوں کو چھیڑنا' چرکٹوں کو مار ڈالنا یہ تو وہی ڈاکوؤں اور رہزنوں کے اوصاف ہیں' آج اس قوت و تسلط پر سرحدی مقامات میں خود انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ سرحدی قومیں اس قسم کی شرارتیں کرتی رہتی ہیں۔ کیا اس سے انگریزی گورنمنٹ کی کمزوری اور سرحدی قوموں کا تسلط اور استیلا ثابت کیا جا سکتا ہے)

یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کسی طاقت ور حکومت یا قوم کا استیصال دفعتہ" نہیں ہو سکتا' اودے پور کی ریاست کو بابر نے سخت شکست دی' لیکن اکبر کے زمانہ میں اس کی وہی قوت موجود تھی' اکبر نے بڑے زور شور سے حملہ کیا اور مہینوں کے محاصرہ کے بعد' اودے پور کو کامل طور سے فتح کر لیا' مہارانا نے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی۔ تاہم جہانگیر کے زمانے میں اودے پور کا پھر وہی شباب تھا اب شاہجہان ولی عہدی کی حالت میں گیا اور اس زور شور سے لڑا کہ مہارانا نے سپر ڈال دی اور اپنے بیٹے کرن کو اظہار اطاعت کے لئے دربار میں بھیجا۔ کرن نے دربار میں آ کر جہانگیر کو سجدہ کیا لیکن جب شاہجہان خود تخت پر بیٹھا تو یہ جھکی ہوئی گردن پھر بلند تھی' شاہجہان نے دوبارہ یہ مہم سر کی' لیکن عالمگیر کے زمانے میں اودے پور ہی اکبر کے زمانے کا اودے پور تھا' البتہ عالمگیر نے پے در پے حملوں سے اس کو بالکل تباہ کر دیا۔ اور پھر کبھی سر نہ اٹھا سکا۔

مرہٹے شاہجہان کے زمانے میں پوری قوت حاصل کر چکے تھے' دکن سے مدراس تک پھیل گئے تھے' سینکڑوں نہایت مضبوط اور سربفلک قلعے ان کے قبضے میں تھے' ان سب باتوں کے علاوہ وہ ایک جدید زندہ قوم بن رہے تھے اور یہ اس کا عین عروج شباب تھا۔ اسی حالت میں عالمگیر کو ان سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اب دیکھو نتیجہ کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ

عالمگیر کے جیتے جی سیوا مر گیا۔ سنبھا مارا گیا رام راجا آوارگی اور صحرا نوردی کی نذر ہوا۔ سنتا کا سر کٹ کر دریا میں پہنچا۔ غرض علم برداران بغاوت ایک ایک کر کے مٹا دیئے گئے تمام قلعہ جات پر قبضہ کر لیا گیا اور دکن سے لے کر مدراس تک سناٹا ہو گیا۔

ہیچ خاری نیست کز خون شکاری سرخ نیست
آفتے بود آن شکار افگن کزیں صحرا گذشت

اب مرہٹہ کوئی حکومت' یا کوئی قوم نہ تھی بلکہ خانہ بدوش رہزن تھے جو ادھر ادھر آوارہ پھرتے تھے اور موقع پا کر چوری چھپے لوٹ مار کرتے رہتے تھے' عالمگیر اس کے بعد ہی دنیا سے اٹھ گیا۔ اب یہ اس کے جانشینوں کا کام تھا کہ ان اڑتے ہوئے ذروں کو بھی فنا کر دیتے لیکن خوبی قسمت سے تیمور کی مسند معظم شاہ کے ہاتھ آئی اور بے درد مورخوں نے نالائق اخلاف کا الزام بلند پایہ اسلاف کے نامہ اعمال میں لکھا' اس سے بڑھ کر کیا ناانصافی ہو سکتی ہے؟ اب یہ حالت ہے کہ اسکول کا ایک ایک بچہ جس کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے عالمگیر پر نکتہ چینی کے لئے تیار ہے لیکن درحقیقت ان نادانوں کا قصور نہیں۔

قتلم اس عشوہ نمائی است کہ من می دانم
سرایں فتنہ زجائے است کہ من می دانم

عالمگیر اور ہندو

عالمگیر کی فرد قرارداد جرم کا یہ تیسرا نمبر ہے' لیکن یہ جرم بجائے خود متعدد جرائم کا مجموعہ ہے۔ یعنی عالمگیر نے اپنے طرز عمل سے راج پوت رئیسوں کو جو اب تک حکومت تیموری کے دست و بازو تھے ناراض کر دیا۔

عالمگیر نے عام ہندوؤں کو ناراض کر دیا'

پہلے جرم کو لین پول صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"وہی قوم راجپوت جو اورنگ زیب کی آغاز حکومت میں

سلطنت مغلیہ کا داہنا بازو تھی' اب اس طرح علیحدہ ہوئی کہ پھر ملنے کی توقع نہ رہی' جب تک اکبر کے تخت پر یہ بڑا دیندار متمکن رہا اس کی حمایت و حفاظت میں ایک راجپوت نے بھی اپنی انگلی ہلانا نہ چاہی۔"

اس جرم کی تشریح لین پول صاحب نے اس طرح کی ہے۔

1688ء میں اورنگ زیب کے سب سے زیادہ دوست لیکن سب سے زیادہ زبردست راجپوت راجہ جے سنگھ نے انتقال کیا' دوسرا مشہور راجپوت جنرل جسونت سنگھ کابل میں گورنری پر تھا اور اس کے مرنے کے دن قریب آ رہے تھے' آخرکار اورنگ زیب آزاد ہو گیا' کہ ہندوؤں کی پامالی کی حکمت عملی کو جو ہر سچے مسلمان کا مقصد ہونا چاہئے۔ اختیار کرے اس وقت ہندو کسی طرح ستائے نہیں گئے تھے اور نہ کوئی مذہبی روک ٹوک عمل میں آئی تھی' لیکن اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب اپنے جوش اسلام کو دل ہی دل میں پرورش کر رہا تھا کہ بلا خوف نقصان کافروں کے مقابلے میں اس کے اظہار کا وقت آئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1669ء میں یہ گھٹا اٹھی۔

اورنگ زیب نے ایک اور کوتاہ اندیش کاروائی جسونت سنگھ کے معاملہ میں کی' اس نے خواہش کی کہ جسونت سنگھ کے دونوں بیٹے تعلیم کے لئے دہلی میں بھیج دیئے جائیں۔ اور بے شک وہ اس کی نگرانی میں مسلمان کر لئے جاتے' راجپوتوں نے اس کی تعمیل نہ کی اور جب راجپوتوں نے سنا کہ اورنگ زیب نے وہی قدیم اسلامی ٹیکس یعنی جزیہ از سرنو ہر ایک ہندو پر قائم کر دیا ہے تو ان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔

یورپین مورخوں کے اعتراضات (جیسا کہ آگے ثابت ہو گا) اگرچہ نہایت کمزور

ہوتے ہیں' اور اس لئے ان کا جواب دینا نہایت آسان بات ہے لیکن بایں ہمہ جواب دینے والا سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے' یورپین مورخین ایک اعتراض کے بیان کرنے میں جو خود غلط ہوتا ہے پے در پے اور بہت سے جھوٹ ملاتے جاتے ہیں' جواب دینے والا ایک جھوٹ کا جواب دینا چاہتا ہے تو سامنے ایک اور جھوٹ نظر آتا ہے' وہ ادھر متوجہ ہوتا ہے تو ایک اور جھوٹ نمایاں ہوتا ہے مسلسل دروغ بیانی اور افتراؤں کے ہجوم پر بے اختیار اس کو طیش آ جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اصل واقعہ کے انکشاف پر متوجہ ہو غصے سے بے قابو ہو جاتا ہے۔

خود مجھ پر یہی اثر پڑا ہے' لیکن میں ان حریفوں کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ میرے طیش و غضب سے فائدہ اٹھائیں یورپین مورخوں نے ہندوؤں کی ناراضی کے جو اسباب بتائے ہیں ان میں خلط مبحث ہو گیا ہے یعنی مذہبی اور پولٹیکل باتیں مل جل گئیں ہیں اس لئے مسئلہ زیر بحث کی تحلیل اور تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ دونوں سے الگ الگ بحث کی جائے پہلے ہم پولٹیکل اسباب سے شروع کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے زور قوت کے تین مرکز تھے' جے پور' جودھ پور' اور اودے پور' ان میں سے جے پور اور جودھ پور بالکل مطیع ہو گئے تھے لیکن اودے پور کی یہ حالت تھی کہ بابر سے لے کر شاہ جہان کے زمانے تک حملہ کے وقت اس کی گردن جھک جاتی تھی' لیکن جب حملہ آور چلے آتے تھے تو پھر وہی سرکش کا سرکش بن جاتا تھا' شاہجہان نے جب بیماری کی حالت میں داراشکوہ کو ولی عہد بنا کر اس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا تو اس زمانے میں جے پور اور جودھ پور کے جانشین راجہ جے سنگھ اور جسونت سنگھ تھے' عالمگیر جب دکن سے اکبر آباد کو چلا تو داراشکوہ کی طرف سے جسونت سنگھ ایک فوج گراں لئے ہوئے اوجین میں پڑا تھا' عالمگیر نے نہایت الحاح سے کہلا بھیجا کہ میں صرف اعلیٰ حضرت کی عیادت کو جاتا ہوں تم سدراہ نہ ہو لیکن جسونت سنگھ نے نہ مانا اور سخت معرکہ ہوا' جسونت نے شکست کھائی اور بھاگ نکلا' عالمگیر پر جب چتر حکومت سایہ افگن ہوا تو پہلے ہی سال جسونت سنگھ نے عفو قصور کی سلسلہ جنبانی کی اور عالمگیر نے فیاض دلی سے معاف کر دیا۔ شجاع سے (عالمگیر کا بھائی) جب معرکہ پیش آیا تو

عالمگیر نے جسونت سنگھ کو فوج برانغار کا افسر مقرر کیا۔ لیکن جسونت سنگھ نے پہلے سے مرزا شجاع سے سازش کر لی تھی' چنانچہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے مقابل پڑی ہوئی تھیں تو جسونت سنگھ رات کے پچھلے پہر دفعتہ" اپنی تمام فوج کے ساتھ عالمگیر کی فوج سے نکل کر شجاع کی طرف چلا' اس کی فوج نے شاہی اسباب و خزانہ پر دست درازی کی اور اس قدر برھی ہوئی کہ عالمگیر کی کل فوج میں سے نصف کے قریب جسونت سنگھ کے ساتھ ہو کر شجاع سے جا ملی' یہ ایسا نازک موقع تھا کہ اس کے سنبھالنے کے لئے صرف عالمگیر کا دل و دماغ درکار تھا' عالمگیر کی جبین استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور اس بے سرو سامانی پر بھی میدان اس کے ہاتھ رہا چند روز کے بعد جسونت سنگھ کا جب کہیں ٹھکانہ نہ رہا تو پھر عفو کا خواستگار ہوا۔ عالمگیر نے فیاض دلی سے کام لیا۔ اور چونکہ وہ شرم سے منہ دکھانا نہیں چاہتا تھا' عالمگیر نے غائبانہ اس کا منصب اور خطاب و جاگیر بحال کر کے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور وقتاً" فوقتاً" اس کو بڑی بڑی مہمات پر مامور کیا۔ (39) یہاں تک کہ دکن میں سیوا جی کے مقابلے پر بھیجا۔ لیکن یہ غدار یہاں بھی اپنی فطری عادت سے باز نہ رہا' الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں۔ راجہ جسونت سنگھ شاہزادہ معظم کی طبیعت پر حاوی اور بادشاہ کی نسبت ہندوؤں کا زیادہ خیر خواہ تھا' علاوہ اس کے لوگوں کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ وہ لوبھی لالچی ہے اور روپیہ کی بات تھوڑی بہت مانتا ہے' غرض کہ ان وسیلوں سے سیوا جی نے اس کو اپنا رفیق بنایا۔ (40)

جسونت سنگھ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ راؤ بھاؤ سنگھ ہاڈا کو جو ریاست بوندی کا راجہ اور سہ ہزاری منصب رکھتا تھا اور اس مہم میں اس کا شریک تھا اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا اور جب اس نے نمک حرامی سے انکار کیا تو اس کی بہن کو جو جسونت سنگھ کے عقد نکاح میں تھی' وطن سے بلوا کر بیچ میں ڈالا۔ لیکن اس وفادار نے اب بھی حق نمک کو قرابت پر مقدم رکھا' ماثر الامرا میں راؤ بھاؤ سنگھ کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

"چوں ہمشیرہ راؤ بھاؤ سنگھ بدست مہاراجہ (جسونت سنگھ) بود
مہاراجہ زن خود را از وطن طلب داشتہ واسطہ نمود کہ باوے ساز

موافقت کوک نماید اما راؤ بھاؤ سنگھ حق نمک مقدم داشتہ تن
بموافقتش درنداد۔"

بالآخر جسونت سنگھ کابل کی مہم پر مامور ہوا اور 22 جلوس عالمگیری میں قضا کر گیا۔

جسونت سنگھ جب مرا تو اس کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اس کے کار پردازوں نے دربار میں اطلاع دی کہ اس کی دو بیبیوں کو حمل ہے' لاہور میں پہنچ کر ان لوگوں نے دربار شاہی میں رپورٹ کی کہ دونوں بیویوں سے دو لڑکے پیدا ہوئے' اس کے ساتھ درخواست کی کہ ان لڑکوں کو منصب اور ریاست اور خطاب عطا کیا جائے' عالمگیر نے فرمان بھیجا کہ دونوں کو دربار میں بھیج دو جب وہ سن تمیز کو پہنچیں گے تو خطاب اور منصب عطا کیا جائے گا' ماثر عالمگیری میں ہے۔

"حکم اقدس اعلیٰ صادر شد کہ ہر دو پسر رابہ درگاہ سپہر بارگاہ بیارند
و ہرگاہ پسراں بہ سن تمیز خواہند رسید .بعنایت منصب و راج
نوازش خواہند یافت۔" صفحہ 177

تیموریوں کے دربار کا یہ ایک عام آئین تھا کہ جب کوئی بڑا عہدہ دار چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جاتا تھا تو بادشاہ خود ان کو طلب کر کے اپنے دامن تربیت میں پالتا تھا اور شہزادوں کی طرح ان سے سلوک کیا جاتا تھا۔ اسی اصول کے موافق عالمگیر نے جسونت سنگھ کے بچوں کو طلب کیا تھا لیکن جسونت سنگھ کا جو طرز عمل ہمیشہ سے رہا اس کے افسروں پر بھی وہی رنگ چھا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے شاہی حکم کے وصول ہونے کا انتظار بھی نہ کیا۔ اور دلی کی طرف روانہ ہو گئے' دریائے اٹک پر میر بحر نے اس بنا پر روکا کہ پروانہ راہداری دکھاؤ اس پر آمادہ جنگ ہوئے اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے بزور دریا کے پار اترے' دارالسلطنت کے قریب آئے تو ان کی گستاخانہ اور باغیانہ حرکات کی بنا پر عالمگیر نے حکم دیا کہ شہر سے باہر مقام کریں اور کوتوال کو حکم دیا کہ ایک جمعیت کے ساتھ ان کو نظر بند رکھے' چند روز کے بعد چند راجپوتوں نے وطن جانے کی اجازت طلب کی عالمگیر نے منظوری دی' فریب کار دھوکا دے کر جسونت سنگھ کے بچوں کو چپکے چپکے اڑا لے گئے اور ان کی جگہ دو جعلی بچے چھوڑ گئے چونکہ یہ ایک اہم

بحث طلب واقعہ ہے جس پر آئندہ واقعات کی بنیاد قائم ہوتی ہے اس لئے ہم مزید اعتبار کے لئے خافی خاں کی اصلی عبارت نقل کرتے ہیں۔

بعدہ ظاہر گردید کہ بعد فوت راجہ معتمدان جہالت کیش ہمراہ اوہر دو پسر خورد سال راجہ را کہ در آخر عمر ہماں دو فرزند بہ اسم اجیت سنگھ دولتمن داشت مع رانی بہ ہمراہ گرفتہ بے آنکہ انتظار حکم حضور کشند بادستک و رضائے صوبہ دار حاصل نمائند روانہ حضور شدند۔ بعدہ کہ معبر اٹک رسیدند و میر بحر بہ علت عدم دستک مانع آمد با اوبہ پرخاش پیش آمدہ کار بہ فساد و کشتن و زخمی ساختن میر بحر و جمعے رسانده بہ سرپنجگی عبور نمودند بعدازاں کہ نزدیک دارالخلافت رسیدند ازان کہ از اداہائے خارج سابق جسونت غبار ملال در خاطر مبارک جا گرفتہ بود و ایں شوخی راجپوتیہ علاوہ آں گردید فرمودند کہ نزدیک شہر طرف بارہ پلہ فرود آرند و کوتوال را مامور ساختند کہ مردم خود رابا جمعے از منصبداراں و متعینہ توپ خانہ اطراف خیمہائے وابستگان راجہ چوکی نشاندہ بہ طریق نظربند نگاہ دارند۔ (41) الخ

جسونت سنگھ کے افسر جسونت سنگھ کے بچوں کو لے کر جودھ پور پہنچے اور مہارانا اودے پور نے ان کو اپنی حمایت میں لیا۔ عالمگیر نے مہارانا کو فرمان بھیجا کہ باغیوں کی حمایت سے دستبردار ہو جائے اور جسونت سنگھ کے بچوں کو حوالے کر دے۔ مہارانا نے نہ مانا' اس پر عالمگیر نے جودھ پور فوجیں بھیجیں اور بالآخر مہارانا نے اطاعت قبول کی اور اقرار کیا کہ جسونت کے بچوں کی اعانت نہ کرے گا لیکن مہارانا بہت جلد اس اقرار سے پھر گیا' اب عالمگیر نے اس کے انتقام کے لئے ہر طرف سے فوجیں طلب کیں اور اپنے چھوٹے بیٹے اکبر کو اس کا سپہ سالار مقرر کر کے اودے پور کی طرف روانہ کیا۔ لیکن مہارانا نے اکبر کو یہ ترغیب دلا کر کہ ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیں گے آپ خود تاج و تخت کا دعویٰ کیجئے اکبر کو توڑ لیا' ناخلف شہزادہ ہزار فوج لے کر خود عالمگیر

مقابلے کو بڑھا' عالمگیر کی رکاب میں اس وقت صرف ہزار سوار تھے لیکن اس کے استقلال میں فرق نہ آیا' اور بالآخر اکبر شکست کھا کر بھاگ گیا۔

سلسلہ بیان کی ترتیب اور تمام واقعات کی یکجائی پیش نظر ہونے کے لئے ہم نے واقعات کو سادہ طور سے لکھ دیا اب امور ذیل تنقیح طلب ہیں۔

1- کیا عالمگیر نے راجپوت ریاستوں کے ساتھ کوئی ناجائز سلوک کیا تھا جس کی وجہ سے وہ بغاوت پر مجبور ہوئے۔

2- کیا عالمگیر ان راجپوتوں کو زیر نہ کر سکا۔

3- کیا راجپوت اس واقعہ کے بعد ہمیشہ کے لئے عالمگیر سے الگ ہو گئے۔

یورپین مورخوں کی رائے کے موافق ان سوالوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ عالمگیر نے خود راجپوتوں کو چھیڑا اور ان کو بغاوت پر مجبور کیا اور پھر ان سے اچھی طرح عہدہ برا نہ ہو سکا۔ اور راجپوت ہمیشہ کے لئے تیموری حکومت کے حلقہ اطاعت سے نکل گئے۔ اوپر یہ تفصیل گذر چکی کہ راجپوتوں کے تین مرکز تھے ان میں سے جے پور تو ہمیشہ مطیع رہا الفنسٹن صاحب بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

> جبکہ راجپوت راجاؤں نے منجملہ اپنے گروہوں کے ایک راجہ کے گھرانے پر ایسا زور اور ظلم دیکھا اور جزیہ کی ناگواری اس پر زیادہ ہوئی تو سارے راجپوت آپس میں متفق ہو گئے مگر راجہ رام سنگھ جے پور والا جس کے گھرانے کو بادشاہی خاندان سے رشتے ناتوں اور کئی پشتوں سے معزز عہدوں کی بدولت مضبوط اور مستحکم علاقہ تھا ان سے مستثنیٰ رہا۔"

اب صرف جودھ پور اور اودے پور رہ گئے' جودھ پور کا رئیس جسونت سنگھ تھا اس نے عالمگیر کے ساتھ جو برتاؤ کئے وہ یہ تھے کہ سب سے پہلے عالمگیر کے ساتھ برسر مقابلہ آیا عالمگیر نے فتح پا کر اس کو معاف کر دیا۔ اور فوج کا افسر مقرر کیا۔ لیکن شجاع کی لڑائی میں نہایت غدارانہ طریقے سے رات کو چھپ کر دشمن سے جا ملا جس سے عالمگیر کی تمام فوج درہم و برہم ہو گئی عالمگیر نے پھر عفو سے کام لیا اور جاگیر و خطاب و

منصب عطا کر کے دکن پر بھیجا وہاں سیوا جی سے سازش کی اب اس کے مرنے پر راجپوت عالمگیر سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کا یکماہہ بچہ والی ریاست بنا دیا جائے۔ عالمگیر جواب دیتا ہے کہ اس کو دربار میں بھیج دو۔ سن شعور کے بعد اس کو سب کچھ ملے گا۔ راجپوت جواب کا بھی انتظار نہیں کرتے اور دریائے اٹک پر شاہی عہدہ داروں کو مارتے دھاڑتے دلی پہنچتے ہیں۔ عالمگیر ان کو نظر بند کرتا ہے ان تمام واقعات (42) میں کونسی بات انصاف کے خلاف ہے۔

الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ "جب راجپوت راجاؤں نے منجملہ اپنے گروہوں کے ایک راجہ کے گھرانے پر ایسا ظلم دیکھا۔" آخر یہ کیا ظلم تھا' کیا جسونت سنگھ کے ساتھی راجپوتوں کا طرز عمل ایسا تھا کہ عالمگیر ان پر بالکل اعتماد کر لیتا؟ کیا صغرسن بچوں کا دربار میں بلانا کوئی ظلم کی بات تھی کیا راجپوتوں کا بغیر شاہی اجازت کے دارالسلطنت کا قصد کرنا عدول حکمی نہ تھی؟ کیا میر بحر کا ان کو روکنا میر بحر کے فرائض منصبی میں داخل نہ تھا۔ کیا میر بحر اور شاہی ملازموں سے مقابلہ کرنا باغیانہ حرکت نہ تھی' کیا ان سب حرکات کے بعد ان کا نظر بند کیا جانا عدل و انصاف کے خلاف تھا؟

لین پول صاحب راجپوتوں کی عدول حکمی اور برہمی کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جسونت سنگھ کے بچوں کو عالمگیر مسلمان کر لیتا لیکن عالمگیر نے سیوا جی کے پوتے ساہو جی کو جب گرفتار کیا تو اس کی عمر سات برس کی تھی عالمگیر نے خاص اپنی نگرانی میں رکھا۔ شاہی خیمے کے برابر اس کا خیمہ کھڑا کرایا' اس کو ہفت ہزاری کا منصب اور خطاب و نوبت و علم عطا کیا اور یہ برتاؤ اخیر عمر تک قائم رکھا باوجود اس کے کہ اس کو کیوں مسلمان نہیں کیا' سیوا جی کا پوتا تو جسونت سنگھ کے بیٹوں سے زیادہ جبر و ظلم کا مستحق تھا۔

ایک اور وجہ لین پول صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ راجپوتوں کو جزیہ لگانے کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جزیہ کی بحث مذہبی امور کی بحث میں آگے آئے گی اس لئے ہم اس کو نہیں چھیڑتے۔

دوسرا امر تنقیح طلب یہ ہے کہ عالمگیر راجپوتوں کو زیر کر سکا یا نہیں؟ لین پول

صاحب لکھتے ہیں۔

"راجپوت سانپ کو ہلکا سا خراش تو لگ گیا لیکن وہ مرا نہ تھا۔ جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ آخرکار اودے پور کے رانا نے جس کو راجپوتوں کی طرف سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ اورنگ زیب سے ایک معزز صلح کر لی کیونکہ اس جنگ سے اب اورنگ زیب عاری ہو گیا تھا۔ اس صلح نامے میں نفرت خیز جزیہ کا نام تک بھی نہ آیا۔ لیکن رانا کو اپنے ملک کا قلیل جز اس فعل کے پاداش میں کہ وہ شاہزادہ اکبر کا شریک ہو گیا تھا دینا پڑا اودے پور کے رانا نے تھوڑے ہی دنوں میں شرائط صلح نامہ پر پانی پھیر دیا۔"

اللہ اکبر! ان چند سطور میں کس قدر جھوٹ کا انبار ہے۔

الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں۔

خود اورنگ زیب کو ایسی لڑائی کے اختتام کی خواہش ہوئی چنانچہ تدبیر و حکمت سے اودے پور کے راجہ کو آشتی کی درخواست پر آمادہ کیا اور جبکہ درخواست اس کی طرف سے گذری تو فی الفور اس کی طرف توجہ کی چنانچہ جزیہ سے اغماض برتا گیا اور ملک کے جس ٹکڑے کو جزیہ کے معاوضہ میں لیا تھا اکبر کی اعانت کے جرمانے میں رکھا گیا۔"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جودھ پور اور اودے پور دونوں ریاستوں کو عالمگیر کی فوجوں نے پامال کر دیا اور مہارانا اودے پور اپنے مقر سے بھاگ کر انتہائے سرحد تک پہنچ گیا' آخر جب ہر طرح سے مجبور ہوا تو شاہزادہ محمد اعظم کے ذریعہ سے سفارش کرائی پرگنہ ماندل پور اور بدھنور جزیہ کے عوض میں دینے منظور کئے عالمگیر نے پھر اپنی فیاض دلی سے کام لیا اور 24 جلوس میں جب رانا دربار میں حاضر ہوا تو خلعت و خطاب اور پنج ہزاری منصب عطا کیا۔ ماثر عالمگیری میں ہے۔ (43)

چوں رانا از ملک و مسکن رانده شد و تا سرحدش گریخت۔
مفرے جز زینہار جوئے و امان طلبی اور انماند بدامان استشفاع
بادشاہزادہ کریم عطا پیشہ محمد اعظم دست عجز و ضراعت در آویخت
و گذرانیدن پرگنہ ماندل پور و بدھنور را عوض جزیہ وسیلہ عفو
جریمہ آورد و ملازمت بادشاہ زادہ را ذریعہ بختیاری خود اندیشید۔
(44) الخ

ماثرالامرا میں ہے۔

چوں رانا اودے پور را خالی گذاشتہ راہ فرار نمود فوجے بہ
سرکردگی، حسین علی خاں بہ تعاقب او متعین شد و پسر محمد اعظم شاہ
و سلطان بیدار بخت نامزد شدند و پس ازاں کہ ملک رانا لکدکوب
عساکر فیروزی گردید اور زوطن مالوفہ برآمده بے لجا و ماوا گشت
سال بست و چہارم دست ضراعت بہ و امان شفاعت شاہزادہ زده
پرگنہ ماندل و بدھنور در عوض جزیہ بہ سرکار بادشاہی گذاشت۔
ماثرالامراء جلد دوم صفحہ 208 در ضمن تذکرہ راو کرن۔

غور کرو ان معتبر تاریخوں میں تصریح ہے کہ رانا عاجز آ کر خود معافی کا خواستگار ہوا۔ الفنسٹن صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ عالمگیر نے خود مجبور ہو کر سلسلہ جنبانی کی، ان تاریخوں میں ہے کہ رانا نے دو پرگنے جزیہ کے عوض میں پیش کئے، یورپین مورخ کہتے ہیں کہ جزیہ کا نام تک نہ آیا اور وہ پرگنے اکبر کی اعانت کا معاوضہ تھے۔ الفنسٹن اور لین پول صاحبان کی عام عادت ہے کہ ہر موقع پر تاریخوں کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ان واقعات کے بیان میں حوالہ کا نام نہیں۔

لیکن ان سب دروغ بیانیوں سے بالاتر لین پول کا یہ بیان ہے کہ رانا نے کچھ عرصے کے بعد اس صلح پر بھی پانی پھیر دیا، چونکہ اس دروغ بیانی میں لین پول کا اور کوئی شریک نہیں اس لئے ہم کو اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، اخیر بحث یہ ہے کہ ان واقعات کے بعد کیا راجپوت ہمیشہ کے لئے تیموریوں سے الگ ہو گئے اور کیا

انہوں نے کبھی بقول لین پول عالمگیر کی حمایت میں اپنی انگلی بھی ہلانی نہ چاہی۔

گذشتہ تمام واقعات عالمگیر کے 24 جلوس تک ختم ہو گئے ہیں۔ جگت سنگھ مہارانا اودے پور اسی سنہ میں مرا ہے اور عالمگیر نے اس کے بیٹے جے سنگھ کو خلعت تعزیت اور خطاب وغیرہ عطا کیا ہے 25 جلوس میں عالمگیر دکن کو روانہ ہوا' اور اخیر عمر تک انہیں اطراف میں مرہٹوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ ان لڑائیوں میں اس کی فوج میں راجپوت اس طرح نظر آتے ہیں جس طرح اور مسلمان قومیں' چنانچہ تاریخوں میں جہاں فوجوں کا ذکر آتا ہے۔ راجپوتوں کا نام بھی خاص طور پر آتا ہے۔ مثلاً خافی خاں 1116ھ کے واقعات میں مرہٹوں کے ایک محاصرہ میں لکھتا ہے:

> از ہریک بندہائے کار طلب جانفشانی بہ عرصہ ظہور رسید خصوص حمیدالدین خاں و راجپوت ہائے جلادت پیشہ و دیگر بہادراں رزم جو ترددات نمایاں روے کار آوردند تاآنکہ جمشید خاں با جمعے از راجپوتاں روشناس بہمراہ راؤ دلپت و چندے دیگر بکار آمدند۔
>
> (45)

یہی مورخ 36 جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے۔

> اوائل ذیحجہ سنہ چہل و شش 36 جلوس راجہ جے سنگھ کہ عمر او بہ حد بلوغ نہ رسیدہ بود بہ اتفاق مردم بادشاہ زادہ یورش نمودہ بہ حملہ پیاپے کہ از بالا گولہ وسنگ و اقسام آتشباری چون تگرگ بے فاصلہ می ریخت و راجپوت بسیار و اکثر مردم شاہزادہ بکار آمدند۔
>
> (46)

یورپین مورخ کہتے ہیں کہ ایک راجپوت نے بھی عالمگیر کی حمایت میں انگلی نہ ہلائی لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف فوجی راجپوت بلکہ راجپوتوں کے بڑے بڑے راجہ و مہاراجہ اخیر وقت تک عالمگیر کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک رہے اور مرہٹوں کے پامال کرنے میں وہ مسلمان افسروں کے داہنے ہاتھ تھے' راجپوتوں کی اصلی طاقت جودھ پور' جے پور' اودے پور کے دو شاہزادے خود عالمگیر کی فوج میں معزز عہدوں پر ممتاز

تھے' اور اخیر وقت تک ساتھ رہے چنانچہ 43 جلوس میں ان میں سے اندر سنگھ کو دو ہزاری اور بہادر سنگھ کو یک ہزاری و پانصدی کا منصب عطا ہوا۔ (47) یہ دونوں مہارانا راج سنگھ کے بیٹے تھے جس نے 25 جلوس میں وفات پائی تھی۔ اور اس کے مرنے پر اس کے بیٹے رانا جے سنگھ کو عالمگیر نے خلعت ماتم عطا کیا تھا۔ اندر سنگھ جو جسونت سنگھ رئیس جودھ پور کا عزیز تھا۔ جسونت کے انتقال کے بعد عالمگیر نے اس کو راجہ کا خطاب دیا اور دکن کے مہمات پر مامور کیا۔ اس نے نہایت وفاداری سے اپنی خدمت انجام دی۔ چنانچہ 48 جلوس میں اس کو سہ ہزاری منصب ملا۔ (48)

مان سنگھ راٹھور جس کو سہ ہزاری کا منصب حاصل تھا 35 جلوس عالمگیری میں ذوالفقار خاں کے ساتھ دکن کی سب سے مشہور چنجی کی مہم پر مامور ہوا۔ (49) جے پور کے رئیسوں کی وفاداری یورپین مورخوں نے بھی تسلیم کی ہے۔

ماثرالامرا میں اور بہت سے راجپوت راجاؤں اور رئیسوں کے تفصیلی حالات درج ہیں جو عالمگیر کے ساتھ دکن کی مہمات میں شریک تھے اور نہایت جانبازی اور وفاداری کے ساتھ خود اپنے ہم مذہب مرہٹوں سے لڑتے تھے۔ شکیبی شاعر نے اکبر کے زمانے میں کہا تھا۔

چناں در عہد او   کہ ہندو می زند شمشیر اسلام

یہ شعر نہ صرف اکبر بلکہ عالمگیر کے زمانے میں بھی سچ تھا' اور اگر آج اسلامی سلطنت ہوتی تو آج بھی سچ ہوتا۔

غور کرو ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد کہ جے پور' جودھ پور' اودے پور کے فرمانروا عالمگیر کے ساتھ دکن میں مرہٹوں سے لڑائیاں لڑ رہے ہیں' راجپوت فوجیں مسلمانوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں' راجپوت افسروں کو سہ ہزاری و چہار ہزاری منصب عطا ہوتے ہیں' اودے پور کا راجہ نابالغ ہونے کے ساتھ اس بے جگری کے ساتھ مرہٹوں کا مقابلہ کرتا ہے تو کیا یورپین مورخوں کے اس قول میں سچائی کا کچھ بھی شائبہ ہے کہ عالمگیر نے راجپوتوں کو اس قدر ناراض کر دیا کہ وہ پھر کبھی تیموری علم کے نیچے نہ آئے۔

داستان عہد گل رابشنو از مرغ چمن
زاغہا آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

عالمگیر اور مذہبی تعصب

عالمگیر کے جرائم میں یہ سب سے بڑا جرم بلکہ مجموعہ جرائم ہے، عالمگیر نے ہندوؤں کو ملازمت سے یک قلم برطرف کر دیا، ان کے مذہبی میلے ٹھیلے موقوف کرا دیئے ان کی درسگاہیں بند کرا دیں۔ ان پر جزیہ لگایا، ان کے بت خانے تڑوا دیئے، غرض اس حد تک ان کو ستایا کہ وہ زبان حال سے بول اٹھے۔

آں قدر جور کن کہ گر جائے
گفتہ آید، کس اعتماد کند

ان جرائم کا یہ حال ہے کہ بعض جزئی اور مختص الحالت واقعات ہیں، مخالفین نے ان کو عام کر دیا ہے بعض کی تعبیر غلط ہے، بعض کے ناگزیر اسباب ہیں۔ چنانچہ ہم ایک ایک کو الگ الگ بیان کرتے ہیں لیکن سب سے پہلے ایک ضروری امر کا تذکرہ کرنا ضرور ہے۔

اکبر نے جو پالیسی قائم کی اس نے ہندوؤں کو تخت سلطنت کا شریک بنا دیا۔ لیکن بااین ہمہ چونکہ اکبر کی سطوت اور جبروت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ہندوؤں نے اپنی حد سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ جہانگیر کی نرمی اور سرمستی نے ان کو جرات دلائی اور اب ان کی خودسری کے جوہر چمکنے لگے جہانگیر کے اشارے سے نرسنگھ دیو بندیلہ نے جہانگیر کی ولی عہدی کے زمانے میں ابوالفضل کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور اس کا مال و اسباب اور شاہی خزانہ جو ساتھ تھا لوٹ لیا تھا۔ جب جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کارگزاری کے صلہ میں نرسنگھ دیو نے متھرا میں بت خانہ بنانے کی اجازت طلب کی، جہانگیر نے اجازت دی نرسنگھ نے اس روپے سے جو ابوالفضل کی غارت گری سے ہاتھ آیا تھا بت خانہ کی تعمیر کی، شیر خاں لودی جو ابوالفضل کو ملحد قرار دیتا ہے اور اس بات

سے خوش ہے کہ ملحد کے مال سے بت خانہ بنا۔ ۔

مال حرام بود بجائے حرام رفت

اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

آں ضال مضل (ابوالفضل) در راہ دکن باشارہ نورالدین محمد جہانگیر در ملک راجہ نرسنگھ دیو بہ قتل رسید و مالہائے کہ بدست آویز بے راہی گرد آوردہ بود' در اہتمام راجہ مذکور بر معبد ہنود کہ در سواد شہر متھرا ساختہ بود صرف گردید و حکم آیت کریمہ الخبیثات للخبیثین بہ ظہور پیوست آخر آں بت خانہ نیز بہ تیشہ حکم حضرت عالمگیر بادشاہ با خاک برابر شد۔ (50)

اکبر نے زمانے میں باایں ہمہ آزادی مذہبی غالبا کوئی نیابت خانہ تعمیر نہیں ہوا۔ جہانگیر اگرچہ اکبر کی نسبت متعصب تھا۔ چنانچہ کوٹ کانگڑہ کی فتح میں گاؤ کشی کی رسم قائم کرنے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ تاہم چونکہ حکومت میں وہ زور نہیں رہا تھا۔ صرف بنارس میں 76 نئے بت خانے تعمیر ہوئے۔ چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی' اس واقعہ کے اظہار سے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ ہم مذہبی آزادی کے خلاف ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ واقعہ آئندہ واقعات کا پیش خیمہ ہے۔

غرض اب ہندوؤں نے علانیہ مسلمانوں پر تعدی اور ظلم شروع کیا' نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندو مسلمان عورتوں سے بہ جبر شادی کرتے تھے اور ان کو گھروں میں ڈال لیتے تھے' اس سے بڑھ کر یہ کہ مسجدوں کو توڑ کر اپنی عمارتوں میں داخل کرتے تھے۔ شاہ جہان نامہ عبدالحمید لاہوری جو شاہجہان کی شاہی تاریخ ہے اور خود شاہجہان کے حکم سے لکھی گئی ہے اس میں یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے۔

وچوں رایات جلال بہ حوالی گجرات پنجاب رسید جمعے از سادات و مشائخ آں قصبہ استغاثہ نمودند کہ برخے از کفار نابکار حرائیروا (51) مائے مومنہ را تصرف دارند و چندے ازنیاں مساجد بہ تعدی در

عمارات خود آوردہ‘ بنابراں شیخ محمود گجراتی کہ از رسمی دانش بہرہ
درست و داروغگی مردم جدید الاسلام بدو مقرر رخصت یافت
تابعد از ثبوت نساء مسلمہ را از تصرف کفار برآرد‘ و مساجد و
عمارات آں ملاعین جدا سازد‘ او مطابق حکم بہ عمل آوردہ ہفتاو حرہ
و جاریہ مومنہ را از تصرف کفرہ فجرہ برآورد‘ وہر جا کہ مسجدے در
زیر عمارت ہنود در آمدہ بود بعد از تحقیق آن را افراز نمود و
زرے از آں جابہ طریق جرمانہ گرفتہ بدستور سابق مسجد ساخت‘
پس ازاں کہ ایں ماجرا بہ مسامع جلال رسید یرلیغ قضا نفاذ صاد
شد کہ بدستور قدیم ہر کہ مسلمان شود مسلمہ رابہ عقد مجدد باو باز
گذارند پس از ورود فرمان جمعے از سعادت یاوری بہ پایہ اسلام
رسیدہ زنان مسلمہ رابہ نکاح جدید متصرف گشتند و حکم شد کہ
در کل ممالک محروسہ ہرجا چنیں واقع شدہ باشدبدیں دستور عمل
نمائندہ چنانچہ اناث بسیار از دست کفار برآمدہ در نکاح مسلماناں
درآمدند و گروہے از کفار بہ قبول دین مبین از آتش دوزخ رہائی
یافتند و بت خانہا منہدم گردید۔

ان واقعات کو دیکھو اور غور سے دیکھو‘ شاہجہان نہایت پرجوش مسلمان تھا اور ہر موقع پر اس کا اظہار ہو چکا تھا سنہ 6 جلوس میں اس نے بنارس کے جدید تعمیر شدہ بت خانے گروا دیئے تھے۔ باوجود اس کے ہندوؤں کا یہ زور قائم ہو چکا تھا کہ جبر اور زبردستی سے مسلمان عورتوں کو ہندو گھر میں ڈال لیتے تھے اور ان سے نکاح کرتے تھے مسجدوں کو توڑ کر بت خانے اور عمارتیں بنواتے تھے شاہجہان کو خبر ہوئی تو اس نے کوئی عام سزا نہیں دی بلکہ صرف یہ کیا کہ عورتوں کو ہندوؤں کے قبضہ سے نکال لیا اور جن مسجدوں کو گرا کر بت خانہ بنایا گیا تھا‘ بدستور پھر مسجدیں بن گئیں۔ شاہجہان جب تک زور اور قوت کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا‘ ہندوؤں کی تعدیاں رکی رہیں لیکن اخیر اخیر شاہجہان کے بجائے تمام اختیارات داراشکوہ کے ہاتھ میں آ گئے داراشکوہ کا یہ حال تھا کہ علانیہ ہندو

پن کا اظہار کرتا تھا اپنشد کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں صاف لکھتا ہے کہ قرآن مجید اصل میں اپنشد میں ہے چنانچہ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

> ازیں خلاصہ کتاب قدیم کہ بے شک و شبہہ اولیں کتب سماوی و سرچشمہ، بحر توحید است و قدیم است کہ انه لقران کریم فی کتاب مکنونه لا یمسه الا المطهرون تنزیل من رب العلمین۔ یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ آں کتاب پنہان است اور ادرک نمی کند مگر و لے کہ مطہر باشدو او نازل شدہ از پروردگار عالم مشخص و معلوم میشود کہ ایں آیت در حق زبور و توراۃ و انجیل نیست ..... چوں انیکہت کہ سد پوشیدنی است اصل ایں کتاب است و آنتہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ می شود پس تحقیق کہ :۔

کتاب مکنون این کتاب قدیم باشد

اب غور کرو کہ وہ ہندو جن کو اکبر شریک سلطنت کر چکا تھا جو جہانگیر کے زمانے میں مسلمانوں کے مال سے بت خانے تعمیر کرتے تھے جو شاہجہان کے عہد میں مسجدوں کو توڑ کر بت خانے بنواتے اور مسلمان عورتوں سے بہ جبر نکاح کرتے تھے جو اپنے پاٹ شالوں میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیتے تھے چنانچہ خود عالمگیر کے عہد حکومت میں اس کی تخت نشینی کے بارھویں سال تک یہ طریقہ جاری رہا (تفصیل آگے آئے گی) اب داراشکوہ کے سایہ حمایت میں ان کے زور و قوت تسلط و اقتدار، جبر و تعدی، جورو ستم کا مقیاس الحرارت کس درجہ تک پہنچا ہو گا۔ یاد رکھو یہی ہنود تھے جن سے عالمگیر کو سابقہ پڑا تھا، (اب ہم اصل مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔)

ہندوؤں کی ملازمت سے علیحدگی

یورپین مورخوں نے اپنی معمولی عادت کے موافق، اس واقعہ کی اصلی ہیئت بدل دی ہے۔ یعنی عالمگیر نے تمام ہندوؤں کو سرکاری ملازمتوں سے موقوف کر دینا چاہا گو ایسا

نہ کر سکا' الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں' مگر یہ گشتی حکم بھی سارے حاکموں اور اختیار والوں کے پاس بھیجا کہ آئندہ سے ہندو بھرتی نہ کئے جائیں اور ان تمام عہدوں پر مسلمان بھرتی کئے جائیں جو تمہارے تحت حکومت میں ہوئیں۔" لیکن واقعہ صرف اس قدر ہے کہ 1082ھ میں اس نے یہ حکم دیا تھا کہ صوبہ داروں اور تعلقہ داروں کے محاسب و منشی پیشکار اور دیوان' نیز محالات خالصہ کے مال گذاری وصول کرنے والے ہندو نہ مقرر کئے جائیں چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے۔

> "صوبہ داران و تعلقہ داران' پیشکاران و دیوانیان ہنود را برطرف نمودہ مسلمان مقرر نمائند و کروری محالات خالصہ مسلماناں می نمودہ باشند۔"

یہ ظاہر ہے کہ ان عہدوں پر اکثر کائستھ مقرر ہوتے تھے جو رشوت لینے میں مشہور ہیں' اس حکم کو مذہبی تفریق سے کوئی تعلق نہ تھا' لیکن یہ حکم بھی قائم نہ رہا۔ بلکہ اس کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ ایک پیشکار ہندو' اور ایک مسلمان مقرر کیا جائے' خافی خاں لکھتا ہے۔

> "بعدہ چناں قرار یافت کہ از جملہ پیشکاران دفتر دیوانی و بخشیان سرکار یک پیشکار مسلمان دیک ہندو مقرر می نمودہ باشند۔"

اس انتظام سے اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ ہندوؤں کی رشوت خوری اور غبن کی نگرانی رہے' ورنہ اگر مذہبی تعصب اس کا باعث ہوتا تو مسلمان کے شریک کرنے سے اس کو کیا تعلق تھا۔

یہ بحث اگرچہ یہیں تک ختم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ یورپین مورخوں نے نہایت بلند آہنگی سے اس غلط واقعہ کو مشہور کیا ہے۔ اس لئے ہم عالمگیر کے ہندو عہدہ داروں کی ایک فہرست اس موقع پر درج کرتے ہیں' اس فہرست کے متعلق امور ذیل ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

1- یہ فہرست سرسری طور سے ماثر عالمگیری سے تیار کی گئی ہے جو عالمگیر کے

حالات میں سب سے مقدم تاریخ ہے۔

2- صرف ان عہدہ داروں کو لیا ہے جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ عام عہدہ داروں اور اہل فوج کا ذکر نہیں۔

3- صرف ان عہدہ داروں کو لیا ہے جو اس زمانے کے بعد مقرر ہوئے ہیں۔ یا اس کے بعد تک رہے ہیں۔ جب سے عالمگیر کے تعصب کے ظہور کا وقت بیان کیا جاتا ہے۔

4- ان عہدہ داروں میں اکثر مرہٹوں کی مہم میں شریک رہے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اکبر کے زمانے میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر خود اپنے ہم مذہبوں سے لڑتے تھے۔ عالمگیر کے عہد تک یہ طریقہ قائم رہا۔

5- ان میں سے بعض آنریری عہدہ دار تھے' اور فخر کے لحاظ سے عہدہ قبول کرتے تھے۔

نام عہدہ دار	ولدیت وغیرہ	سنہ تقرر' یا اضافہ عہدہ' یا عطائے منصب (سنہ جلوس عالمگیری مراد ہے)
راجہ ۔بھیم سنگھ	راج سنگھ مہارانا اودے پور کا بیٹا اور مہاراجے سنگھ کا بھائی تھا	سنہ 31 جلوس عالمگیری میں دکن آیا اور برہان پور کی مہم میں شریک ہوا۔ 38 میں پنج ہزاری کے منصب تک پہنچ کر مر گیا۔
اندر سنگھ	جے سنگھ مہارانا اودے پور کا بھائی تھا۔	سنہ 43 میں دو ہزاروی ہوا سنہ 48 میں سہ ہزاری پر اضافہ ہوا۔
بہادر سنگھ	======	سنہ 43 میں یک ہزار و پانصدی ہوا۔
راجہ مان سنگھ	پسر راجہ روپ سنگھ	سنہ 26 میں ماندل (52) پور و بدھنور کا فوجدار مقرر ہوا۔ سنہ 43 میں سہ ہزاری تک پہنچا۔

اچلاجی	سیواجی کا داماد تھا	سنہ 29 میں پنج ہزاری منصب و علم و نقارہ وغیرہ ملا۔
ارجوجی	سنبھا (پسر سیواجی) کا عمزادہ بھائی تھا	سنہ 38 میں منصب دو ہزاری ملا۔
مانکوجی	سنبھا کے نوکروں میں تھا	سنہ 31 میں منصب دو ہزاری ملا۔
راؤ انواب سنگھ	پسر راؤ کرن	سنہ 31 میں خلعت ملازمت ملا۔
راجہ انوپ سنگھ	X	سنہ 31 میں سکری کا قلعہ دار مقرر ہوا۔
راجہ اودیت سنگھ	X	سنہ 36 میں ایرج کا فوجدار اور دو ونیم ہزاری ہوا۔
اودے سنگھ	قلعہ کھیلنا کا قلعہ دار تھا۔	سنہ 47 میں سہ ہزاروپا نصدی ہوا۔
باسدیو سنگھ	جندن کرا کا زمیندار تھا۔	سنہ 49 میں سہ ہزاری ہوا۔
کانھوجی سرکیہ	X	پہلے پانچ ہزاری تھا سنہ 49 میں ایک ہزار کا اضافہ ہوا۔
سترسال بوندیلہ	X	سنہ 44 میں قلعہ تارا کا قلعہ دار ہوا۔
بشن سنگھ	پسر کنور کشن سنگھ پسر راجہ رام سنگھ	سنہ 25 میں ہزاری و چار صد سوار ہوا۔
رام چند	کھنالون کا تھانہ دار تھا۔	سنہ 40 میں دو ونیم ہزاری ہوا۔
ملوک چند	نائب و ملازم شاہزادہ اعظم شاہ	سنہ 29 میں بہار سنگھ کے شکست دینے کے صلہ میں رائے رایان کا خطاب ملا۔
بھاکو بنجارہ	X	سنہ 42 میں پنج ہزاری منصب ملا۔
پچکیا	نصرت آباد کا دیسمکھ تھا	سنہ 50 میں سہ ہزاری ہوا۔
درگداس راٹھور	X	سنہ 29 میں سہ ہزاری کا منصب پھر بحال ہوا۔
سروپ سنگھ	ولد راجہ اودت سنگھ	سنہ 41 میں یک ہزاری منصب

		پر ترقی ہوئی۔
سوبھان	ستارا کا قلعہ دار تھا	سنہ 43 میں پنج ہزاری منصب مع خلعت و نقارہ وغیرہ۔
شیو سنگھ	راہری کا قلعہ دار تھا	سنہ 47 میں یک و نیم ہزاری ہوا۔
ماندھاتا	پسر راؤ کانھو متعینہ فوج نصرت جنگ	سنہ 51 میں قلعہ ممت کی تسخیر پر مامور ہوا۔
کشور داس	ولد منوہر داس گور	سنہ 26 میں شولا پور کا قلعہ دار ہوا۔
راجہ کلیان سنگھ	بھداور کا زمیندار تھا	سنہ 40 میں حاضر دربار ہو کر ہفت صدی پر دو صدی کا اضافہ ہوا۔

اس فہرست میں بعض اور باتیں لحاظ کے قابل ہیں' سب سے مقدم یہ کہ اس میں مہارانا اودے پور کے بیٹے اور بھائی بھی موجود ہیں' اور اس سے عجیب تر یہ کہ سیوا جی کے متعدد عزیز اور رشتہ داروں کے نام نظر آتے ہیں' حالات پڑھو تو معلوم ہو گا کہ صرف نام کے عہدہ دار نہ تھے' بلکہ معرکوں میں حیرت انگیز جانفشانیاں دکھاتے تھے' ان عہدہ داروں میں ہر قسم کے عہدہ دار ہیں' یعنی فوجی بھی' ملکی بھی' غور کرو' فوجوں کی افسری' قلعوں کی قلعہ داری' اضلاع کی نظامت و فوجداری' ان سے بڑھ کر ذمہ داری اور اعتماد کے کیا عہدے ہو سکتے ہیں۔ یہ سب عہدے ہندوؤں کو حاصل تھے۔

ان واقعات کے بعد لین پول صاحب کے اس قول پر ایک دفعہ اور نظر ڈالو۔

"راجپوتوں نے عالمگیر کی حمایت میں ایک انگلی بھی ہلانی نہ چاہی۔"

جزیہ لگانا

یہ الزام اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ لوگ جزیہ کی حقیقت اور ماہیت سے واقف نہیں' جزیہ پر ہم نے ایک مفصل علیحدہ رسالہ لکھا ہے جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اس کے دیکھنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جزیہ کوئی ناگوار چیز نہ تھی بلکہ غیر

قوموں کے حق میں رحمت تھی' اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں نے اس سے ناراضی ظاہر کی' لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو محصول ایک مدت سے موقوف ہو چکا تھا اس کا نئے سرے سے قائم کیا جانا کیونکر گوارا ہو سکتا تھا۔

میلوں کا موقوف کرنا

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عالمگیر نہایت روکھا پھیکا آدمی تھا اس کو میلوں ٹھیلوں' ناچ رنگ' گانے بجانے' شراب کباب' اور تمام ظاہری نمائش و تکلفات سے نفرت تھی' وہ سمجھتا تھا کہ ان چیزوں سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس نے خانگی جھگڑوں سے فارغ ہونے کے بعد ہی اس طرف توجہ شروع کی' سلاطین تیموریہ کے آئین میں داخل تھا کہ بڑے بڑے مشہور گویے دربار میں ملازم رہتے تھے اور بادشاہ ہر روز ایک وقت خاص اس تفریح میں بسر کرتا تھا۔ اسی طرح دربار میں شعرا اور منجمین نوکر تھے' عالمگیر نے 1078 ہجری میں حکم دیا کہ گویے دربار میں آئیں لیکن گانے نہ پائیں' پھر سرے سے موقوف کر دیئے' ملک الشعرائی کا عہدہ توڑ دیا' منجمین نکال دیئے گئے۔ دربار میں آداب و کورنش کا جو طریقہ تھا موقوف کر دیا۔ بادشاہ جھروکہ میں بیٹھ کر اپنے درشن کراتا تھا۔ اور اس سے ایک خاص درشنی فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو بغیر بادشاہ کی زیارت کئے ہوئے کچھ کھاتا پیتا نہ تھا' یہ رسم بھی حالانکہ سلطنت کے لئے مفید تھی' موقوف کر دی' محرم میں تابوت نکالا جاتا تھا' 1079 ہجری میں برہان پور میں تابوت کے گشت کے متعلق دو گروہوں میں مٹ بھیڑ ہو گئی اور بلوہ عظیم ہوا اور بڑی خونریزی ہوئی یہ سن کر حکم دے دیا کہ تابوت نہ نکالے (53) جائیں' اسی مد میں ہندوؤں کے میلے ٹھیلے بھی بند کرا دیئے' اس سے بدگمان مورخوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس نے تعصب مذہبی کے لحاظ سے ایسا کیا۔

مدارس کا بند کرانا

ایرانی مورخین جو عالمگیر کی ہر بات کو عیب کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اس بات کے عادی ہیں کہ مختص الحالت واقعات کو عام کر کے دکھائیں' اوپر تم پڑھ آئے ہو

کہ شاہجہان کے زمانے میں ہندو مسلمانوں پر مذہبی جبر کرنے لگے تھے' داراشکوہ کے طرز عمل نے ان کو اور جری کر دیا تھا' وہ اپنے پاٹ شالوں میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہبی علوم سکھلاتے تھے اور ایسی ترغیب دیتے تھے کہ دور دور سے مسلمان ان کے مدرسوں اور پاٹ شالوں میں آتے تھے' عالمگیر نے انہیں مدرسوں کو بند کرایا تھا' بدگمان مورخوں نے یہ لکھ دیا کہ ہندوؤں کے تمام مدرسے اور عبادت گاہیں ڈھا دیں' تاہم ان کی تحریر میں بھی اصلیت کا سراغ لگ جاتا ہے۔ ماثر عالمگیری میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔

> بہ عرض خداوند دین پرور رسید کہ صوبہ ٹھٹھہ و ملتان' خصوص بنارس' برہمنان بطالت نشان در مدارس مقرر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند و راغباں و طالبان از ہنود و مسلمان مسافتہائے بعیدہ طے نمودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آں جماعۃ گمراہ می آئند' احکام اسلام نظام بہ ناظمان کل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دیناں و ستخوش انہدام سازند و بتاکیداکید طور درس و تدریس و رسم شیوع مذاہب کفرانیاں براندازند۔ (54)

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کن وجوہ سے یہ حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کی کیا غرض تھی لیکن متعصب مورخ نے اس حکم کو عموم کے پیرایہ میں لکھ دیا اور یہ اس کی عام عادت ہے' عالمگیر نے بعض خاص ملازمتوں سے ہندوؤں کو موقوف کیا تھا' جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لیکن یہ مورخ کہتا ہے کہ ہندو اہل قلم سرے سے موقوف کر دیئے گئے' چنانچہ خاتمہ کتاب میں لکھتا ہے۔

> "وہنود اہل قلم یک قلم از عمل معزول گشتہ بودند۔" (صفحہ 528)

پچھلے مورخوں نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا' خافی خاں عالمگیر کے ان احکام کو جی کھول کر لکھتا ہے جو اس نے ہندوؤں کے خلاف دیئے تھے' لیکن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔

بت شکنی

الزامات عالمگیر کی فہرست میں یہ الزام سب سے زیادہ جلی حرفوں میں لکھا جاتا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر عالمگیر نے امن و امان کی حالت میں اپنی رعایا کے بت خانے گرائے ہوں تو وہ اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا' خلفائے راشدین سے زیادہ کون اسلام کا حامی ہو سکتا ہے' انہوں نے سینکڑوں ہزاروں شہر فتح کیے دنیا کے بڑے بڑے حصے ان کے زیر حکومت آئے' ان کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اسلامی تاریخ میں موجود ہے' ایک واقعہ بھی منقول نہیں جس میں ان کے ہاتھ سے کسی قوم کے معبد اور پرستش گاہ کو ٹھیس بھی لگی ہو' چنانچہ ہم اس بحث کو نہایت مفصل حقوق الذمیین میں لکھ چکے ہیں' عالمگیر نے ان سب کے خلاف کیا تو بے شبہ اس خاص معاملہ میں وہ اسلام کا جائز قائم مقام نہیں ہے لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ واقعہ کی اصلیت کیا ہے۔ ایک بڑی غلطی عموماً یہ ہوتی ہے کہ لوگ آج کل کے تمدن اور معاشرت کی عینک سے پچھلے زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں' آج کل مذہب اور پالیٹکس بالکل الگ الگ ہیں' گورنمنٹ انگریزی اس بات کی بے تکلف اجازت دیتی ہے کہ جس کا جی چاہے شارع عام پر کھڑے ہو کر عیسائی مذہب پر (جو گورنمنٹ کا مذہب ہے) اعتراض اور نقطہ چینیاں کرے اور لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے' لیکن یہی گورنمنٹ یہ کبھی جائز نہ رکھے گی کہ کوئی شخص مجمع عام میں گورنمنٹ کے طریقہ سلطنت پر اعتراض کرے اور لوگوں کو مخالفت میں اپنا ہم آہنگ بنائے' آج مسلمانوں کی مسجدیں اور ہندوؤں کے شوالے کوئی ملکی اثر نہیں رکھتے' لیکن قدیم زمانے میں یہی چیزیں بغاوتوں اور ہنگاموں کا صدر مقام بن جاتی تھیں' یہی بات تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں جب قابو پاتے تھے تو ایک دوسرے کی پرستش گاہوں کو صدمہ پہنچاتے تھے تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ ہندو راجاؤں نے جب کبھی قوت و اقتدار حاصل کیا ہے تو مسجدیں ڈھا کر برباد کر دی ہیں۔

علی عادل شاہ دکنی نے 976ھ میں رام راج کو جو بیجانگر کا راجہ تھا نظام شاہ بحری کے مقابلے میں اپنی مدد کو بلایا تھا۔ لیکن رام راج جب مدد کو آیا تو خود علی عادل شاہ کے ملک میں تمام مسجدیں جلا دیں تاریخ فرشتہ میں ہے۔

علی عادل شاہ ہم در سنہ ستہ و سبعین و تسع مائۃ رام راج را بہ مدد خواندہ بہ اتفاق او بہ صوب احمد نگر نہضت نمود' از پرندہ تا خیبر واز احمد نگر تا دولت آباط اثر معموری نماند و کفار بیجا نگر کہ سالہائے دراز طالب چنیں منصوبہ بودند دست بیداد دراز کردہ مساجد و مصاحف سوختند۔ (55)

اسی واقعہ کو مورخ مذکور نے دوسرے موقع پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ یعنی یہ کہ علی عادل شاہ نے رام راج کو اس شرط سے اپنی مدد کو بلایا تھا کہ کفار مساجد وغیرہ کی بے حرمتی نہ کریں' بااین ہمہ ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا' چنانچہ اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

چوں در دفعہ اول علی عادل شاہ از ستیزہ حسین نظام شاہ بحری بہ تنگ آمدہ ناچار رام راج را بہ مدد طلبید چناں عہد و شرط درمیان آوردہ کہ کفار بیجا نگر بواسطہ عداوت دینی بالئی اسلام را مضرت جانی رسانیدہ دستبرد و دستگیرنہ نمائند و مساجد راخراب نہ گردانند لیکن خلاف آن بہ ظہور آمدہ۔ کفار نابکار در بلدہ احمد نگر در تخریب و تعذیب مسلمانان وہتک و حرمت ایشان دقیقہ' نامرعی نہ گذاشتند وچنانکہ گذشت در مساجد فرود آمدہ بت پرستی می کردند و ساز نواختہ سرودی گفتند۔ (56)

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہندوؤں نے عالمگیر کی سلطنت سے پہلے کس قدر زور پکڑ لیا تھا۔ عالمگیر نے جب ان کی تعدیوں کو روکنا چاہا تو ان میں ایک شورش پیدا ہوئی۔ ذی قعدہ 1089 یعنی تخت نشینی کے بارھویں برس عالمگیر کو جب اطلاع ملی کہ ہندو' مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم پڑھاتے ہیں تو اس نے اس کے انسداد کا حکم دیا' اس واقعہ کے مہینہ ہی بھر کے بعد متھرا کے اطراف میں ہندوؤں نے شورش کی جس کے فرو کرنے کے لئے عبدالنبی خاں متھرا کا فوجدار متعین کیا گیا اور مارا گیا۔ (57) اسی زمانہ کے

قریب یعنی 1080ھ میں بنارس کا بت خانہ کاشی ناتھ اور متھرا کا وہ بت خانہ جو ابوالفضل کی لوٹ سے نرسنگھ دیو نے بنوایا تھا منہدم کر دیئے گئے' اس کے بعد اودے پور وغیرہ کے بت خانوں پر آفت آئی۔

ایرانی مخالف مورخوں کو کیا غرض تھی کہ وہ بت خانوں کے انہدام کے اسباب اور وجوہ لکھتے لیکن واقعات ذیل آج بھی معلوم ہیں' ان کو فلسفیانہ اصول سے ترتیب دو' اصل حقیقت صاف معلوم ہو جائے گی۔

1- شاہجہان کے ساتویں سال حکومت تک' ہندوؤں کا یہ زور تھا کہ مسجدوں کو توڑ کر اپنے تصرف میں لاتے تھے اور شریف مسلمان عورتوں کو بہ جبر گھر میں ڈال لیتے تھے۔

2- داراشکوہ جو شاہجہان کے اخیر زمانہ میں سلطنت کے کاروبار کا مالک ہو گیا تھا' ہمہ تن ہندو پرست تھا۔

3- عالمگیر کے بارھویں سال حکومت تک ہندوؤں کا یہ حال تھا کہ علانیہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔

4- عالمگیر نے جب اس تعلیم کو بند کرنا چاہا تو ہندوؤں میں شورش شروع ہوئی' 1089ھ مطابق سال 22 جلوس عالمگیری میں کھندیلہ کے راجپوتوں نے شورش (58) کی اور ان پر فوج کشی کی گئی اور وہاں کے بت خانے توڑے گئے' اسی سال عام شورش برپا ہوئی اور جودھپور اور اودے پور کی ریاستیں بغاوت کا مرکز بنیں۔

5- عالمگیر نے اس بنا پر جودھپور اور اودے پور پر فوج کشی اور وہاں کے بت خانے غارت کرا دیئے۔

جس قدر بت خانے توڑے گئے' انہیں مقامات کے توڑے گئے جہاں پرزور بغاوتیں برپا ہوئیں۔

عالمگیر 25 برس تک دکن میں رہا' ان ممالک میں ہزاروں بت خانے تھے لیکن کسی تاریخ میں ایک حرف بھی نہیں مل سکتا کہ اس نے کسی بت خانے کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔

الورہ کے مشہور مندر میں سینکڑوں تصویریں اور بت ہیں۔ عالمگیر اسی نواح میں الورہ سے میل دو میل کے فاصلہ پر مدفون ہے بڑے بڑے بزرگان دین کا یہاں مزار ہے جو عالمگیر سے بہت پہلے گذرے' لیکن یہ بت اور تصویریں آج تک موجود ہیں' ماثر عالمگیری کا مصنف جو خود عالمگیر کا ایک عہدہ دار تھا اور جس کو بت خانوں کے توڑنے کے ذکر میں مزہ آتا ہے۔ اور مزے سے لے کر اس کا ذکر کرتا ہے۔ الورہ کا ذکر نہایت تعریف کے ساتھ کرتا ہے اور اخیر میں لکھتا ہے۔

"بدیع سیر گاہے ست نظر فریب جز بدیدن تحریر ماہیت راست نیاید' خامہ تاکجا صفحہ اخبار بر آرید۔" (59)

یورپین اور ہندو مورخ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے چونکہ بت خانے گرائے اس لئے بغاوت ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغاوت ہوئی اس لئے بت خانے گرائے عالمگیر کا بت خانوں کا گرانا ایسا ہی تھا جیسا کہ آج ایسے روشن زمانے میں مہدی سوڈانی کے مقبرہ کو برباد کرا دیا گیا۔

سنہ 5 جلوس میں جب ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور عالمگیر دکن کو روانہ ہو گیا تو بت خانوں کے گرانے کا ایک واقعہ بھی کہیں تاریخوں میں نظر نہیں آتا' دکن میں اسلامی سلطنتوں یعنی گولکنڈہ اور بیجاپور سے مقابلہ تھا۔ اس لئے کسی بت خانے سے تعرض نہیں کیا گیا' ورنہ اگر مذہبی تعصب ہوتا' تو یہاں اس کا سب سے اچھا موقع تھا۔

عالمگیر تو بقول مخالفوں کے متعصب تھا لیکن نہایت عادل اور غیر متعصب بادشاہ شاہجہان کو بھی ایسے موقع پر عالمگیر بننا پڑا' شاہجہان نامہ عبدالحمید لاہوری میں جو خود شاہجہان کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے' یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

"حضرت جنت مکانی (یعنی جہانگیر) در بنارس کہ خطائے کفر و ضلال و منحانیے و زر وبال است بت خانہ بسیار احداث یافتہ' ناتمام ماندہ است' و برخے از متمولان کفر نجو می خواہند کہ بہ تمام رسانند شہنشاہ دین پناہ حکم فرمودہ بودند کہ چہ بنارس و چہ دیگر

محال ممالک محروسہ ہرجا بت خانہ احداث یافتہ باشد آن را برانداز ند' دریں ولا از عرضہ داشت وقائع نگار صوبہ الہ آباد معروض گشت کہ ہفتاد و شش بت خانہ بنارس بہ خاک برابر گردید۔ (60)

شاہ جہان کوئی متعصب بادشاہ نہ تھا' لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کثرت سے نئے نئے بت خانوں کا بلا اجازت تعمیر کرنا' اسی سلسلہ میں داخل ہے جس کی بدولت ہندو اسلامی مساجد و معابد کو بت خانے بنانے کی جرات کرنے لگے ہیں' چنانچہ اس نے نئے بت خانوں کو تڑوا کر ہندوؤں کی ملکی قوت کا استیصال کر دیا' عالمگیر نے بھی یہی بلکہ اس سے کم کیا' اس نے بنارس کا صرف ایک بت تڑوایا اور متھرا کا وہ بت خانہ جو مسلمانوں کے مال سے بنا تھا' اگر یہ جرم ہے تو ہم عالمگیر کو اس جرم سے نہیں بچا سکتے۔

عالمگیر اور باپ بھائیوں کے ساتھ بے رحمی

عالمگیر کے فرد جرم کا یہ سب سے اخیر نمبر ہے' لیکن اس کے دامن اوصاف کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے' اور جرائم کی نسبت عالمگیر کا ایک حامی کہہ سکتا ہے کہ اگر غیر سلطنتوں کا تسخیر کرنا جرم ہے تو مجرموں کی صف میں سکندر اور نپولین کو سب سے آگے کھڑا کرنا چاہئے اگر مرہٹوں کی بغاوت کا دبانا گناہ ہے تو پہلا مجرم شاہجہان صاحب قران ثانی ہے' اگر راجپوت ریاستوں پر لشکر کشی کرنا الزام ہے' تو فرد جرم میں سب سے اوپر اکبر اعظم کا نام ہونا چاہئے۔ جس نے سب سے پہلے جے پور پر چڑھائی کی اور اس وقت تک اس ارادے سے باز نہ آیا جب تک راجہ زادیاں' تیموری حرم میں نہ آ گئیں' اگر ہندوؤں کو بڑے معزز عہدے نہ دینا خلاف انصاف ہے تو یورپ کی نسبت کیا کہا جائے گا جس نے آج تک اپنی قوم کے سوا کسی قوم کو وزارت یا سپہ سالاری کے عہدے پر ممتاز نہیں کیا۔

لیکن عالمگیر کا حامی اس کا کیا جواب دے سکتا ہے' کہ عالمگیر کے دامن پر بھائیوں کے خون کی چھینٹیں ہیں' اور اس کے مظلوموں میں خود اس کا نامور باپ شاہجہان بھی قید خانے کی کڑیاں جھیل رہا ہے۔

بے شبہ ہم کو ٹھنڈے دل سے بے رو رعایت ان جرائم کی تحقیقات کرنی چاہیے' اور نہایت احتیاط رکھنی چاہیے کہ میزان عدل کا پلہ طرف داری کے رخ نہ جھک جائے۔

عالمگیر کے حالات کے متعلق آج بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن اصول تاریخ کی رو سے ہم کو صرف ان کتابوں پر اعتماد کرنا ہو گا جو عین عالمگیر کے عہد میں لکھی گئیں' اس قسم کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

عالمگیر نامہ کاظم شیرازی' اس میں ابتدا سے دس برس تک کے حالات ہیں اس کا مسودہ خود عالمگیر کو دکھالیا جاتا تھا۔

ماثر عالمگیری' مستعد خاں ساقی کی تصنیف ہے جو عالمگیر کا عہدہ دار تھا۔ لیکن دس برس اول کے حالات اس نے صرف عالمگیر نامہ کے حوالے سے لکھے ہیں اور اسی کو مختصر کر دیا ہے۔

منتخب اللباب خافی خاں' اس کا باپ عالمگیر کی فوج میں شریک تھا خود خافی خاں بھی اخیر زمانے میں عالمگیری عہدہ داروں میں داخل ہو گیا تھا۔ یہ کتاب عالمگیر کی وفات کے دس برس بعد لکھی گئی ہے۔ (یہ تینوں کتابیں کلکتہ میں چھپ گئی ہیں)

واقعات عالمگیری' عاقل خاں کی تصنیف ہے جو عالمگیری امرا میں ہے' یہ کتاب گو عالمگیر کے زمانے میں لکھی گئی لیکن اس سے چھپا کر لکھی گئی چنانچہ خافی خاں نے خود تصریح کی ہے' اور اس بنا پر نہایت آزادی سے پوست کندہ حالات لکھے ہیں۔

سفرنامہ ڈاکٹر برنیر۔ اس نے اپنی چشم دید حالات لکھے ہیں۔

فیاض القوانین۔ اس میں سلاطین ہندوستان و ایران اور مرزا مراد شجاع' عالمگیر اور امرائے تیموریہ کے خطوط ہیں' مرزا مراد کے خطوط عین اس حالت کے ہیں جب وہ عالمگیر کے ساتھ مل کر دارا شکوہ کے مقابلے پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا' ان خطوط اور فرامین کو ملا فیاض نے 1134ھ میں جمع کیا تھا' اس کا قلمی نسخہ ہمارے دوست نواب علی حسن خاں کے کتب خانے میں موجود ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔

ان میں سے پہلی اور دوسری کتاب میں اگرچہ تفصیلی حالات ہیں اور وہ عالمگیر کی

حمایت کے لئے زیادہ مفید ہیں لیکن ہم اس لئے ان سے استناد نہیں کر سکتے کہ عالمگیر نامہ گویا خود عالمگیر کی تصنیف ہے اور ماثر کا وہ حصہ جس میں واقعات متنازعہ ہیں عالمگیر نامہ ہی سے ماخوذ ہے ان کتابوں سے ہم صرف ان موقعوں پر استناد کریں گے جہاں اور مورخین بھی ان کے ہم زبان ہیں' شیعہ و سنی کا تفرقہ کرنا اگرچہ ہم کو نہایت ناگوار ہے اور ہم ان دشمنان قوم کو نہایت کمینہ خصلت سمجھتے ہیں جو اسلامی فرقوں میں باہم ناگواری پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعضوں نے اس کو معاش کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ لیکن واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے مجبوراً" یہ کہنا پڑا ہے کہ عالمگیر سنی تھا اور اس کے تمام مورخین یعنی نعمت خاں' کاظم شیرازی' عاقل خاں' خافی خان شیعی تھے اس سے یہ غرض نہیں کہ ان مورخین کا بیان اختلاف مذہب کی بنا پر ناقابل اعتبار ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ایشیائی مورخین کی طبیعتوں پر اختلاف مذہب کا خواہ مخواہ اثر پڑتا ہے اور سچ پوچھو تو یورپ کے مورخین بھی اس سے خالی نہیں صرف یہ فرق ہے کہ یورپین مورخین جس حسن سے تعصب کا استعمال کرتے ہیں ایشیائی مورخ نہیں کر سکتے۔

شاہجہان کی قید

شاہجہان کی قید کا الزام اگرچہ ایسا مہتم بالشان واقعہ ہے جس کے لئے مستقل اور جداگانہ عنوان قائم کرنا چاہئے تھا لیکن اس کا سلسلہ داراشکوہ کے واقعہ سے اس قدر ملا ہوا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔

داراشکوہ (61) شاہجہان کا سب سے بڑا اور سب سے چہیتا بیٹا تھا' 7 ذی حجہ 1067ھ میں شاہ جہان حبس بول کے عارضہ میں گرفتار ہو کر کاروبار سلطنت سے معذور ہو گیا' دارا شکوہ نے موقعہ پا کر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مرزا شجاع' مراد عالمگیر کے جو سفرا دربار میں رہتے تھے ان کو بلوا کر مچلکہ لیا کہ دربار کی کوئی خبر بھیجنے نہ پائے' اس کے ساتھ بنگال گجرات اور دکن کے راستے بند کرا دیے کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں جس سے مقصد یہ تھا کہ مراد' شجاع اور عالمگیر کو جو

ان صوبوں میں حکومت پر مامور تھے خبر نہ ہونے پائے' لیکن یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ چھپائے چھپ سکتا چنانچہ تمام صوبوں میں خبر پہنچ گئی اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہونے لگیں' سب سے پہلے شجاع نے جو داراشکوہ سے چھوٹا اور عالمگیر سے بڑا تھا۔ بنگال میں اپنی بادشاہی کا اعلان دے دیا' اسی طرح مراد نے احمد آباد و گجرات میں سکہ و خطبہ جاری کیا' لیکن عالمگیر نے کسی قسم کی خودسری اختیار نہیں کی۔ عالمگیر اس زمانے میں شاہ جہان کے حکم سے گلبرگہ کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ قریب تھا کہ وہ فتح ہو جائے۔ دفعتہ" ان تمام افسروں کے نام جو عالمگیر کی فوج میں شامل تھے داراشکوہ نے شاہجہان کی طرف سے حکم بھجوا دیا کہ فورا" عالمگیر کا ساتھ چھوڑ کر دربار میں چلے آئیں مجبورا" عالمگیر نے والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ نذرانہ پر صلح کر لی اور یہ مہم ناتمام رہ گئی' داراشکوہ نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ عیسیٰ بیگ کو جو عالمگیر کی طرف سے پائے تخت میں سفیر تھا قید کر کے اس کا گھر ضبط کر لیا' اسی کے ساتھ مہاراجہ جسونت سنگھ والی جودھپور کو فوج اور توپ خانہ دے کر گجرات کی طرف روانہ کیا کہ عالمگیر اپنی جگہ سے اگر حرکت کرے تو اس سے معرکہ آرا ہو۔

عالمگیر جمادی الاولیٰ 1068ھ کی بارہویں تاریخ یعنی شاہ جہان کی بیماری کے پانچویں مہینے بیجاپور سے روانہ ہو کر 25 کو برہان پور میں آیا۔ یہاں ایک مہینے تک ٹھہرا اور پائے تخت کی خبریں بہم پہنچاتا رہا۔ اس سے پہلے مرزا مراد سے قرارداد ہو چکی تھی کہ فلاں مقام پر دونوں کا اجتماع ہو گا۔ چنانچہ 20- رجب 1068 ہجری کو دونوں بھائی دیال پور میں نربدا اتر کر ملے' یہ خبر سن کر مہاراجہ جسونت سنگھ فوجیں لئے ہوئے بڑھا۔ اور عالمگیر کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ عالمگیر نے کب کلس برہمن کو جو بھاکا کا مشہور شاعر تھا' راجہ کے پاس بھیجا کہ ہم لوگ صرف والد قبلہ کی عیادت کی غرض سے جا رہے ہیں' آپ سد راہ نہ ہو جیے۔ لیکن راجہ نے نہ مانا اور سخت معرکہ ہوا' راجہ نے شکست کھائی۔ اور وطن کی طرف بھاگا' تاریخ میں یہ واقعہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ راجہ جب بھاگ کر وطن میں پہنچا تو اس کی بیوی نے اس کو اپنے پاس آنے نہ دیا اور تمام عمر کبھی اس سے ہمبستر نہیں ہوئی کہ پیٹھ دکھانے

والا میری ہم صحبتی کے قابل نہیں۔

شاہ جہان آگرہ سے دلی جا رہا تھا کہ جسونت سنگھ کے شکست کی خبر پہنچی' ہرچند شاہجہان کو آگرہ کی آب و ہوا ناموافق تھی اور اس وجہ سے آگرہ کو آنا واپس نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ مردہ بدست زندہ تھا' داراشکوہ اس کو الٹا آگرہ میں لایا اور خود ساٹھ ہزار سوار کے ساتھ عالمگیر کے مقابلہ کو نکلا۔ شاہجہان نے بار بار نہایت اصرار کے ساتھ سمجھایا کہ تمہارا جانا خلاف مصلحت ہے میں خود جا کر اس فتنہ کو فرو کئے دیتا ہوں' چنانچہ حکم دیا کہ پیش خیمہ باہر نصب کیا جائے لیکن داراشکوہ نے جانے نہ دیا' اور 16- شعبان 1068 ہجری کو آگرہ سے روانہ ہو کر سموگڑھ میں خیمہ زن ہوا۔ جہاں عالمگیر اور مرزا مراد فوجیں لئے ہوئے پڑے تھے' بڑے زور و شور کا معرکہ ہوا نتیجہ عالمگیر کی فتح تھی' اس معرکہ میں مرزا مراد نے اس ثابت قدمی سے جنگ کی کہ اگرچہ اس کے ہاتھی کا ہودہ تیروں سے چھن گیا تھا اور خود لہو لہان ہو گیا تھا۔ تاہم پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تیر برساتا رہا۔ یہ ہودہ فرخ سیر کے زمانے تک یادگار کے طور پر قلعہ میں محفوظ رہا۔ اور جب سادات بارہ نے سرکشی کی تو بادشاہ بیگم نے (عالمگیر کی بیٹی) اسی ہودہ کو دکھلا کر کہا کہ تیموری نسل کی یہ یادگاریں ہیں۔

داراشکوہ نے آگرہ میں جا کر دم لیا اور شرم کے مارے شاہجہان کے پاس نہ گیا۔ شاہجہان نے مشورہ اور اصلاح کے لئے بار بار بلا بھیجا۔ لیکن داراشکوہ اسی رات اہل و عیال کے ساتھ نکل کر لاہور کے ارادہ سے دلی روانہ ہوا۔ (62)

17- رمضان 1068 ہجری کو عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان کو بھیجا کہ قلعہ شاہی پر جا کر قبضہ کر لے اور شاہجہان کی خدمت میں جا کر عرض کرے کہ حضور اب قلعہ سے باہر تشریف نہ لائیں' یہی واقعہ ہے جو عالمگیر کے اخلاقی مرقع کی سب سے زیادہ بدنما تصویر ہے۔

تمام واقعات کا یہ سرسری خاکہ ہے جو سرتاپا خافی خاں کے بیان سے ماخوذ ہے' اصل بحث کے طے کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے ہم کو شاہجہان سے رخصت ہو کر' داراشکوہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

واقعات گذشتہ میں دارا کے کارنامے حسب ذیل ہیں۔

1- شاہجہان کے بیمار ہونے کے ساتھ مرزا مراد عالمگیر اور شجاع کے جو وکلاء شاہ جہان کے دربار میں رہتے تھے ان سے مچلکہ لیا کہ شاہجہان اور دربار کے حالات نہ لکھنے پائیں۔

2- بنگال۔ گجرات اور دکن کے راستے بند کرا دیئے کہ مسافروں کے ذریعے سے کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

3- عالمگیر کے وکیل کا گھر ضبط کر کے اسے قید کر دیا۔

4- عالمگیر جب بیجا پور کے محاصرہ میں مشغول تھا تو تمام افسروں کو جو اس کے ساتھ تھے بلوا لیا۔

5- بغیر اس کے کسی شہزادے کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی ہو' مراد عالمگیر اور شجاع کے مقابلے کے لئے فوجیں روانہ کیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جن سے کسی مورخ کو انکار نہیں' لیکن مزید اطمینان کے لئے بعض ضروری واقعات کے متعلق نہایت مستند شہادتیں بھی نقل کرتے ہیں۔

عین محاصرہ گلبرکہ کے وقت عالمگیر کے افسروں اور فوج کو بلوا لینا

> دریں اثنا دو قطعہ فرمان کہ حسب الالتماس داراشکوہ بنام مہابت خاں دوراو ستر سال از درگاہ عالم پناہ شرف اصدار پذیر فتہ بود بہ توصد و ریافت ورمنا شیر مطاعتہ حسن اندراج یافتہ بود کہ مہابت جنگ و راو ستر سال بالکل راجپوتیہ' اصلا برخصت شاہزادہ والا گہر (یعنی عالمگیر) مقید نشدہ روانہ گردوند ++ ازیں راہ دہن و سستی تمام بحال اردوے معلی شاہی یعنی عالمگیر و راہ یافتہ استقلال و بنائے ثبات و قرار جنود نصرت موعود متزلزل و مختل گردید۔
>
> (واقعات عالمگیری از عاقل خان ص 17)

ان سب باتوں پر بھی عالمگیر نے کسی قسم کی پیش دستی نہ کی بلکہ جب مراد اور

شجاع نے اپنے اپنے صوبوں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تب بھی عالمگیر نے کوئی کاروائی نہ کی بلکہ مراد کو خط لکھا کہ ابھی حضور اقدس زندہ ہیں' ہم لوگوں کو اپنی جگہ سے ہلنا نامناسب ہے اور سورت پر تم نے جو فوج بھیجی' یہ نامناسب تھا' چنانچہ مراد نے عالمگیر کو جو خط لکھا ہے اس میں لکھتا ہے۔

> آنچہ اندراج یافتہ کہ چوں تاحال خبر وقوع قضیہ ناگزیر (یعنی شاہجہان کی وفات) بما نرسیدہ بلکہ آثار صحت ظاہر می شو داز جائے خود حرکت کردن و بہ اظہار بعضے مراتب پرداختن مناسب نمی نماید' اگر آں بر ادر نیز بعد از تحقیق اخبار افواج بہ سورت می فرستادند و دریں کار تعجیل نمی رفت بہتر بود الی آخرہ (فیاض القوانین یعنی مکاتیب تیموریہ وغیرہ)۔

عالمگیر و مراد کے وکلا کا نظر بند کرنا اور واقعہ نویسی سے روکنا

> وکلائے ما برادران ۔معنی نظر بند اند کہ ملحد (یعنی داراشکوہ) جمعی را گماشتہ کہ در حضر و سفر بر دور خانہ آنہای باشند و مقرر نمودہ کہ اخبار و سوانح آنجارا مطابق گفتہ میر صالح برادر روشن قلم بہ ما بنو یسد۔ (فیاض القوانین)

عالمگیر کے وکیل کا گھر ضبط کرنا

> عیسیٰ بیگ وکیل سرکار (یعنی عالمگیر) راہے صدور جرمے محبوس ساختہ بہ ضبط اموال و امتعہ او فرماں دادند۔ (ماثر عالمگیری مطبوعہ کلکتہ صفحہ 4)

واقعات مذکورہ بالا کے ثابت ہونے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ آغاز کاروائی سے اخیر تک داراشکوہ اور عالمگیر دونوں میں سے کون تقصیر وار ہے' خبروں کا روکنا' عالمگیر کے وکیل کا نظر بند کرنا' عالمگیر کی جاگیر کا ضبط کرنا' عین جنگ کی حالت میں عالمگیر کے امراء اور فوج کا اس کے پاس (63) سے بلوا لینا' مہاراجہ جسونت سنگھ کو عالمگیر کے

مقابلہ پر مامور کرنا' کیسے افعال ہیں؟ اور کیا ان میں سے کسی فعل کے جائز ہونے کی کوئی وجہ بتائی جا سکتی ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ یہ سب داراشکوہ کے افعال ہیں' ان کو شاہ جہان کے واقعہ کی بحث میں پیش کرنا کس قدر غلط طریق استدلال ہے' لیکن عالمگیر کی تمام کاروائیاں جو اب تک اس نے کیں' یعنی دکن سے روانہ ہوا' راہ میں جسونت سنگھ نے داراشکوہ کی طرف سے روکا تو اس کو لڑ کر شکست دی آگرہ میں آیا' یہ سب داراشکوہ ہی کے مقابل میں تھیں' شاہ جہان کی بحث میں ان واقعات کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ سادہ دل مورخین ان واقعات کو بھی اس بنا پر عالمگیر کی ناسزا حرکات میں شمار کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں گویا شاہجہان کے مقابلہ میں تھیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں شاہجہان ہمہ تن مجبور ہو کر داراشکوہ کے قبضے میں آ گیا تھا' اور وہ جو کچھ چاہتا تھا شاہ جہان کے نام سے کرتا تھا۔

خافی خاں کے بیان میں اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ شاہ جہان آگرہ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ داراشکوہ نے مجبور کیا' داراشکوہ جب فوج لے کر چلا تو شاہجہان نے بہت روکا لیکن داراشکوہ نے نہ مانا' شاہ جہان نے عالمگیر کے معاملہ طے کرنے کے لئے خود جانا چاہا داراشکوہ نے نہ جانے دیا۔

ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔

> "ان دنوں شاہ جہان کا فی الواقع بہت پتلا حال تھا اور علاوہ شداید اور تکالیف مرض وہ حقیقتاً داراشکوہ کے پنجہ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا۔ (ترجمہ سفرنامہ برنیر جلد اول صفحہ 65)

مراد ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے۔

> اما بہ اجمال ظاہر شد کہ آں طرف (یعنی داراشکوہ) استقلال و تسلط تمامی کہ نداشت یافتہ حل و عقد امور حضور اقدس (شاہ جہان) بہ قبضہ اقتدار خود آوردہ۔

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ داراشکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہ جہان کے خط میں بالکل خط ملا دیتا تھا اور فرامین پر شاہجہان کے دستخط اپنے ہاتھ سے بنا تا تھا' مراد

ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے۔

و ملحد (داراشکوہ) خود تقلید خط اقدس (شاہجہان) را بہ مرتبہ کمال رسانیدہ بر فرامین دستخط می کند۔ (64)

ان موقعوں پر مراد کا بیان اس لئے نہایت وثوق کے قابل ہے کہ وہ یہ واقعات عالمگیر کو لکھ رہا ہے اس لئے یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ عوام کے دھوکا دینے کے لئے لکھتا ہو' مراد اور عالمگیر اس وقت تک ہمراز اور ہمدرد ہیں۔

واقعات مذکورہ کی بنا پر عالمگیر کو صرف انہیں احکام کی پابندی ضرور تھی جو شاہجہان کے اصلی احکام تھے' اور یہ ظاہر ہے کہ جسونت سنگھ کا عالمگیر کے مقابلے پر بھیجنا' داراشکوہ کی شرارت تھی' شاہ جہان اس پر راضی نہ تھا۔

داراشکوہ کے مقابلے میں عالمگیر کا آمادہ جنگ ہونا حفاظت خود اختیاری کا ضروری فرض تھا۔ ڈاکٹر برنیر عالمگیر کا سب سے بڑا دشمن ہے' تاہم ان بھائیوں کے ارادہ جنگ کے متعلق لکھتا ہے۔

"واقعی ان کو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ فتحیابی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقین کلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں' یا موت یا سلطنت اور جس طرح شاہ جہان خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا تھا۔ اسی طرح ان کو یقین واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہیں گے تو غالب اور فتحیاب حسد کے مارے ہم کو ضرور قتل کرا دے گا۔" (ترجمہ سفرنامہ برنیر صفحہ 46 و 47)

لین پول صاحب لکھتے ہیں۔

"اورنگ زیب یہ ضرور جانتا ہو گا کہ بھائیوں میں کسی ایک کی تخت نشینی سے یا تو وہ قید کر لیا جائے گا مارا جائے گا اور اس نے اپنے دل میں ایک مصمم ارادہ کر لیا ہو گا۔ حفاظت خود

اختیاری میں اس کا فرض تھا کہ حصول بادشاہت کے لئے وہ بھی ایک نیلامی بولی بولے۔" (ترجمہ اورنگ زیب مصنف لین پول' صفحہ 31)

بہرحال عالمگیر جسونت سنگھ اور داراشکوہ سے لڑا اور ان کو شکست دی۔ لیکن ایک عرضداشت کے ذریعے سے شاہجہان کو ان تمام واقعات کی خبر دی' شاہجہان نے دست خاص سے تسلی نامہ لکھ کر بھیجا' پھر انعام کے طور پر ایک تلوار بھیجی جس پر عالمگیر کا لفظ منقوش تھا' چنانچہ عالمگیر نے ان واقعات کو تفصیلاً" لکھا ہے۔

عالمگیر کا نکتہ چین اس موقع پر یہ کہہ سکتا ہے کہ عالمگیر نے جو کچھ کیا حفاظت خود اختیاری کی وجہ سے کیا' لیکن جب وہ جسونت سنگھ کو شکست دے کر آگرہ کے قریب پہنچ گیا۔ اور شاہجہان نے اس کو بار بار بلایا' اور نہایت شفقت آمیز خط لکھے' تحفے اور انعام بھیجے اور سب سے بڑھ کر سلطنت کی تقسیم اس طرح کرنی چاہی جس سے بڑھ کر عالمگیر کے حق میں کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی' یعنی یہ کہ داراشکوہ کو پنجاب و کابل' اور مراد کو گجرات' اور شجاع کو بنگال دیا جائے اور عالمگیر کو ولی عہدی کا منصب اور پائے تخت کی سلطنت دی جائے تو اس حالت میں باپ کی نافرمانی کرنا گستاخی سے پیش آنا' اور بالآخر قلعہ میں نظر بند کر دینا' اخلاق کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے۔

لیکن تحقیق طلب یہ ہے کہ شاہ جہان فی الواقع وہی کرنا چاہتا تھا جو کہتا تھا؟ اسلامی تعلق سے شاہ جہان اور عالمگیر دونوں یکساں واجب التعظیم ہیں۔ گو وہ خلیفہ نہیں لیکن لغوی معنوں میں (نہ شرعی) امیرالمومنین ہیں۔ میرا دل دکھتا ہے کہ ان میں سے کسی کو ملزم ٹھہراؤں' لیکن سچائی اور تاریخ نویسی کا کیا فرض ہے؟ شاہ جہان اور عالمگیر دونوں قابل ادب ہیں' لیکن دونوں سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہے "حق اور راستی" اور مجھ کو اسی اعلیٰ تر چیز کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے۔

تمام مورخین میں عاقل خاں نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ عالمگیر کے نام شاہجہان کے درد انگیز خطوط جن سے پتھر کا دل پانی ہو جاتا ہے بعینہٖ نقل کئے ہیں۔ نواب جہاں آرا بیگم نے شاہجہان کے اشارے سے جو خط عالمگیر کو لکھا ہے وہ بھی

نقل کیا ہے' عالمگیر کو جو لوگ شاہ جہان کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے' ان کو فتنہ پرداز اور مفسد نے تعبیر کیا ہے' اور یہ تمام داستان' اس تفصیل' اس زور' اس درد کے ساتھ لکھی ہے کہ پڑھنے والے کے منہ سے بے اختیار عالمگیر کے حق میں نفرین نکل جاتی ہے' لیکن بالآخر جب یہ موقع آتا ہے کہ عالمگیر باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے قیام گاہ سے نکلتا ہے اور اس کے مقربین اس کو روکتے ہیں' تو اسی مورخ (عاقل خاں) کو یہ لکھنا پڑتا ہے۔

دریں اثنا کہ آں حضرت (عالمگیر) سمع مبارک بہ عناں دولت سگالاں داشتہ متردد و بودند ناگاہ ناہر دل خاں چیلہ برسید' فرمانے کہ بندگان اعلیٰ حضرت (شاہ جہان) برخط مبارک بہ داراشکوہ نوشتہ از راہ احتکو بہ کمال اہتمام و احتیاط بدو حوالہ فرمودند کہ اصلاً احدے رابریں راز وقوف نہ دادہ خود را بعنوان بجگیر و یلغار بہ دارالخلافت شاہجہان آباد نزد داراشکوہ رساند و فرمان رابہ آنجناب رسانیدہ جواب بیارد' و در نظر انوار حضرت جہاں پناہے در آوردو مضمون آن منشور ناطق بداں بود کہ داراشکوہ خاطر خود را جمع کردہ در شاہ جہاں آباد ثبات قدم ورزد و آزانجا بیشتر نگزرد' کہ باایں جا ہم را فیصل می فرمائم۔"

عین اس وقت کہ عالمگیر' خیر خواہان دولت کی باتیں سن کر سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے دفعتہ" ناہر دل خاں چیلہ سامنے سے نکلا۔ شاہجہان نے خود اپنے ہاتھ سے داراشکوہ کے نام خط لکھ کر بڑی احتیاط سے اس کے حوالے کیا تھا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے اور یلغار کرتے ہوئے داراشکوہ کے پاس سے جواب لاؤ' خط کا مطلب یہ تھا کہ تم (داراشکوہ) مطمئن ہو کر دلی سے آگے نہ بڑھو' اور وہیں قیام کرو۔ ہم یہاں قصہ فیصل کئے دیتے ہیں۔

ایں فرمان مصدق و مصداق قول خیر خواہاں آمد۔

اس خط سے عالمگیر کے ہوا خواہوں کی رائے کی بالکل تصدیق ہو گئی۔

ماثر الامرا میں بھی یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے' اخیر کے فقرے یہ ہیں۔

دریں اثنا کہ خلد مکان (عالمگیر) گوش بر سخنان دولت سگالان داشتہ متردد بود ناہر دل چیلہ رسید و فرمانے کہ اعلیٰ حضرت بخط خود بہ داراشکوہ نوشتہ ازروئے اعتماد بدو حوالہ نمودہ بود کہ خود بعنوان سبکروی بہ شاہ جہان آباد خود را بہ داراشکوہ رسانیدہ جواب بیارد آوردہ گذرانید' مضمون آنکہ او لشکر ہا فراہم آوردہ در دہلی ثبات قدم ورزد مادریں جا مہم را فیصل می فرمائیم۔" (ماثر الامراء جلد دوم صفحہ 697)

ایک غیر قوم کا شخص جو عالمگیر کا پورا دشمن تھا اور ان تمام جھگڑوں میں موجود تھا۔ اس کے بیان سے اس اجمال کی گرہ کھل جاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

شاہجہان نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "بیشک داراشکوہ نے جو کچھ کیا سب نامناسب تھا اور اس کی بے سمجھی اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا کہ تم پر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پس تم کو ہمارے پاس جلد آنا چاہئے تاکہ تمہارے مشورہ سے ان امور کا انتظام کیا جائے جو اس افراتفری کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں۔" مگر اس محتاط شہزادہ (یعنی عالمگیر) نے بدگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے قلعے میں چلے جانے کی دلیری نہ کی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ بیگم صاحب (یعنی جہاں آرا بیگم) کسی وقت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی اور اس کے مزاج پر اس قدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے اور یہ پیغام اس کا ایک چکمہ ہے اور اس نے قلما قیبنون (تاتاری عورتیں) میں سے جو محل سرا میں چوکی پہرہ کے کام پر متعین رہتی ہیں کچھ قوی ہیکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعے میں داخل ہو تو فوراً" اس پر آن پڑیں۔ (سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ترجمہ اردو جلد اول صفحہ 114)

لین پول نے سچ لکھا کہ "اس جال میں جو شاہجہان نے اپنے بیٹے کے پھانسنے کو بچھایا شاہ جہان خود پھنس (65) گیا۔

عالمگیر نے بارہا شاہ جہان کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو قصور کرانا چاہا لیکن شاہجہان اب بھی داراشکوہ کا خواب دیکھتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں آرا بیگم جو شاہجہان کی دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز تھی، داراشکوہ کی نہایت طرف دار تھی۔ شاہجہان نے ہندی زبان میں خفیہ ایک خط شجاع کو عالمگیر کے برخلاف لکھا۔ اور اس قسم کی اس کی کوششیں برابر جاری رہیں، عالمگیر اب مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ خافی خاں لکھتا ہے۔

"خلد مکان (عالمگیر) مکرر ارادہ دیدن پدر والا قدر بہ قصد معذرت و التماس عفو تقصیرات کہ از تقدیرات الٰہی و شومی برادر ناہنجار بلا اختیار بظہور آمدہ، نمودند، آخر چوں دانستند کہ مرضی اعلیٰ حضرت (شاہ جہان) طرف رعایت و اعانت داراشکوہ غالب و راغب است و سر رشتہ اختیار بر حکم قلم تقدیر از دست رفتہ، مصلحت در فسخ عزیمت ملاقات پدر نلدار دانستہ۔" (جلد اول صفحہ 34)

اسی زمانے میں شاہ جہان نے ایک خط مہابت خاں سپہ سالار کو جو اس وقت کابل میں تھا لکھا، یہ خط خافی خاں نے پورا نقل کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"چوں فرزند مظلوم داراشکوہ بعد از شکست روانہ لاہور شدہ بہ مدد و رفاقت داراشکوہ بلبا پرواختہ بمقابلہ و جزائے اعمال ہر دو نابرخوردار یعنی (عالمگیر و مراد) پردرازد۔"

"شاہ جہان کی ان تمام سازشی اور مخالفانہ کاروائیوں کے ساتھ بھی عالمگیر نے یہ سلوک کیا کہ اپنے بیٹے شاہزادہ اعظم کو شاہ جہان کی خدمت میں عفو تقصیرات کے لئے بھیجا اور پانچ سو اشرفیاں اور چار ہزار روپے نذر بھیجے، اور چند روز کے بعد جب قلعے کی حفاظت کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو شاہجہاں کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا کر دیئے، ڈاکٹر برنیر کو بھی مجبوراً" یہ شہادت دینی پڑی۔"

"غرضیکہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہان کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا

اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطرداری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا۔ اور اس کے عریضوں سے جو اکثر لکھا کرتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی پاس اس طرح سے شاہجہان کی گردن کشی اور اس کا غصہ آخرکار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا۔

"بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کر دی۔" (66) (ترجمہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر جلد اول صفحہ 289)

انصاف کرو' شاہجہان اتنی بات پر برسوں جہانگیر سے لڑتا رہا کہ اس نے شاہ جہان کی جاگیر نورجہان کو لے کر دے دی تھی حالانکہ اور ہر طرح کی عنائتیں بحال تھیں۔ تاہم شاہ جہان نیک نام ہے' عالمگیر نے اس حالت میں کہ اس کی جاگیر چھین لی گئی۔ تنخواہ بند کر دی گئی عین دشمنوں کے مقابلے وقت' اس کی فوج اس کے پاس سے بلا لی گئی۔ 75 ہزار فوج خود اس کے مقابلے و مقاتلے کے لئے روانہ ہوئی قلعہ میں اس کے قتل کا بندوبست کیا گیا ان سب باتوں کے ساتھ وہ شاہ جہان کا نہایت ادب و احترام کرتا رہا۔ تاہم وہ بدنام ہے۔

رند و صوفی ہمہ سرمست گذشتند و گذشت
قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

مورخین کو اپنے محکمہ عدالت میں اس بات کا بہت کم موقع حاصل ہو سکتا ہے کہ خود مجرم کا بیان تحریری بھی حاصل کر سکیں لیکن عالمگیر کی نسبت مورخ کو اس کا افسوس نہیں ہو سکتا' عالمگیر نے شاہ جہان کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں ان الزامات کی خود جواب دہی کی ہے' عالمگیر کو اس کے مخالفوں نے ہمیشہ سخن ساز اور متنفی بیان کیا ہے لیکن اب تمام واقعات ایک ایک کر کے سامنے آ گئے ہیں اور راز ہائے سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھ گئی ہے اس لئے موقع ہے کہ عالمگیر کو اپنے عذرات کے پیش

کرنے کا موقع دیا جائے' ہم اس کا اصلی خط خافی خاں (67) کی تحریر کے مطابق نقل کرتے ہیں' دیکھو اس سخن ساز اور متقی شخص کا ایک حرف بھی سچائی کے مرکز سے ہٹا ہوا ہے؟

بعد ادائے مراسم عقیدت و عبودیت بہ عرض اشرف می رساند' صحیفہ کہ بہ خط خاص پس از تمادی ایام صادر شدہ بود پرتو ورود انداخت بہ مطالعہ ارقام سرمایہ سعادت حاصل کرو کیفیتے کہ نگارش یافتہ بود بہ وضوح انجامید' از سبب گرفت و گیر خطوط استفسار شدہ بودہ' بر خاطر دریا مقاطر پوشیدہ نماند کہ ازیں مرید در ابتدائے حال و آغاز وقوع مراتبے کہ بتقدیر ایزد متعال رو دادہ بہ اعتقاد آں کہ چوں آنحضرت عقل کل اند و اکثر اوقات گرامی در تجارب پست و بلند روزگار گذشتہ' شاید ظہور ایں امور از قضا و قدر دانستہ در شکست کار این مرید رونق بازار دیگراں کہ اراوت اور بداں تعلق نہ گرفت' کوشش نہ فرمائند سلوک رابہ نہجے مستحسن قرار دادہ بود دمی خواست کہ بعد رفع شورش دراسترضائی خاطر والاکرام اہتمام بہ میان جان بستہ بدان وسیلہ سعادت دارین حاصل کند دہرچہ می شبیند کہ موجب ارتفاع غبار فساد و برہم خوردگی مہمات عباد بہ تحریک آں حضرت است و براوداں بفرمودہ اقدس دست و پای زنند وجا نے می کنند' گوش بسخناں مردم نینداختہ' اندیشہ انحراف از شاہراہ عقیدت نمی نمود لیکن ازاں جاکہ اخبار بے توجہی حضرت بہ تواتر رسیدہ چنانچہ از نوشتہ کہ بخط ہندوی بہ شجاع قلمی گردیدہ بود و خان دمان او برسر آن خراب گشتہ' ہویداست لیقین حاصل شد کہ آں حضرت ایں مرید رانمی خواہند و آں کہ از دست رفتہ ہنوز تلاش دراند کہ دیگر استقلال پذیرد وسعی و تردد ایں فدوی کہ مصروف براجرای

احکام دین متعین و انتظام مہمات مملکت است ضائع شودوبہ ہیچ
طریق ازیں فکر باز نشدہ دریں کار مصرانہ' ناگزیر بہ مراعات لوازم
حزم و احتیاط پرداختہ واز حدوث مفسدہ ہائے ممتنع التدارک اندیشہ
مند گشتہ آنچہ بخاطر داشت نتوانست از قوت بہ فعل آورد وبر
صدق ایں دعویٰ خدائے توانا شاہد است' انشاء اللہ تعالیٰ بعد ازاں
کہ کارمعانداں بہ یکے ازیں دو وجہ ساختہ شود چرا ایں ہمہ عبث
احتیاط زاید نمود' درباب آبدار خانہ قلمی' نمودہ بودند' آب خاص و
غسل خانہ دریں وقت کہ آن حضرت پیوستہ در محل می باشند چہ
درکار است و مہر بر کارخانہ ملبوس نمودن از رہ گذر تصدق شدن
خواجہ معموری شد' الحال کہ دیگر بدیں عہدہ مامور گردید پوشاک
مبارک بدستور سابق بے تعطل خواہد رسید۔

داراشکوہ کا قتل

موافق اور مخالف دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ داراشکوہ اپنی بدتدبیری خود رائی کج طبعی کی وجہ سے اس قابل نہ تھا کہ تیمور کے تخت (68) کا مالک ہوتا' اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ بھائیوں کی جنگ میں ابتدا اس کی طرف سے ہوئی اور عالمگیر و مراد و شجاع کو مجبوراً" اس کے حملوں کو روکنا پڑا' یہ بھی کچھ الزام کی بات نہیں کہ داراشکوہ گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا' لیکن اعتراض یہ ہے کہ یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ کسی محفوظ مقام میں نظربند رکھا جاتا' وہ کتنا ہی برا سہی لیکن بھائی تھا' اگر عالمگیر اس کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرتا تو اخلاقی مرقع میں اس کی تصویر اس قدر نفرت انگیز نہ ہوتی۔

بے شبہ یہ اعتراض بہ ظاہر نہایت قوی ہے لیکن تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیان سلطنت قید اور نظربند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے' اس کے ساتھ ان کے طرفداروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے

اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھتا جب تک نخل آرزو کے تمام رگ و ریشے کٹ نہ جائیں' تم نے تمام تاریخوں میں پڑھا ہو گا کہ داراشکوہ جب دلی میں گرفتار ہو کر آیا ہے اور بازار میں اسی حالت سے نکلا ہے تو تمام شہر میں ہنگامہ برپا تھا زن و مرد دھاڑیں مار مار کر روتے تھے' بالا خانوں سے سرکاری آدمیوں پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے تھے۔ ملک جیون پر جس نے دارا کو گرفتار کیا تھا گالیوں کا مینہ برس رہا تھا۔ ظاہر بین خیال کرتے ہیں کہ یہ داراشکوہ کی ہردلعزیزی کا اثر تھا اور اس لئے اس کا مالک تاج و تخت ہونا زیادہ موزوں تھا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایک فتنہ گر کا شعبدہ تھا۔ خافی خاں لکھتا ہے۔

روز دیگر کہ کوتوال بموجب حکم درپے تحقیق بانی آں فساد
پرداخت ظاہر شد کہ ہیبت نام احدے پیش قدم ایں جرات گشتہ
مادہ فساد و آشوب تمام شہر گردیدہ بود۔ (69)

بے شبہ لوگوں کو خود بھی رقت ہوئی ہو گی۔ لیکن یہ ملکی ہردلعزیزی کا ثبوت نہیں ہے داراشکوہ جس شان و شوکت کا شہزادہ تھا' جس کروفر سے اس کی سواری شہر میں لوگوں نے نکلتے دیکھی تھی جس طرح وہ روپے برساتا ہوا بازار سے گذرا کرتا تھا' اس کے مقابلے میں جب لوگوں نے اس کو شکستہ حال پابزنجیر بے کس و بے یار' بازار سے گذرتے دیکھا ہو گا۔ تو کس کے دل سے آہ نہ نکل گئی ہو گی اس وقت اس فیصلہ کرنے کا کیا وقت تھا کہ وہ تخت شاہی کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ ایسی حالتوں میں تو دشمن کے لئے بھی آنسو نکل آتے ہیں۔ اور داراشکوہ تو پھر بھی صاحب قراں ثانی کا شہزادہ اعظم تھا۔

یہ قطعی ہے کہ داراشکوہ جب تک زندہ رہتا سازشیں برپا رہتیں اور ملک کو امن و امان نصیب نہ ہوتا۔ اس لئے عالمگیر کو وہی کرنا پڑا جو خود اس کے باپ شاہجہان سے اس کو ترکہ میں ملا تھا۔ شاہجہان نے اپنے بھائیوں (داور بخش و شہریار) اور حقیقی بھتیجوں (ہوشنگ وغیرہ) کو قتل کرا دیا تھا' عالمگیر کو بھی اس قسم کی بھینٹ چڑھانے کا حق تھا۔

ایں گناہے است کہ در شہر شما نیز کنند

مراد کا واقعہ

یہ مسئلہ شاہجہان کی قید اور دارا کے قتل سے بھی زیادہ مشکل ہے شاہجہان اور داراشکوہ دونوں عالمگیر کے صریح مخالف تھے لیکن مراد عالمگیر کا دست و بازو تھا۔ جسونت سنگھ کے معرکے میں اسی کی پامردی اور اندھا دھند جانبازی نے داراشکوہ کی فتح کا پانسہ الٹ دیا تھا۔ وہ ابتدا سے عالمگیر کا ہوا خواہ اور اطاعت گذار تھا اور جو کچھ کرتا تھا عالمگیر کے تیور دیکھ کر کرتا تھا۔ ایسے جانباز اور مطیع دوست کو عالمگیر کے ہاتھ سے یہ صلہ ملا کہ قید ہوا اور پھر قید زندگی سے آزاد ہو گیا۔

لیکن اس مسئلہ نے اس وجہ سے یہ صورت اختیار کی ہے کہ مورخوں نے پورا واقعہ بیان نہیں کیا۔ عالمگیر نامہ اور ماثر عالمگیری کے مصنف تو اس قسم کے واقعات کے اسباب و علل سے مطلق بحث نہیں کرتے اس لئے ان سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن خافی خاں جو ان مصنفوں پر ترجیح حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے ماخذوں سے اور بالخصوص عاقل خاں کی تصنیف سے حالات بہم پہنچاتا ہے جب اس واقعہ کو لکھتا ہے تو صرف یہ لکھ کر رہ جاتا ہے۔

> اول روز محمد مراد بخش را بہ حسن تدبیر کہ تقدیر براں موافقت نمود
> کہ بذکر تفصیل آن نمی پرداز و دستگیر ساختہ زنجیر بہ پا انداختہ۔ الخ
> (جلد دوم صفحہ 238)

خافی خاں اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرتا۔ لیکن کیوں؟ کیا عالمگیر پر احسان ہے کہ وہ زیادہ بدنام نہ ہونے پائے۔ لیکن شاہ جہان کی گرفتاری کا واقعہ تو اس سے بھی زیادہ بدنام کن تھا۔ اس کو خافی خاں نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے۔

> اگرچہ مولفان عہد نویس ہرسہ عالمگیر نامہ منزوی ساختن اعلی
> حضرت را موافق مرضی مبارک مجمل بہ زبان قلم دادہ اندا ما عاقل
> خاں خافی در واقعات عالمگیری تالیف خود بہ شرح و بسط ذکر کردہ

خلاصہ کلام آنکہ۔ الخ (صفحہ 32)

اسی عاقل خاں نے مراد کی گرفتاری کو بھی تفصیل سے لکھا تھا۔ اس کو خافی خاں کیوں قلم انداز کرتے ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ مراد گو نہایت دلیر بہادر اور جانباز تھا۔ لیکن اس کے ساتھ نہایت سادہ لوح اور نہایت آسانی سے لوگوں کے دم میں آ جاتا تھا۔ داراشکوہ پر جب اس کو فتح حاصل ہو چکی تھی تو اس کو لوگوں کے بہکانے سے یہ خیال آیا کہ یہ معرکے میں نے سر کئے ہیں۔ میں ہی تنہا تخت سلطنت کا حق دار ہوں اس خیال سے اس نے عالمگیر سے علیحدگی اختیار کی۔ اور عالمگیر کے بڑے بڑے امرا کو بھاری تنخواہوں اور انعاموں کی طمع دلا کر توڑنا شروع کیا۔ چنانچہ بیس ہزار فوج اس کی رکاب میں جمع ہو گئی اور روز بروز عالمگیر کی فوج گھٹتی جاتی تھی۔ مجبوراً عالمگیر کو اس کا بندوبست کرنا پڑا۔ عاقل خاں لکھتا ہے۔

> دریں منزل بہ عرض بار یافتگاں محفل والا رسید کہ سلطان مراد بخش از اکبر آباد کوچ نہ کردہ امیرالامراء وغیرہ ملازمت آنجناب (مراد بخش) اختیار کردہ درسلک ملازمانش انتظام یا فتندوچوں مواجب و مناصب دہ بیست ودہ پانزدہ مقرر کردہ جمعیتے کہ بداں جناب رجوع می آرند رعایت کلی می فرمائند قریب بست ہزار سوار در ظل رائیتش فراہم آمدہ روز بروز مردم ظاہر بین صورت پرست کہ از سر منزل معنی و حقیقت چندیں مرحلہ دور افتادہ اند بواسطہ طمع منصب و چشم رعایت از اردوئے معلٰی (یعنی از فوج عالمگیر) جدا شدہ بہ آنجناب (مراد بخش) می پیوندند و جمعیت سپاہش آناً فاناً سمت ازدیار مے پذیرد۔ (70)

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے مراد بخش کو قابو میں لانا پڑا لیکن انصاف یہ ہے کہ عاقل خاں کی تحریر کے موافق جس طرح مراد گرفتار کیا گیا یعنی عالمگیر نے اس کو درد شکم کے بہانے سے بلایا اور قیلولہ کرنے کے لئے جب وہ خوابگاہ راحت میں گیا تو ایک

لونڈی بھیج کر اس کے ہتھیار منگوا لئے پھر شیخ میرو وغیرہ کو بھیج کر اس کو گرفتار کرا لیا یہ ایک ایسا کام ہے جو پولٹیکل قانون کے رو سے گو جائز ہو اور گو مراد سے علانیہ جنگ کرنے میں ہزاروں کا خون ہوتا لیکن اگر عالمگیر اور خونریزیوں کی طرح اس کو بھی گوارا کرتا اور مراد پر تدبیر سے نہیں بلکہ شمشیر سے قابو پاتا تو ہم اس کی مردانہ روش کی زیادہ داد دیتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ عالمگیر نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خلیفہ منصور عباسی ہے جس نے ابو مسلم اصفہانی بانی دولت عباسیہ کو دھوکے سے بلا کر قتل کرا دیا تھا۔ زیادہ مدح کا مستحق ہے۔

یورپین مورخوں کی غلط بیانیاں

یورپین مورخوں نے ان تمام واقعات کے متعلق جو غلط بیانیاں اور فریب کاریاں کی ہیں ان سب کو اگر کوئی لکھنا چاہے تو ایک مستقل کتاب لکھنی ہو گی۔ میں نے ابتدائے بحث سے اس وقت تک قصداً" ان کو نظر انداز کر رکھا تھا کہ ان میں الجھ کر کہیں رہ نہ جاؤں۔ لیکن اب جبکہ میں ضبط نفس کر کے بحث کے خاتمہ پر آ گیا ہوں تو نہایت اجمال کے ساتھ اس مسئلہ پر اس غرض سے کچھ لکھنا ضرور ہے کہ یورپین مورخوں کی غلط کاری۔ ناواقفیت فریب بازی اور دانستہ تحریف کا اندازہ ہو سکے۔ شاہجہان داراشکوہ۔ مراد۔ ہر ایک کے واقعہ کے متعلق ان مورخوں کا یکساں طرز عمل ہے لیکن میں اختصار کی غرض سے صرف مراد کے واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

1- تمام یورپین مورخین لکھتے ہیں کہ شاہ جہان کے مقابلے میں بغاوت اور داراشکوہ سے لڑنے پر مراد کو عالمگیر نے ابھارا اور مختلف فریبوں سے اس کو اس پر آمادہ کیا۔ لیکن علاوہ تاریخی کتابوں کے مراد کے خطوط موجود ہیں جن سے صراحتہ" ہر جگہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اور بار بار مراد کو روکتا تھا۔ ایک خط میں جو 23- صفر یعنی شاہجہان کی بیماری سے دو مہینے بعد مراد نے عالمگیر کو لکھا ہے۔ تمام واقعات کی اطلاع دے کر اور عالمگیر سے شریک جنگ ہونے کی درخواست کر کے لکھتا ہے۔

اگر آں صاحبان مہربان نیز ازاں طرف متوجہ شود بہتر۔ والا مخلص۔ ہیچ وجہ دریں باب توقف بخود قرار نمی تواند داد۔

جب عالمگیر نے ان خطوط کے جواب میں لکھا ہے کہ ابھی حضور اقدس زندہ ہیں اور ہم لوگوں کو جگہ سے حرکت نہ کرنی چاہئے اور آپ نے بندر سورت پر چڑھائی نہ کی ہوتی تو بہتر ہوتا تو مراد نے متعدد خطوں میں عالمگیر کو آگرہ کی طرف بڑھنے پر ابھارا ہے۔ ایک خط میں جو 10 ربیع الاول کا لکھا ہوا ہے لکھتا ہے۔

آنچہ از تقریر و تحریر گرامی مفہوم شدہ کہ در وقوع آں واقعہ (وفات شاہجہان) تردد دارند بہ خود معقول نمی تواند کرد۔ بہرحال چوں ہرچہ بعد از تیقن ایں معنی بایستے کرد بہ عمل آمدہ برگشتن ازاں امکان ندارد۔

پھر ایک اور خط میں لکھتا ہے۔

آنچہ اندراج یافتہ کہ چوں تاحال خبر وقوع قضیہ ناگزیر (یعنی وفات شاہجہان) بما نرسیدہ بلکہ آثار صحت ظاہر شود۔ از جائے خود حرکت کردن و بہ اظہار بعضے مراتب پرداختن مناسب نمی نماید۔ اگر آں برادر نیز بعد از تحقیق اخبار افواج بہ سورت می فرستادند و دریں کار تعجیل نمی رفت بہتر می بود (یہاں تک عالمگیر کا قول نقل کیا ہے) در واقع نظر بہ نوشتہ جات وکیل چنیں بایستے کرد کہ مرقوم فرمودہ اند اما دریں ایام برایں اعتماد نیست کہ از تقاریر جاسوساں معتمد بہ یقیں پیوستہ کہ در اوسط شہر ذیحجہ حضرت را ہنگام موعود رسید و وکلائے ما برادراں بہ معنی نظر بنداند ..... بہرہر دو تقدیر۔ انتظار خبر بردن۔ وقت و قابورا از دست دادن و بہ گفتگوئے ارباب عناد بازی خوردن وا اطاعت او کہ اصلا طبیعت برنمی تابد کردن است۔

اسی خط کے اخیر میں لکھتا ہے۔

مخلص ایں ہمہ مقدمات آنکہ قرار و مدار کار خود را بر محاربہ جنگ گذاشتہ ہمہ جا مستعد و آمادہ کار زار است و سوائے ایں فکرے دگر ندارد و پیرامون خاطر نے گردد اگر انتظار آں صاحب والا قدر مانع نمی بود تاحال خود را بہ آں نواحی می رسانید۔

اس پر بھی عالمگیر مراد کو بار بار روکتا ہے اور مراد بڑھنے کے لئے بیقراری ظاہر کرتا ہے چنانچہ ایک خط میں لکھتا ہے۔

مخلص را سوائے اجازت آں صاحب مہربان۔ مانعے نیست۔

اس کے بعد جب مراد نے سورت کا قلعہ فتح کر لیا ہے تو 18- ربیع الثانی کو عالمگیر کو ایک خط میں لکھتا ہے۔

"لشکرے کہ مشغول آنجار (یعنی سورت) بود دریں زودی بہ حضور می رسد۔ منتظر اشارہ و اجازت آں صاحب مہربان است۔"

اسی زمانے میں یعنی 14- ربیع الثانی کو ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے۔

چوں آں صاحب والا قدر دریں وادی متردد خاطر بودہ درکار ہای ضروری آں وقت را بوقوف بہ تشخیص خبری دارند۔ ہرچند روز مے گذرد۔ مخالف (یعنی داراشکوہ) قوت و استقلال دیگر مے گیرد..... ایں قدر یقین حاصل است کہ حضرت اعلیٰ (شاہجہان) مطلق اقتیارے نماندہ است و آنحضرت را ملحد (داراشکوہ) البتہ بہ صید خویش در آوردہ است کہ افواج بر سر بھائی شجاع رفتہ و درپے برہم زدن ملاہا است۔ بہ محض بہر نہجیے کہ روے دہد آں ملحد را از میاں برداشتہ حضرت اعلیٰ را از دست اوبر می آریم بہرحال عازم مقصد شدن اولیٰ ست۔ اگر ایں طرز پسند خاطر افتد۔ صاحب و قبلہ بھائی جیو (یعنی شجاع) راہمدریں باب متفق ساختہ دریک ساعت ویک وقت از جا ہائے خود روانہ مطلب می باید شد۔

اس قسم کے اور بہت سے خطوط ہیں جن سے علانیہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر بار بار روکتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور اقدس کی زندگی تک ہم لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر رہنا چاہئے لیکن مراد کبھی تو یہ کہتا ہے کہ درحقیقت حضرت اقدس رحلت کر گئے۔ کبھی لکھتا ہے کہ حضور اگر زندہ بھی ہیں تو داراشکوہ کے قابو میں ہیں۔ کبھی لکھتا ہے کہ اب جو ارادہ کر لیا۔ اب آپ بھی ساتھ دیجئے تو دیجئے ورنہ بندہ تنہا روانہ ہوتا ہے۔

انصاف کرو' ان تصریحات کے بعد یورپین مورخوں یا خافی خاں کا یہ بیان کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے کہ عالمگیر نے مراد کو دم دلاسے دے کر اپنی شرکت پر آمادہ کیا۔

2- یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے مراد سے معاہدہ کیا تھا کہ سلطنت آپ کو ملے گی۔ میں داراشکوہ کے استیصال کے بعد حج کو چلا جاؤں گا۔ برنیر صاحب لکھتے ہیں کہ اسی بنا پر عالمگیر ہمیشہ مراد کو "حضرت" کے لفظ سے خطاب کیا کرتا تھا' خافی خاں کے طرز تحریر سے بھی پایا جاتا ہے کہ مراد کو سلطنت کی امید دلائی گئی تھی۔ لیکن یہ ایک نہایت تاریخی غلطی ہے۔ بے شبہ تینوں بھائیوں میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ لیکن خافی خاں اور یورپین مورخوں نے اس کی تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ معاہدہ کیا تھا۔ مرزا مراد نے اپنے خطوط میں جو عالمگیر اور شجاع کو لکھے ہیں جابجا اس کا اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ داراشکوہ جب ہم میں کسی ایک پر چڑھائی کرے تو اور بھائی بھی اعانت میں شریک ہوں چنانچہ ایک خط میں لکھتا ہے۔

"از معہودات فیما بین آن است کہ ہرگاہ ملحد (71) (داراشکوہ) بہ یکے از برادراں بہ پیچد دیگراں امداد بکنند۔"

اس کے سوا یہ بھی معاہدے میں داخل تھا کہ فتح کے بعد ایک ثلث مال غنیمت اور کابل و پنجاب و کشمیر کے علاقے مراد کو دے جائیں عاقل خاں واقعات عالمگیری میں لکھتا ہے۔

قرار یافت کہ ثلث از غنائم نصیبہ سلطان (یعنی مراد) و ثلثان بہ سرکار فیض آثار (یعنی عالمگیر) عائد گرد و بعد تسخیر کل قلمرو حضرت صاحبقران و فتح ممالک محروسہ ہندوستان ولایت پنجاب و

ملتان و کشمیر و کابل بہ جناب سلطانی تعلق گیرد و آں جناب (یعنی مراد) در ولایت مذکورہ علم سلطنت برافرازد و آں سعی سروکوش فرماں روائی بنوازد و خطبہ و سکہ بنام خود بسازد۔ (72)

چنانچہ داراشکوہ کی شکست کے بعد جب مراد نے عالمگیر سے ناراضی اور علیحدگی ظاہر کی تو عالمگیر نے اسی معاہدے کی بنا پر بیس لاکھ روپے نقد بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ داراشکوہ کے قصہ فیصل ہونے کے بعد کابل اور پنجاب و کشمیر بھی حوالہ کیا جائے گا۔ عاقل خاں لکھتا ہے۔

لا جرم آن حضرت (عالمگیر) مبلغ بست لکھ روپیہ نقد بہ واسطہ او ارسال داشتہ پیغام کرد کہ بالفعل ایں مبلغ را بہ ضرورت خاصہ خود و سپاہ صرف نمائند بموجبی کہ برآں براور والا تبار مقرر کردہ شد کہ ثلثی از غنائم بہ سرکار ایشاں عاید گردد و تتمہ نیز خواہد رسید انشاء اللہ تعالیٰ بعد از تمام پذیر فتن مہم داراشکوہ ولایت پنجاب و کابل و کشمیر بہ آں مسند آرائے سلطنت و جہانداری ارزانی خواہد شد۔

(73)

ان واقعات کے مقابلے میں ڈاکٹر برنیر صاحب اور دیگر یورپین مورخوں کا یہ بیان کہ عالمگیر نے مراد کو اس بھرے پر چڑھایا کہ ہندوستان کی سلطنت کے صرف آپ مستحق ہیں اور میں آپ کو سلطنت دلا کر گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ کس قدر صریح افترا اور بہتان ہے' ڈاکٹر برنیر نے اس مضمون کو بار بار بڑے زور سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو برابر شاہ ہندوستان کہہ کر گفتگو کرتا رہا۔ اور خلیل اللہ سے کہا کہ صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لائق ہیں۔ (صفحہ 104)

ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ عالمگیر نے مراد کو ایک خط لکھا جس کے جستہ جستہ فقرے یہ ہیں۔

"بھائی تم کو اس بات کے یاد دلانے کے لئے کچھ حاجت نہیں کہ امور سلطنت کی محنت اٹھانی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے' اور اگرچہ سلطنت کے حق حقوق اور دعووں سے میں بالکل دست بردار ہوں' یہی نہیں کہ داراشکوہ فرمانروائی کے اوصاف سے خالی ہے بلکہ لا مذہب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لائق نہیں' پس اس صورت میں اس عظیم الشان ملک کی فرمانروائی کے لائق صرف آپ ہی ہیں' اور میری بابت تو آپ یہ تصور کر لیجئے کہ اگر آپ کی طرف سے موثق اور مستحکم طور پر مجھے یہ وعدہ مل جائے گا کہ جب بفضل خدا آپ بادشاہ ہو جائیں گے تو مجھ کو اپنی قلمرو میں کوئی گوشہ عافیت بہ اطمینان خاطر عبادت الہٰی بجا لانے کو فرما دیجئے گا۔ پس ایک لحہ بھی ضائع نہ کیجئے اور موقع کو غنیمت سمجھئے اور جلدی سے سورت کے قلعہ پر قبضہ کر لیجئے۔"

"انصاف کرو ڈاکٹر صاحب کے یہ بیانات کس قدر صحیح ہیں' اور خصوصاً یہ بیان کہ آپ فوراً" سورت پر قبضہ کر لیجئے اور دیر نہ لگائیے۔" کس قدر سچ ہے مراد کے خطوط میں خود تصریح ہے کہ عالمگیر مہینوں مراد کو نقل و حرکت سے روکتا رہا بالخصوص قلعہ سورت پر اس کی پیش قدمی کی نسبت صاف لکھا کہ نامناسب تھی' ڈاکٹر برنیر صاحب الٹا عالمگیر کو مراد کی پیش دستی کا محرک بتاتے ہیں۔ ہم کو مراد اور ڈاکٹر برنیر صاحب میں سے کس پر اعتبار کرنا چاہئے۔

3۔ تمام یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے شراب پلوا کر مراد کو گرفتار کیا۔ لیکن ڈاکٹر برنیر صاحب کے سوا کسی مورخ نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ طرہ یہ ہے کہ الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں۔

اگرچہ برنیر صاحب بھی اسی زمانے کے قریب تھے اور وہ عمدہ

لکھنے والے ہیں۔ مگر تقریری اور تحریری واقفیت ان کی محدود ہو
گی اور ہندوستانیوں پر رائے لگانے کے ذریعے ان کے پاس کچھ
تھوڑے موجود ہوں گے۔ علاوہ اس کے ان کے بیان میں ایسی
ایسی حکایتیں مذکور ہیں جو لوگوں کی بناوٹیں معلوم ہوتی ہیں۔
(صفحہ 999 مطبوعہ علی گڑھ)

الفنسٹن صاحب نے برنیر صاحب کے متعلق نہایت محققانہ رائے دی ہے۔
لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کے نزدیک برنیر کا بیان وہیں تک ناقابل اعتبار ہے جہاں تک
عالمگیر کے موافق ہے۔ ورنہ عالمگیر کی مخالفت میں اس کا ایک ایک حرف وحی ہے۔ اور
نہ صرف الفنسٹن صاحب بلکہ تمام یورپین مورخین اس کو صحیفہ آسمانی سمجھتے ہیں۔

عالمگیر کے الزامات کی تمام روداد اب تمہارے سامنے ہے' غور سے پڑھو اور بار
بار پڑھو اور ایک ایک واقعہ کو جانچو اور پھر دیکھو کہ مخالف مورخوں نے عالمگیر کے برا
ثابت کرنے کے لئے کیا کیا غلط بیانیاں کی ہیں۔ کس کس طرح واقعات کو بدلا ہے۔ کیا
کیا غلط نتائج قائم کئے ہیں۔ کن کن پرفریب طریقوں سے کام لیا ہے۔ عالمگیر کیا۔ اگر
یہ کوششیں نوشیرواں کے متعلق صرف کی جاتیں تو وہ بھی شیطان بن جاتا۔

عبرت

عالمگیر کے دوستوں میں ایک صاحب لین پول ہیں۔ انہوں نے عالمگیر کے حالات
میں ایک کتاب لکھی ہے اور اپنی دانست میں عالمگیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور
عالمگیر کو قابل قدح ثابت کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالمگیر کی
ہر قسم کی برائیاں یعنی داراشکوہ وغیرہ کا قتل۔ ہندو ریاستوں سے بگاڑ کر کے بنیاد سلطنت
کو متزلزل کر دینا۔ بت خانوں کا توڑنا۔ ہندوؤں کو ملازمت سے موقوف کرنا دکن کی
اسلامی سلطنتوں کو برباد کرنا۔ مرہٹوں کے پیچھے فوج ملک اور سلطنت کو غارت کرنا۔ وغیرہ
وغیرہ ثابت کی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ عالمگیر چونکہ ایک نہایت دیندار پکا راسخ مسلمان
تھا۔ اس لئے فرائض مذہبی کے لحاظ سے ایسا کرنا اس کا فرض مذہبی تھا۔ چنانچہ منجملہ

اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

مغلوں کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا بادشاہ ہے جو پکا مسلمان تھا' جو ممنوعات سے خود پرہیز کرتا تھا اور دوسروں کو جو اس کے گرد تھے باز رکھتا تھا۔ وہ ایسا بادشاہ ہوا جس نے محض مذہب کی بدولت اپنے تخت کو معرض خطر میں ڈال دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میل جول سب سے زیادہ محفوظ طریقہ تھا جو مختلف قوموں اور متناقص مذاہب کی بنی ہوئی سلطنت کے قائم رکھنے میں اختیار کیا جا سکتا تھا۔ وہ ضرور اس پرخطر راستہ سے واقف ہو گا جس پر وہ گام فرسائی کر رہا تھا اور خوب جانتا ہو گا کہ ہندوؤں کی ہر ایک خیال سے علیحدگی کرنا۔ اور ایرانی متوسلوں کو جو اس کی فوج اور اس کے دربار میں بڑے بڑے سردار تھے علانیہ مخالفت کر کے دشمن بنانا۔ گویا انقلاب کو خود بلانا تھا۔ تاہم اس نے یہی راستہ اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پچاس برس کی عدیم المثال فرمانروائی میں اسی پر چلا گیا۔ یہ جملہ کاروائیاں اورنگ زیب نے کسی گہری حکمت عملی کی وجہ سے نہ کی تھیں بلکہ ان کو وہ قطعی حق سمجھتا تھا۔ (ترجمہ لین پول صفحہ 63 و 64)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ناکامی ہوئی تو لیکن یہ ناکامی بڑی رفیع الشان ناکامی تھی۔ دنیا کا راستہ اس نے اپنی قوت ایمانیہ پر بند کر دیا تھا۔ اس نے اپنے ادائے فرض کا راستہ منتخب کر لیا تھا اور باوجودیکہ وہ قطعی غیرناممکن العمل تھا لیکن پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چلا گیا۔ اگر اورنگ زیب ایک دنیا دار شخص ہونے کے قابل ہوتا تو اس کا راستہ فرش گل سے ڈھکا

ہوتا۔ لیکن اس کی شان و کامرانی تو اسی میں ہے کہ اس نے اپنی
روح کو مجبور نہیں کیا اور علم عقاید کو پیٹھ دکھانے کی جراۃ نہ کی
ہندوستان کا دیندار اعظم ایسے مادہ کا شخص تھا کہ اس نے تاج
شہدا جیت لیا۔ (صفحہ 201)

لین پول صاحب کی یہ مہربانی چنداں قابل تعجب نہیں' وہ یورپین مورخ ہیں اور ان کو یہی کرنا چاہیے تھا لیکن عبرت کا یہ مقام ہے کہ جدید تعلیم یافتہ گروہ لین پول صاحب کی کتاب کو عالمگیر کی حمایت خیال کرتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور قوم کے ایک بڑے مشہور اور معزز بزرگ کے نام معنون کیا کہ یہ ایک اسلامی خدمت ہے!

زنا دانی براو کرد ہمدم کارمن ضائع
عجب تراین کہ برمن منت بسیار ہم دارد

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

ایک طول طویل افسانہ جو مدت میں جا کر ختم ہوا' اس کا حاصل صرف اس قدر نکلا کہ عالمگیر اتنا برا نہ تھا۔ جتنا اس کے مخالف اس کو بتاتے ہیں لیکن کیا عالمگیر کی قسمت میں اسی قدر ہے کیا اس کو اسی پر قناعت کرنی چاہیئے کہ تحسین نہ سہی۔ نفرین سے بچ جائے۔

ہم کو مخالف مورخوں کی اس حق گوئی کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے گو عالمگیر کے معائب جی لگا کر لکھے لیکن محاسن کے اظہار میں بھی کچھ کمی نہیں کی۔ یہ البتہ ہے کہ معائب کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ خوبیوں کی بھنک بھی کانوں میں نہ آ سکی لیکن اب جب کہ الزامات کا تیرہ و تاریک مطلع کسی قدر صاف ہو گیا ہے عالمگیر کی حقیقی خوبیوں کے پیش نظر کرنے کا موقع ہے۔

ملکی اصلاحات اور انتظامات

تیمور اپنے جانشینوں کے کارنامے میں ہمیشہ ملکی فتوحات اور وسعت حدود ڈھونڈھے

گا۔ عالمگیر اس امتحان میں پورا اتر سکتا ہے وہ آسام اور تبت کو مسخر کر چکا ہے۔ دکن کی دو سلطنتیں حدود حکومت میں شامل ہو گئی ہیں' مختصر یہ کہ اس کے عہد میں تیموری حکومت کے حدود جس قدر وسیع ہوئے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ہم کو عالمگیر کی تاریخ حکومت میں تیمور کے مذاق کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ چنگیز خاں نے بھی ملک فتح کیے تھے۔ سکندر بھی بہت بڑا کشورستان تھا۔ لیکن ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ملکی انتظامات اور اصلاحات میں عالمگیر نے کیا کیا ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ تمام سلاطین کے زمانے میں مالگذاری کے علاوہ بیسیوں ناجائز ٹیکس اور محصول جاری تھے جن کی مجموعی تعداد۔ مالگذاری کے برابر پہنچ جاتی تھی مثلاً چنگی پاندری امکان کا ٹیکس سر شماری۔ برشماری۔ برگدی۔ طوغانہ۔ جرمانہ۔ شکرانہ وغیرہ وغیرہ ان محصولوں کی تعداد اسی تک پہنچی تھی اور ان کی آمدنی جیسا کہ خافی خاں نے لکھا ہے کروڑوں سے زیادہ تھی عالمگیر نے یہ تمام محاصل یک قلم موقوف کر دیے۔

2۔ اکبر کے زمانے میں مالگذاری اور خراج کا جو دستور العمل مرتب ہوا تھا۔ اس کی پھر تجدید اور ترمیم کبھی نہیں ہوئی عالمگیر نے اپنے زمانے میں ترمیم و اصلاح کر کے ایک جدید دستور العمل تیار کیا چنانچہ ہمارے ایک بنگالی دوست جادو ناتھ سرکار پروفیسر پٹنہ کالج نے اس کو مع انگریزی ترجمہ کے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے جنرل میں چھاپا ہے ہم تطویل کے لحاظ سے اس کو نقل نہیں کر سکتے۔ اس موقع پر یہ ظاہر کرنا مناسب ہو گا کہ عالمگیر کے زمانے میں محاصل سلطنت اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اکبر اعظم کے عہد سے اس وقت تک کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم عہد بہ عہد کی تفصیل لکھتے ہیں۔ (74)

اکبر	شاہ جہان	عالمگیر
ایک کروڑ	دو کروڑ ستائیس لاکھ	چار کروڑ پونڈ
نوے لاکھ پونڈ	پچاس ہزار پونڈ	یعنی ساٹھ کروڑ روپیہ

عالمگیر کے حدود حکومت میں جو اضافہ ہوا تھا وہ حیدر آباد۔ بیجاپور۔ آسام۔ چاٹگام اور تبت تھا لیکن ان تمام ممالک کی آمدنی دس بارہ کروڑ سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی باقی جو اضافہ ہے وہ بندوبست کی خوبی اور ملک کی آبادی کی طرف منسوب کیا جا سکتا

ہے۔

3- عالمگیر کے زمانے تک یہ عام قاعدہ تھا کہ جب کوئی عہدہ دار سلطنت مر جاتا تھا۔ تو اس کی تمام جائداد اور اسباب ضبط ہو کر شاہی خزانے میں داخل ہو جاتا تھا۔ اگرچہ یہ قاعدہ جیسا آج ظالمانہ نظر آتا ہے اس زمانے میں نہ تھا۔ اور در حقیقت بعض خاص مصالح پر مبنی تھا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ طریقہ بہت سی برائیوں اور بے رحمیوں کا سرچشمہ بن گیا تھا۔ عالمگیر نے اس قاعدے کو سرے سے موقوف کر دیا۔ ماثر عالمگیری میں ہے۔ (صفحہ 531)

واگذاشت متروکات امرائے عظام کہ مطالبہ دار سرکار معلٰی بنا شند از اعقاب آنہا۔ کہ متصدیان بادشاہی در ایام سلاطین سابق بہ فراوان احتیاط ضبط مے نمودند و ایں معنی سبب آزار ماتم زدگان و اقربا و حیران می شد۔ عفو فرمودہ بودند۔

خافی خاں اور لین پول بھی اصل واقعہ سے انکار نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل کم ہوتی تھی کیونکہ عالمگیر کے امرا اس کے احکام کی پوری تعمیل نہیں کرتے تھے۔ اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔

4- سب سے بڑا کام جس سے شاید دنیائے اسلام کی تاریخ خالی ہے یہ ہے کہ بادشاہ وقت کے مقابلے میں اگر کوئی شخص داد رسی چاہے تو نہ اس کی مجال تھی نہ اس کا کوئی قاعدہ مقرر تھا۔ عالمگیر نے 1082ء میں یہ فرمان نافذ کیا کہ تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کئے جائیں اور عام منادی کرا دی جائے کہ جس کسی کو بادشاہ پر کوئی دعویٰ ہو پیش کرے اور سرکاری وکیل اس کی جواب دہی کرے اور اس کا حق ثابت ہو تو سرکاری وکیل سے اپنا مطالبہ وصول کرے۔ خافی خاں لکھتا ہے۔ (صفحہ 249)

دریں سال ازراہ پرستی و عدالت گستری حکم فرمودند کہ در حضور شہرہا منادی نمائند کہ ہر کہ بر ذمہ بادشاہ طلب و دعوی شرعی داشتہ باشد حاضر گشتہ بہ وکیل بادشاہی رجوع نماید۔ بعد اثبات حق خود رابستاند۔ و فرمودند کہ وکیل شرعی از طرف آں بادشاہ دادگر

برائے جواب خلق اللہ کہ دسترس برسیدن حضور نہ داشتہ باشند در حضور و بلاد دور و نزدیک مقرر نمایند دور ہلہ صوبجات وکیل شرعی تعین گردیدند۔

5- ملک اور رعایا کی حالت دریافت کرنے کے لئے پرچہ نویسی اور واقعہ نگاری کے محکمے کو نہایت وسعت دی اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ یہ محکمہ خطرے سے خالی نہیں۔ اگرچہ پرچہ نویس خود غرض اور راشی ہوں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز ملک کے برباد کرنے والی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ اگر ہے تو یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو خلفا اور سلاطین مثلاً عمر فاروقؓ' ماموں الرشید' ناصر الدین اللہ عدل اور انصاف کے نمونے تھے سب نے یہ محکمہ قائم کیا تھا۔ اور اس کو نہایت وسعت دی تھی۔ البتہ بڑی احتیاط سے اس کے متعلق کام لیتے تھے۔ عالمگیر بھی نہایت احتیاط برتتا تھا اور اس کے خطرات سے بخوبی واقف تھا۔ ایک موقع پر خود ایک رقعہ میں لکھتا ہے۔

ازاں جا کہ سوانح نگاراں برائے اغراض نفسانی چیز ہائے بسیار برخانہ زاداں تربیت کردہ ماے بندند باید کہ آں فدوی بدیوان برنگارد کہ ہمہ مراتب را چنانچہ باید تحقیق نماید و بحضور معروض دارد۔

معزالدین اپنے پوتے کو ایک رقعہ میں ایک واقعہ نگار کے متعلق لکھتا ہے۔

اگر دانند خدمت واقعہ نگاری بہ دیگرے مقرر نمائند کہ حالا واقعہ نگار واقعہ نگار نماند۔

اعظم شاہ کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے۔

واقعہ نگار و ہرکارہ ہائے معتبر و محتاط در محل بگذرانند و روزمرہ احکام عمال بخوانند.....

پرچہ نویسی کے انتظام کی بدولت ہندوستان جیسے وسیع ملک کے ایک ایک کونے کی خبر عالمگیر کو پہنچتی تھی۔ اس کے عہد کی یہ مخصوص بات ہے کہ وہ جس قدر رعایا کی

اصلی حالت سے خبر رکھتا تھا اور ان کی آسائش و آرام کا انتظام کرتا تھا کسی سلطنت میں اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے اس کے رقعات پڑھو۔ شہزادوں۔ صوبہ داروں عاملوں کی ایک ایک فروگذاشت کو پکڑتا ہے اور واقعہ نگار کا حوالہ دیتا ہے' ہزاروں کوس پر کسی سوداگر یا کسی راہ چلتے کی کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے تو فوراً" اس کو خبر لگ جاتی ہے۔ اور وہاں کے عامل سے باز پرس کرتا ہے۔

6- عالمگیر کی تاریخ حکومت کا سب سے حیرت انگیز واقعہ اس کا کلیات اور جزئیات پر یکساں حاوی اور باخبر ہونا ہے وہ ایک طرف تو ایسے بڑے بڑے مہمات میں معروف رہتا تھا۔ جن سے دم لینے کی مہلت بھی نہیں مل سکتی تھی' دوسری طرف چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس کی آگہی سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ اور وہ ان کو بھی اسی توجہ اور غور رسی سے انجام دے سکتا تھا۔

الفنسٹن صاحب سے زیادہ عالمگیر کا کوئی دشمن نہیں گزرا ہے ان کو بھی مجبوراً" لکھنا پڑا۔

> "وہ خود تن تنہا اپنی حکومت کی ہر شاخ کی کارگذاری جزوی کاموں کے لحاظ و حیثیت سے کرتا رہا۔ لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا تھا۔ لشکر کشیوں کے زمانے میں ہدایتیں جاری کرتا تھا۔ سردار اس کے قلعوں کے نقشے بہ این مقصود اس کے خدمت میں ارسال کرتے تھے کہ حملوں کے مقاموں کو مقرر کرے اس کے رقعوں میں پٹھانوں کے ہموار ملکوں میں سڑکوں کو جاری کرانے اور ملتان۔ آگرے کے فسادوں کو ڈھانے بلکہ قندھار کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں مندرج پائی جاتی ہیں اور اسی عرصہ میں فوج کا کوئی ٹکڑا یا بار برداری کی کوئی رسد نہ تھی جس کا کوچ مقام دکن سے ایسے حکموں کے بدون پایا جائے جن میں سے تھوڑے بہت حکموں کو اورنگ زیب نے خاص اپنے ہاتھوں سے جاری نہ کیا ہو ضلع کی مالگذاری کے ادنیٰ افسر کا تقرر یا کسی دفتر

کے کسی محرر کا انتخاب اپنی توجہ فرمائی کے نامناسب نہ سمجھتا تھا اور سارے کارگزاروں کی کارگذاری کی نگرانی جاسوسوں اور آنے جانے والوں کے ذریعہ سے کرتا تھا اور ایسی خبروں کی اصل و بنیاد پر ہمیشہ فہمائش اور ہدایتوں کے وسیلے سے ان کو آگاہ اور خبردار رکھتا تھا۔ مگر تفصیل جزئیات پر ایسے ذوق شوق سے ملتفت ہونا جیسے کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی دلیل ہے ویسی ہی کام کاج کی اصلی ترقی اور اجرائے کار کی ذاتی عروج کے لئے چنداں مفید نہیں مگر "جو کہ اورنگ زیب کی ذات و طبیعت میں التفات جزئیات کے ساتھ بڑی چابکی و چالاکی سلطنت کے عمدہ عمدہ کاموں میں بھی پائی جاتی تھی۔ تو اس سے طبیعت کی آمادگی اور نہایت گرمجوشی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہر زمانے میں بڑی عجیب و غریب سمجھی جاتی ہے۔ (75)

7- ایشیائی سلطنتیں اس بات میں ہمیشہ بدنام رہیں کہ عُمال اور عہدہ دار اکثر رشوت خوار ہوتے تھے اس رشوت خواری کے اسباب میں سے بہُت بڑا قوی سبب پیشکش اور نذرانہ کی رسم تھی یعنی تمام وزراء، امرا، اعمال سالانہ جشن میں بادشاہ کو نہایت گراں قیمت نذرانے پیش کرتے تھے۔ یہ نذرانے اکثر لوگوں کو سالانہ تنخواہ کے قریب قریب برابر پڑ جاتے تھے۔ اس بنا پر ان لوگوں کو اس نقصان کی تلافی کے لئے خواہ مخواہ رعایا سے رشوت لینی پڑتی تھی۔ جہانگیر اپنی توزک میں ان نذرانوں کا ذکر بڑے لطف اور مسرت کے لہجے میں کرتا ہے۔ اور ایک ایک چیز کی تفصیل لکھتا ہے۔ بعض نذرانوں کی تعداد کروڑ سے زاید پہنچ گئی ہے۔ اگرچہ اس کے مقابلے میں بادشاہ بھی بے شمار انعامات و کرامات کرتا تھا۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان انعامات سے نذرانوں کا پورا بندوبست ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ انعامات اکثر نقد کی صورت میں نہیں ہوتے تھے اور نذرانے میں جو چیزیں پیش کی جاتی تھیں خرید کر مہیا کرنی پڑتی تھیں۔ بہرحال یہ قطعی ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا اور سینکڑوں مفاسد اس سے پیدا ہوتے تھے۔

عالمگیر نے اس طریقہ کو بالکل بند کر دیا۔ چنانچہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔

8- عالمگیر کے عہد حکومت کا سب سے بڑا روشن کارنامہ اس کا عدل و انصاف ہے۔ عزیز و بیگانہ۔ غریب و امیر۔ دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی ایک رقعہ میں خود لکھتا ہے کہ معاملات انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں۔ یہ محض دعوی نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ لین پول صاحب عالمگیر کے سوانح میں لکھتے ہیں۔

> اوو نگٹن جس کی ذاتی سند تو چنداں قابل اعتبار نہیں۔ لیکن جس نے اپنی رائے ایسے نکتہ چینوں کی تحریر سے اخذ کی جس کو اورنگ زیب کی ذرا بھی پاسداری نہ تھی۔ یعنی یہ نکتہ چین بمبئی اور سورت کے تاجر ہیں کہتا ہے مغل اعظم عدل کا دریائے اعظم ہے۔ جج تلے انصاف سے عموماً تجویز کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارش۔ امارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اورنگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا ہے جس طرح کہ بڑے سے بڑے امیر کی۔

ڈاکٹر کاریری نے بھی جس نے اورنگ زیب کو بمقام دکن 1695ء میں دیکھا تھا اس کا یہی چال چلن بیان کیا ہے۔ (76)

ایک اور موقع پر لین پول لکھتا ہے:

> سیاحوں کی مخالفانہ نکتہ چینیاں اورنگ زیب کے چال چلن پر اسی زمانہ تک ہیں۔ جب تک وہ شہزادہ تھا لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین اور کچھ نہیں لکھتے۔ اس کے پچاس برس کی دراز حکومت میں ایک ظالمانہ فعل بھی اس کے خلاف ثابت نہیں ہے حتیٰ کہ ہندوؤں کے ستانے میں بھی جو اس کی دینداری کا ایک جزو تھا

سب کو تسلیم ہے کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف رسانی نہیں پیش آئی۔ (77)

عالمگیر نے اپنی زندگی کا مقصد سلطنت کے جاہ و جلال۔ شان و شوکت۔ ناز و نعم کے بجائے صرف رعایا کی خدمت اور راحت رسانی قرار دیا تھا۔ وہ انتہائے پیری تک۔ دربار میں کھڑے ہو کر رعایا کی عرضیاں لیتا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے ان پر حکم لکھتا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کریری نے اٹھتر برس کی عمر میں عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ

> وہ صاحب و سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا ہوا تھا ار اس کی پگڑی میں بڑا ٹکڑہ زمرد کا ٹنکا ہوا تھا۔ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں و فرحاں ہیں۔ (78)

وہ دن میں دو تین دفعہ دربار عام کرتا تھا اور مطلق کسی کی روک ٹوک نہ تھی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی جو چاہتا تھا کہتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سنتا تھا۔ (79) مرزا کام بخش عالمگیر کا نہایت چہیتا بیٹا تھا۔ اس کے کوکہ پر قتل کا الزام قائم ہوا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے۔ کام بخش نے اس کی حمایت کی۔ عالمگیر نے دربار میں کام بخش کو بلا بھیجا۔ کام بخش اس کو بھی ساتھ لاتا تھا اور اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ کام بخش بھی کوکہ کے ساتھ قید کیا جائے چنانچہ اس حکم کی فوراً" تعمیل ہوئی۔

سنہ 17 جلوس مطابق 1085ھ میں حسن ابدال کے سفر میں عالمگیر نے ایک دن ایک باغ میں قیام کیا دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا بڑھیا کی ایک پن چکی تھی جس میں باغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری آدمیوں نے پانی روک دیا اور پن چکی بند ہو گئی۔ عالمگیر کو خبر ہوئی اسی وقت پانی کھلوا دیا۔ رات کو جب خاصہ پر بیٹھا تو دو قاب کھانے کے اور 5 اشرفیاں شیخ ابوالخیر کو دیں کہ جا کر بڑھیا کو دو اور میری طرف سے

معذرت کرو کہ افسوس ہمارے آنے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی تم معاف کر دو۔ صبح ہوئی تو پالکی بھیج کر بڑھیا کو بلوایا اور حرم میں بھیجا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑھیا کی دو بن بیاہی بیٹیاں اور دو بچے ہیں۔ دو سو روپے عنایت کئے۔ مستورات نے اس کو زر و جواہر سے مالا مال کر دیا۔ دو تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکی کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات اور شہزادوں نے روپے اور اشرفیاں برسا دیں یہاں تک کہ چند روز کے بعد بڑھیا اچھی خاصی امیر ہو گئی۔ (80)

درشن کے طریقے کو اس نے نہایت سختی سے بند کیا تھا۔ لیکن یہ اجازت دی کہ کوئی داد خواہ آئے تو اس کی عرضی رسی میں باندھ کر اوپر پہنچا دی جائے۔ (81)

اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ایک آرٹیکل میں یہ تمام کارنامے نہیں سما سکتے۔

عالمگیر کے واقعات پڑھو ہر ہر سطر میں نظر آتا ہے کہ کس تاکید۔ کس اہتمام۔ کس شفقت سے انصاف رسانی کے متعلق احکام اور فرامین بھیجتا رہتا ہے اور دل سے لگی ہے کہ ایک شخص کا بھی بال بیکا نہ ہونے پائے۔

9- تیموری سلاطین اگرچہ درحقیقت شخصی حکومت کے بہتر سے بہتر نمونے تھے۔ لیکن حکومت کا نظام تمام تر بادشاہ پرستی پر مبنی تھا۔ بادشاہ ایک وجود مافوق الفطرت ہے۔ وہ خدا کا سایہ نہیں بلکہ خدا کا مظہر ہے' اکبر کی زیارت عبادت تھی اور ہر روز صبح کے وقت ایک گروہ کثیر یہ عبادت بجا لاتا تھا۔ دربار میں بادشاہ کو علانیہ سجدہ کیا جاتا تھا۔ شاہجہان نے سجدہ بند کیا۔ لیکن زمین بوس قائم کیا کہ وہ سجدے کی دوسری صورت تھی۔ بادشاہ کے مصارف خورد نوش لباس و پوشاک۔ سیر و سفران سب پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے تھے سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کے احکم الحاکمین کا یہ اصلی حق ہے۔ بادشاہ سے کوئی شخص بجز طریقہ عبودیت کے عرض معروض نہیں کر سکتا تھا۔ غرض آسمان پر کوئی اور خدا ہو تو ہو۔ لیکن دنیا کا خدا تو بادشاہ ہی ہوتا تھا۔ اسی بنا پر تیمور کہا کرتا تھا کہ جس طرح آسمان پر ایک خدا ہے۔ زمین پر بھی ایک ہی بادشاہ ہونا چاہئے۔ لیکن یہ طریقہ اسلام کے اصول کے بالکل برخلاف تھا۔ اسلام نے مساوات کا

اصول قائم کیا تھا جس کی رو سے بادشاہ و رعایا۔ امیر و غریب' شریف' رذیل سب کا ایک درجہ ہے۔

جو طریقہ تیمور کے عہد سے شاہ جہان تک روز افزوں وسعت حاصل کرتا آیا تھا۔ عالمگیراس کو سرے سے بدل نہ سکا۔ لیکن نہایت کوشش کی کہ خدا یا نہ عظمت و جلال کا رنگ سلطنت کے چہرے سے اتر جائے۔

1079ھ میں درشن کا طریقہ یعنی جو لوگ صبح کو بطور عبادت بادشاہ کا جمال مبارک دیکھنے آتے تھے اور جب تک زیارت نہیں کر لیتے تھے کچھ کھاتے پیتے نہ تھے اس کو قطعاً" موقوف کر دیا۔ (82)

دربار میں شعرا مقرر تھے جو بادشاہ کی مدح لکھ کر لاتے تھے اور بادشاہ کو خدا کا ہمسر بناتے تھے۔ ان کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور ایک شخص سب کا افسر یعنی ملک الشعرا ہوتا تھا۔ اسی سنہ میں عالمگیر نے اس صیغہ کو بھی سرے سے بند کر دیا۔ (83)

نوروز کے جشن میں تمام امرا بادشاہ کی خدمت میں بڑی بڑی نذریں پیش کرتے تھے۔ بعض بعض نذروں کی تعداد کروڑ سے متجاوز ہو جاتی تھی' جہانگیر ان نذروں کو نہایت تفصیل سے مزہ لے کر لکھتا ہے۔ عالمگیر نے سنہ 21 جلوس مطابق 1088ھ میں یہ طریقہ موقوف کر دیا۔ ماثر عالمگیری میں ہے۔ (صفحہ 162)

"بخشی الملک صفی خاں مخاطب شد۔ کہ ماجشن موقوف کردیم۔
پیشکش امیرالامرا۔ واپس دہند و دیگر نوئیاں ہم نگزارند۔"

دربار میں جس قدر تکلف اور ساز و سامان کیا جاتا تھا۔ سب بند کر دیا۔ یہاں تک کہ چاندی کی دوات کے بجائے چینی کی دوات کا حکم دیا۔ انعام کی رقمیں چاندی کی کشتیوں میں لاتے تھے حکم دیا کہ سپر میں رکھ کر لائیں۔ (84) زربفت وغیرہ کے خلعت بھی موقوف کر دیئے۔

دربار میں یہ خلاف ادب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی کسی کو سلام کرے اس لئے صرف سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ 1080ھ میں عالمگیر نے حکم دیا کہ اس طریقے کے بجائے لوگ معمولاً سلام علیکم کہا کریں۔ (85)

عالمگیر نے مختلف قوموں پر صاف صاف اپنے طریقے عمل سے جتا دیا کہ بادشاہ ایک معمولی آدمی ہے اس کے حقوق عام لوگوں کے برابر ہیں سنہ 16 جلوس مطابق 1083ھ میں عالمگیر بقر عید کی نماز کو جا رہا تھا۔ واپسی میں ایک شخص نے لکڑی پھینک کر ماری جو عالمگیر کے زانو پر آ لگی۔ گرز بردار اس کو گرفتار کر کے لائے عالمگیر نے کہا چھوڑ دو۔ (86)

سنہ 30 جلوس میں جب وہ جامع مسجد سے واپس آ رہا تھا ایک شخص تلوار علم کئے ہوئے اس کی طرف دوڑا۔ لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ اور قتل کر دینا چاہا۔ عالمگیر نے روکا اور 8- یومیہ اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ (ماثر عالمگیری)

یہ واقعہ کسی اور بادشاہ کے ساتھ پیش آتا تو مجرم کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے ہوتے۔

سلاطین سابق کے زمانے میں بادشاہ کی جیب خرچ کے لئے کروڑوں روپے آمدنی کے علاقے مخصوص ہوتے تھے جن سے بادشاہ کے مصارف ادا ہوتے تھے۔ عالمگیر نے چند گاؤں اور چند نمک ساز اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ باقی کو بیت المال قرار دیا۔ (87)

اس کی زندگی بالکل سادی اور زاہدانہ تھی ٹورنیر نے اس کو 1165ھ میں دیکھا تھا وہ لکھتا ہے۔

"نحیف و زار ہو گیا تھا۔ اور اس لاغری میں اس کی روزہ داری نے اور اضافہ کر دیا تھا۔

لین پول صاحب لکھتے ہیں۔

"اورنگ زیب فرصت کے وقت کلاہیں بنایا کرتا تھا۔"

کلاہوں کا بنانا یقینی ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ عالمگیر خود اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی خوراک بہم پہنچاتا تھا۔ اور یہ سب باتیں اسی طرز عمل کے مٹانے کے لئے تھیں جس سے بادشاہ کا درجہ خدا کے قریب قریب قائم کر دیا گیا تھا۔

10- عالمگیر نے تعلیم اور درس و تدریس کو جس قدر ترقی دی ہندوستان میں کبھی

کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی ہر ہر شہر اور قصبے میں تمام علما اور فضلا کے وظائف اور روزینے مقرر تھے۔ جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر۔ تعلیم اور تعلم میں مشغول رہتے تھے اس کے ساتھ ہر جگہ طالب علموں کے لئے وظائف مقرر تھے۔ ماثر عالمگیری میں ہے۔

"در جمیع بلاد و قصبات ایں کشور وسیع۔ فضلا و مدرساں رابہ وظائف لائقہ از روزانہ و املاک مو ظف ساختہ برائے طلبہ علم وجود معیشت درخور حالت و استعداو مقرر۔ فرمودہ اند۔" (صفحہ 529)

ندوۃ العلما کی نمائش گاہ علمی میں جو بنارس میں قائم ہوئی تھی ہم نے کثرت سے سلاطین تیموریہ کے عہد کے فرامین بہم پہنچائے تھے ان میں دو ثلث سے زیادہ عالمگیر کے فرامین تھے۔ اور یہ کل فرامین کسی عالم یا درویش کی جاگیر یا مدد معاش کے متعلق تھے اہل علم کے وظائف کے لئے جو فرمان ہم کو ہاتھ آتا تھا۔ عموماً عالمگیر کے دربار کا ہوتا تھا۔

تمام ملک میں سرائیں۔ کارواں سرائے۔ مسافر خانے بنوائے۔ اور اکثر اضلاع میں غلہ خانے قائم کئے کہ قحط کے وقت غربا کو مفت غلہ تقسیم کیا جائے۔

مذہبی حیثیت

عالمگیر کو اگرچہ خلافت کا دعویٰ نہ تھا تاہم وہ مسلمان بادشاہ تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ حکومت میں اس قدر اسلامی شان باقی رکھے جس قدر ایک اسلامی حکومت کے لئے اصل عنصر کے لحاظ سے ضروری ہے اکبر نے جس رنگ میں سلطنت کو رنگنا شروع کیا تھا۔ اور جس کی یادگاریں شاہجہان کے زمانہ تک بھی باقی تھیں وہ اگر قائم رہتا تو تیموری سلطنت ایک ہندو سلطنت بن چکی تھی۔ اسلامی شعار بالکل مٹ چکے تھے عام دربار کا لباس گھیر دار پاجامہ اور ہندوانی پگڑی تھی۔ راجاؤں کی طرح سلاطین زیور پہنتے تھے۔ دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے سجدہ یا پاگی رائج تھی۔ یہ بے غیرتی اس قدر

بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی شروع کیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عالمگیر نے عنان سلطنت ہاتھ میں لی تو اس کا یہ فرض تھا کہ اسلامی شعائر دوبارہ قائم کرے۔ اس نے سب سے پہلے 1069ھ میں یعنی تاریخ جلوس کے ایک ہی برس کے بعد سنہ شمسی کو جو پارسیوں کی تقلید سے قائم کیا گیا تھا۔ قمری سے بدل دیا۔ یہ اگرچہ بظاہر معمولی سی بات ہے لیکن اسی قسم کی معمولی باتوں سے دنیا میں سینکڑوں قومیں بنیں اور فنا ہو گئیں۔

درشن کا طریقہ بالکل اسلام کے مخالف تھا۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس نے انسان کو ہمیشہ انسان کے درجے پر رکھا۔ کبھی کسی انسان کی پرستش اور عبادت کی اجازت نہیں دی۔ لیکن درشن کا طریقہ صریح ایک قسم کی عبادت تھی چنانچہ عالمگیر نے 1079ھ میں اس کو سرے سے بند کر دیا۔

1082ھ میں سلام مسنون کا طریقہ جاری کیا اور حکم دیا کہ عام طور پر مسلمان آپس میں ملنے جلنے کے وقت یہی طریقہ برتیں۔

گانا بجانا بھی دربار کا ایک لازمہ قرار پا گیا تھا۔ اور ہر روز ایک وقت معین تک دربار شاہی رقص و سرود کا تماشا گاہ بن جاتا تھا۔

عالمگیر اگرچہ خود جیسا کہ ماثر عالمگیری میں بہ تصریح لکھتا ہے فن موسیقی کا ماہر تھا۔ لیکن مزا میر کے ساتھ گانا چونکہ شرعاً ممنوع ہے اور دربار شاہی کی شان کے بالکل خلاف ہے عالمگیر نے اس صیغہ کو بھی بند کر دیا۔ گویوں نے اس پر ایک مصنوعی جنازہ نکالا۔ عالمگیر نے دیکھ کر کہا ہاں مگر ایسا دفن کرنا کہ پھر نہ اٹھے۔

احتساب کا مستقل محکمہ قائم کیا۔ اور تمام اضلاع میں محتسب مقرر کئے جن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو منہیات اور ممنوعات سے باز رکھتے تھے۔ اس محکمہ کے افسر ملا وجیہہ الدین تھے۔ تمام ممالک میں جس قدر مسجدیں تھیں۔ سب میں امام۔ مؤذن۔ خطیب مقرر کئے جن کی تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی تھیں۔ (88)

سب سے مقدم کام یہ تھا کہ شرعی مقدمات کے فیصلے کے لئے کوئی ایسی جامع مانع کتاب فقہ بھی موجود نہ تھی جس میں تمام مفتی بہ مسائل جمع کر دیئے گئے ہوں اور

جن سے ہر شخص باآسانی مسائل کا استخراج کر سکے۔ عالمگیر نے تمام علما و فضلا کو جمع کر کے تصنیف کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کے افسر ملا نظام تھے۔ اس کام کے لئے شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں فراہم تھیں وقف کر دیا۔ کئی برس کی لگاتار محنت کے بعد وہ کتاب تیار ہوئی جو آج عالمگیری کے نام سے مشہور ہے اور عرب و روم میں فتاویٰ ہندیہ کہلاتی ہے۔ باوجود اس کے کہ علماء کی تنخواہیں کچھ بہت زیادہ نہ تھیں چنانچہ ہم نے ماثرالامراء میں کسی کا روزینہ تین روپے سے زیادہ نہیں دیکھا ہے۔ تاہم دو لاکھ روپے صرف ہو گئے اس کتاب کا یہ خاص امتیازی وصف ہے کہ جو مسائل تمام کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے تھے ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا ہے کہ ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔

فقہ اور حدیث کی تعلیم کو نہایت رواج تھا۔ ایک ایک قصبہ میں مذہبی علماء علوم مذہبی کی درس و تدریس میں مشغول تھے اور ان کو سرکار کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔

خود بھی اوامر اور نواہی کا نہایت پابند تھا ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ ہمیشہ نماز جماعت سے پڑھتا تھا۔ ہفتے میں ہمیشہ تین دن روزے (89) رکھتا تھا۔ عیش و نشاط کی مجلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس دینداری اور مذہبی وارفتگی کے وہ ظاہر پرست اور سریع الاعتقاد نہ تھا۔ اس کی دینداری دیکھ کر شریف مکہ نے کئی دفعہ اپنے سفیر بھیجے اس پر عالمگیر ایک رقعے میں لکھتا ہے۔

> شریف مکہ معظمہ در ہندوستان دولت بے شمار شنیدہ ہر سال برائے طلب نفع خود ایلچی می فرستد۔ این مبلغاں کہ می فرستیم برائے مستحقین است بجہت او فکرے بجا باید نمود کہ بہ آں جماعت برسد و دست ایں متلف حق براں نہ رسد۔

ذاتی اوصاف

شجاعت و بہادری

تیمور کے خون میں سب سے پہلے شجاعت کی گرمی کا اثر ڈھونڈھنا چاہئے عالمگیر اس وراثت کا سب سے بڑا حصہ دار ہے' تیمور کی نسل بابر سے شاہجہان تک شجاعت اور بہادری کا مرقع ہے' جس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر نہیں آ سکتا۔ اکبر مست ہاتھیوں کو عین لڑنے کی حالت میں سونڈ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیتا تھا۔ شاہ جہان نے شہزادگی میں تلوار سے شیر مارا ہے۔ لیکن عالمگیر کی شجاعت کے خط و خال اس مرقع میں نمایاں تر ہیں۔ وہ جب چودہ برس کا تھا تو ایک موقع پر جب شاہجہان ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھی فوج کی طرف ٹوٹ پڑا اور مطلع صاف تھا۔ لیکن عالمگیر پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہاتھی جسے کہ آرا ہوا۔ ہاتھی نے اس کے گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر دور پھینک دیا۔ عالمگیر لوٹ پوٹ کر اٹھا اور بڑھ کر ہاتھی پر تلوار ماری اس معرکے کو تمام مورخین نے تفصیل سے لکھا ہے' ابو طالب کلیم ملک الشعرا نے شاہجہان بھی اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے۔ چنانچہ چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

بہ مہمانئے گوش ارباب ہوش
یکے قصہ دارم بہ من نار گوش
زمردم من ایں نقل نشیدہ ام
من ازدل شیدم دل از دیدہ ام
چو آراید ایں قصہ ہنگامہ را
شمارند افسانہ شہنامہ را
صباحے شہنشاہ گیتی فروز
شہ معدلت گستر ظلم سوز
بہ ورشن برآمد چو خور برسپہر
جہاں ازر خش عرق انوار مہر

خلایق چو بعد از زمیں بوس شاہ
گرفتند در خورد خود جائے گاہ
بہ فیلان جنگی چو نوبت رسید
دراں عرصہ آمد قیامت پدید
فتادند فیلان جنگی بہم
پے جنگ خرطوم ہا شد علم
دوید از قضا زاں دو فیل مہیب
یکے سوئے شہزادہ اورنگ زیب
بہ مردی زجا یکسر مونہ شد
زراہ چنیں سیل یک سو نہ شد
یکے نیزہ برق ساں تافتہ
نظر از رگ غیر تش بافتہ
ز قدرت چناں زوبہ پیشانیش
کہ جست از قفا برق رخشانیش
دراں کوہ پیکر نہاں شد سناں
دگر بار در رفت آہن بہ کاں
ز خرطوم انداخت پیچاں کمند
فتاد اسپ شہزادہ در پیل بند
گرفت اسپ و شہزادہ برے سوار
ز بیم آب شد زہرہ روزگار
بیفشرد براسپ دندان کیں
برآمد خروش از زمان و زمیں
چو در اسپ سامان جولاں ندید
چو شہبازے از خانہ زیں پرید
ہماندم کہ برخاک پارا فشرد

روان دست جرات بہ شمشیر برد
علم کردہ شمشیر بردے دوید...
کنواں سوائے فیل غنیمش رسید
چونمود پسندیدہ پر دلال
کہ گیرد یکے را دو تن درمیاں
ز روئے مروت ازو دست داشت
بہ پیکار پیل غنیمش گذاشت

شاہجہان یہ رد و بدل خود دیکھ رہا تھا ہاتھی ہٹا تو عالمگیر کو بلا کر سینہ سے لپٹا لیا اور اس پر سے موتی اور روپے نچھاور کیے۔

داراشکوہ کی جنگ میں 15' 30 ہزار فوج سے ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے مقابلے میں معرکہ آرا ہوا ہے۔ اور جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو اس کے ساتھ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے تھے اس وقت اس نے جو شجاعت ظاہر کی ہے اس کو لین پول ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

جنگ کی یہ نازک حالت ہو گئی تھی اور قریب تھا کہ اورنگ زیب کو ہزیمت ہو کیونکہ اس کے چیدہ سے چیدہ رسالے پسپا ہو چکے تھے اور وہ تنہا کھڑا ہوا تھا اور مشکل سے ایک ہزار آدمی اس کے گرد ہوں گے اور ان کو بھی دارا کے حملوں کا انتظار تھا۔ اس سے زیادہ مستقل رستمانہ شجاعت کی کبھی جانچ نہ ہوئی ہو گی لیکن اورنگ زیب کے بدن میں بجائے پٹھوں کے فولاد کے تار تھے صرف اورنگ زیب کی شجاعت تھی جس نے ایک ہزار کو ایک لاکھ فوج پر فتح دی۔

عالمگیر کی اس جرات انگیز شجاعت۔ اور اس تعجب خیز عزم و ثبات کو بڑھاپا۔ کمزوری۔ مصائب سفر۔ تواتر حوادث۔ کوئی چیز کم نہ کر سکی۔ 1110ھ مطابق 16[illegible]ء میں جب یہ مقام ستارا۔ مرہٹوں نے ایک سرنگ اڑائی اور فوج میں بربادی پھیلی [illegible]ی

برس کا بوڑھا شہنشاہ جھٹ گھوڑے پر چڑھ کر مقام حادثہ پر پہنچا۔ آدمیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگوایا۔ اور چاہتا تھا کہ حملہ کی سرداری خود کرے لیکن بڑی دقت سے اس کو اس ارادے سے باز رکھا گیا۔ اب بھی وہ وہی سامو گڑھ کا جوان تھا جس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا دی تھیں۔"

یہ لین پول کے الفاظ ہیں۔ خافی خاں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

"چوں دانستند کہ مبارزاں قلعہ کشا حوصلہ باختہ اند۔ خود بہ دولت براسپ' سوار شدہ بر سرکار آمدہ فرمودند کہ لاش مرد ہارا بالائے ہم فراہم آوردہ سینہارا سپر تیر بلا ساختہ' قدم یورش پیش گذارند۔ چوں در مردم اثر حرف شنیدن مشاہدہ نہ نمودند خواستند خود بذات شریف' پیش قدم بہادراں جانثار گردند۔ ارکان سلطنت بہ الحاح و تضرع ازین جرات مانع آمدند۔"

یہ وہ وقت تھا کہ ہزاروں آدمی سرنگ کے اڑنے سے برباد ہو گئے تھے اور فوج نے حملہ کرنے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ عالمگیر کے عزم و ثبات کی تصویریں سینکڑوں مرقعوں میں مل سکتی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ شہزادگی کے زمانے میں بلخ کی مہم پر گیا تھا۔ اور عبدالعزیز خاں سے معرکہ آرا تھا تو عین حالت جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ دشمن کی فوجیں چاروں طرف سے تیر برسا رہی تھیں' یہ استقلال کا دیوتا گھوڑے سے بہ کمال متانت اترا۔ نماز کی صف قائم کی' سکون و اطمینان کے ساتھ فرائض اور نوافل ادا کیے۔ عبدالعزیز خاں یہ حیرت انگیز سماں دیکھ کر لڑائی سے ہٹ گیا کہ ایسے شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہے۔ (90)

الفنسٹن صاحب کی زبان سے عالمگیر کی تعریف میں ایک لفظ بھی عالمگیر کی قسمت کی یاوری ہے' تاہم صاحب موصوف نے عالمگیر کے استقلال کا ایک جدا عنوان قائم کیا ہے جن میں تفصیل سے واقعات لکھے ہیں۔ اور ان پر سخت حیرت ظاہر کی ہے۔ ہم طول کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔ فوج کے سب سے دلاور سپاہی بارہ کے سادات گنے جاتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ تیموریوں کے اکثر معرکہ انہیں نے سر

کیے ہیں۔ ایک موقع پر ان لوگوں نے درباریوں سے خانہ جنگی کی عالمگیر نے حکم دیا کہ قاضی کے محکمہ میں یہ مقدمہ پیش ہو۔ سادات نے کہا۔ ہم اپنا فیصلہ خود کر لیں گے۔ عالمگیر نے آستین چڑھا کر کہا کہ جو لوگ میری تلوار کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ شریعت کے حکم کے مقابلے میں ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہیں۔ کہہ دو سب مل کر آئیں' یہ کہہ کر حکم دیا کہ پہرہ وغیرہ پر جس قدر سادات بارہہ ہیں سب برطرف کر دیئے جائیں۔ سادات کا وہ تمام غرور جاتا رہا' شہزادہ اکبر نے جب بغاوت کی ہے اور ستر ہزار راجپوتوں کو لے کر قریب آگیا تو عالمگیر کے ساتھ صرف ایک ہزار فوج تھی' باقی فوجیں نہایت دور دراز مقامات پر تھیں۔ لیکن عالمگیر کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی اور بالاخر شہزادہ خود پسپا ہو کر چلا گیا۔

شہزادہ اعظم شاہ جس کی دلیری اور بہادری کا تمام ملک میں سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ جو معاملہ گذرا۔ عام طور پر مشہور ہے۔ جس کا یہ اثر تھا کہ اس کے بعد جب عالمگیر کا خط آتا تھا تو شہزادہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

عالمگیر تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔ اس کی انشا پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے' اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ جغرافیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں۔ تاہم ادائے مطلب کی قدرت۔ عبارت کی سادگی۔ فقروں کی ہمواری۔ مطالب کا اختصار۔ پہلو بہ پہلو جملے۔ دلنشیں ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں۔ یہاں تک کہ اردو کے سب سے بڑے انشا پرداز مولوی محمد حسین آزاد کو بھی بادل ناخواستہ تعریفی جملے لکھنے پڑے۔ (91)

عالمگیر کے رقعات سے انشا پردازی کے علاوہ اس کی وسعت معلومات' مسائل دینیہ کی اطلاع' عام باخبری' خوش مذاقی اور حسن انتخاب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عالمگیر کے عام اخلاق و عادات یہ تھے۔ نہایت سنجیدہ اور متین تھا۔ کبھی نامناسب لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ نہایت رحیم اور وسیع الظرف تھا۔ اہل کمال کا نہایت قدر دان تھا۔ لوگوں سے نہایت اخلاق سے پیش آتا تھا۔ نہایت خشک زاہدانہ

زندگی بسر کرتا تھا۔ لہو و لعب کی باتوں سے قطعاً" محترز تھا۔"

تم کو حیرت ہو گی کہ ان کمالات کا شخص اس قدر کامیاب کیوں نہ ہوا۔ جس قدر ہونا چاہئے تھا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔

1- اس کی اولاد لائق نہ ہوئی اس کا جانشین بہادر شاہ دوپہر چڑھے دن کو سو کر اٹھتا تھا۔ اس سے اس کے اور اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

2- باوجود تمام خوبیوں کے۔ عالمگیر میں یہ بڑا عیب تھا کہ وہ اپنی ذاتی شجاعت اور استقلال کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اور اس وجہ سے کسی کو وہ اپنا دوست نہ بنا سکا۔

3- مرہٹوں کے تعاقب میں اس نے زاید از ضرورت اپنی کوشش صرف کی۔

4- مزاج میں سخت کفایت شعاری تھی۔ یہ وصف حضرت عمرؓ فاروق کے جانشین کے لئے گو موزوں ہے لیکن شاہجہان کے تخت پر بیٹھنے کے لئے کام نہیں آ سکتا تھا۔

غرض عالمگیر کی جو تصویر اس کے مخالفوں نے کھینچی ہے اس میں تو تمام تر تعصب اور عداوت کا رنگ بھرا گیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی بالکل مبالغہ ہے کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک تھا۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے جو اس میں تھیں ہم تیموری سلاطین کی فہرست میں وہی درجہ اس کو دے سکتے ہیں جو اس کو ترتیب شمار کی رو سے حاصل تھا۔ تاہم عالم اسلامی دنیا میں اس کے بعد آج تک کوئی اس کے برابر کا شخص بھی نہیں پیدا ہوا۔

حوالہ جات

1- شاہجہان کا بھائی شہریار اور اس کے بھتیجے طہورث وہوشنگ (پسر دانیال) خود شاہجہان کے حکم سے قتل کئے گئے چنانچہ ان کے قتل کے لئے شاہجہان نے دست خاص سے جو فرمان لکھ کر بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "دریں ہنگام کہ آسمان آشوب طلب و زمین فتنہ جوست اگر داور بخش پسر خرد و برادر اور شہریار پسران شہزادہ دانیال را آوارہ صحرائے عدم ساختہ دولت خواہاں را از توزع خاطر و شورش دل فارغ سازند بہ صلاح و صوابدید قریں تر خواہد بود۔" (خاتمہ تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ صفحہ 435) چنانچہ 22- جمادی الاولی 1037ھ کو اس حکم

کی پوری تعمیل ہوئی اور بقول مورخ جہانگیری گلشن ہستی اس خس و خاشاک سے پاک کر دیا گیا۔

2- اس واقعہ کو عبدالحمید لاہوری نے جو شاہجہان کے دربار کا مورخ تھا' شاہجہان نامہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہجہان نے عباس صفوی کو جو خط لکھا ہے' اس میں اس واقعہ کو بڑے فخر سے لکھا ہے' چنانچہ شاہجہان نامہ میں یہ خط بتمامہ منقول ہے۔

3- ماثرالامرا تذکرہ مہابت خاں حیدر آبادی جلد سوم' صفحہ 627 تا 639-

4- ماثرالامرا تذکرہ مہابت خاں حیدر آبادی۔

5- خافی خاں جلد دوم صفحہ 302-

6- ماثرالامرا

7- خافی خاں جلد دوم صفحہ 294-

8- مستعد خاں ساقی' عالمگیر نامہ میں والی بیجاپور کے حال میں لکھتا ہے۔
"مغلوب کافر شقاوت قرین سنبھائے بیدین گشتہ۔" ابوالحسن کا بھی یہی حال ہے۔

9- سیوا جی کے خاندان کا حال خافی خاں نے اپنی تاریخ میں (جلد دوم صفحہ 111 مطبوعہ کلکتہ) اور غلام علی آزاد نے خزانہ عامرہ صفحہ 29 میں تفصیل سے لکھا ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیلی اور محقق حالات ماثرالامرا میں ہیں۔ چونکہ سیوا جی کا پوتا ساہو عالمگیر کے دربار میں ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا' اس لئے ماثرالامرا میں اس کا حال مستقل عنوان سے لکھا ہے' اس کے ذیل میں اس کے خاندان کے ابتدائی حالات بھی نہایت تفصیل سے لکھے ہیں' میں نے زیادہ حالات اسی کتاب سے لئے ہیں۔

10- خافی خاں جلد اول صفحہ 318 و ماثرالامرا جلد اول صفحہ 530-

11- خافی خاں صفحہ 435 و ماثرالامرا جلد اول صفحہ 520 و 522-

12- خافی خاں صفحہ 476-

13- خافی خاں صفحہ 520- سیرالمتاخرین حالات سنہ 9 جلوس شاہجہانی۔

14- خافی خاں جلد دوم صفحہ 113 تا 116-

15- خافی خاں جلد دوم صفحہ 113 تا 116-

16- خافی خاں جلد اول صفحہ 754-

17- خافی خاں صفحہ 757 جلد اول-

18- خافی خاں صفحہ 115 جلد دوم-

19- ان واقعات کو مصنف ماثر عالمگیری اور خافی خاں نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے-

20- خافی خاں صفحہ 177 جلد دوم-

21- خافی خاں صفحہ 181 جلد دوم- بے ہتھیار آنے کی شرط ماثر عالمگیری میں مذکور ہے-

22- خافی خاں صفحہ 182 جلد دوم-

23- یہ تمام تفصیل خافی خاں میں ہے-

24- ماثر عالمگیری صفحہ 912 و 913-

25- ماثر الامرا' تذکرہ راجہ ساہو-

26- ترجمہ تاریخ الفنسٹن صاحب مطبوعہ علی گڑھ' صفحہ 1052 و 1053-

27- رام سنگھ کا مفصل اور مستقل تذکرہ ماثر الامرا میں مذکور ہے-

28- عالمگیر نامہ کاظم شیرازی صفحہ 907-

29- ماثر الامرا جلد دوم صفحہ 333-

30- ترجمہ تاریخ الفنسٹن صاحب مطبوعہ علی گڑھ صفحہ 1057-

31- خافی خاں صفحہ 626 و 627-

32- خزانہ عامرہ مطبوعہ نو لکشور صفحہ 41-

33- خافی خاں صفحہ 271-

34- خافی خاں صفحہ 389-

35- ماثر عالمگیری صفحہ 423 مطبوعہ کلکتہ-

36- ماثر الامرا جلد دوم صفحہ 351-

37- تاریخ الفنسٹن صاحب مطبوعہ علی گڑھ صفحہ 1117-

38- ماثر عالمگیری صفحہ 507-

39- یہ تمام حالات اگرچہ خافی خاں وغیرہ تمام تاریخوں میں ہیں لیکن مسلسل اور مفصل

تذکرہ ماثر الامرا جلد سوم میں ہے۔

40- ترجمہ تاریخ الفنسٹن مطبوعہ علی گڑھ صفحہ 1057' ماثرالامرا سے بھی اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔

41- اس کے بعد کا واقعہ چونکہ چنداں اہم اور مختلف فیہ نہ تھا اس لئے ہم نے وہ عبارت نقل نہیں کی۔

42- تفصیل ان واقعات کی اوپر گذر چکی ہے۔

43- ماثر الامرا صفحہ 208

44- اس کے بعد کے واقعات بحث طلب نہ تھے اس لئے ہم نے قلم انداز کیا۔

45- خافی خاں حالات عالمگیر صفحہ 535-

46- صفحہ 499-

47- ماثر عالمگیری صفحہ 405 مطبوعہ کلکتہ۔

48- ماثرالامرا ذکر امر سنگھ۔

49- ماثرالامرا ذکر روپ سنگھ۔

50- تذکرہ مراۃ الخیال شیر خاں لودھی مطبوعہ کلکتہ صفحہ 125 و 126-

51- شاہجہان نامہ مطبوعہ کلکتہ جلد دوم واقعات سنہ 7 جلوس صفحہ 57-58 اس عبارت میں جن بت خانوں کے گرانے کا ذکر ہے یہ وہی ہیں جو مسجد تھے اور ہندوؤں نے گرا کر بت خانہ بنا لیا تھا۔

52- یہ وہ پرگنے ہیں جو مہارانا اودے پور نے جزیہ کے عوض دیئے تھے۔

53- خافی خاں نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے دیکھو صفحہ 213 و 214-

54- صفحہ 81-

55- تاریخ فرشتہ مطبوعہ نو لکشور جلد دوم صفحہ 36-

56- صفحہ 37 جلد دوم۔

57- ماثر عالمگیری

58- ماثر عالمگیری

59- صفحہ 238-

60- شاہ جہان نامہ مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ 452 حالات سنہ 6 جلوس شاہجہانی-

61- یہ مسلسل واقعات تمام تر خافی خاں سے لئے گئے ہیں جہاں کوئی بات اس سے الگ ہے وہاں خاص ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے-

62- خافی خاں جلد دوم صفحہ 30-

63- صوبہ برار عالمگیر کی جاگیر میں تھا' داراشکوہ نے اس کو ضبط کر لیا- مراد بخش کے خطوط میں بار بار اس کا ذکر ملتا ہے-

64- مراد کے خطوط کی عبارتیں مکاتیب تیموریہ سے نقل کی گئی ہیں جس کا نام فیاض القوانین ہے-

65- ترجمہ لین پول صفحہ 45-

66- اس کے بعد برنیر نے لکھا ہے کہ "عالمگیر شاہجہان کی ہدایتوں کے برخلاف بھی کرتا تھا" لیکن وہ عام سلطنت کے متعلق ہدایتوں کی مخالفت تھی جس کو اس موقع سے کوئی تعلق نہیں-

67- جلد دوم مطبوعہ کلکتہ صفحہ 102-

68- ترجمہ سفر نامہ برنیر صفحہ 61- کیا ایسا سبک سر سلطنت کے بار گراں اٹھانے کے قابل تھا- ڈاکٹر برنیر سے زیادہ کون شخص داراشکوہ کا دوست ہو سکتا ہے- اس نے سخت مصیبت کی حالت میں داراشکوہ کا ساتھ دیا تھا' تاہم وہ داراشکوہ کی ذاتی خوبیاں گنا کر لکھتا ہے-

> کیا ایسا سبک سر سلطنت کے بار گراں اٹھانے کے قابل تھا- مگر باایں ہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اس کو یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہوں اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح اور مشورہ دے سکے' وہ ان لوگوں سے جو اس سے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرات کر بیٹھتے تھے' تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا' چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اس کے دلی خیر خواہ بھی اس

کے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اسے آگاہ نہ کر سکے وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے امرا کو برا بھلا کہہ بیٹھتا۔ اور ان کی ہتک کر ڈالتا۔ لیکن اس کا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی۔

69- جلد دوم خافی خاں صفحہ 86-

70- واقعات عالمگیری۔ مطبوعہ لاہور 1936 ملاحظہ ہو صفحہ 65-

71- مراد اپنے خطوط میں عموماً دارا شکوہ کو ملحد لکھتا ہے۔

72- واقعات عالمگیری صفحہ 35-

73- ایضاً صفحہ 66-

74- لین پول صفحہ 116 و 117 لین پول نے نہایت صحیح ماخذوں سے اس کے متعلق مفصل رپورٹ لکھی ہے۔

75- ترجمہ تاریخ الفنسٹن صفحہ 1119 و 1120-

76- ترجمہ لین پول صفحہ 75 و 76-

77- ترجمہ لین پول صاحب صفحہ 5-

78- ترجمہ تاریخ الفنسٹن مطبوعہ علی گڑھ صفحہ 133-

79- مآثر عالمگیری صفحہ 527-

80- مآثر عالمگیری صفحہ 122-133-134-

81- مآثر عالمگیری صفحہ 95-

82- خافی خاں صفحہ 213 حالات عالمگیر۔

83- خافی خاں 12-

84- مآثر عالمگیری۔

85- مآثر عالمگیری صفحہ 162-

86- مآثر عالمگیری۔

87- مآثر عالمگیری صفحہ 935-

88- مآثر عالمگیری صفحہ 539-

89- مآثر عالمگیری خاتمہ

90- مآثر عالمگیری صفحہ 531-

91- مولانا آزاد لکھتے ہیں :- عالمگیر نے دل معتدل اور زبان قادرالبیان پائی تھی اس لئے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا۔ یا سامنے لکھواتا تھا۔ کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا۔ وہ 70 برس سلطنت کر کے 1115ھ میں فوت ہوا اس کی تحریر دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ جس طرح اورنگ زیب سلطنت زیر قدم رکھتا تھا۔ اسی طرح کشور سخن بھی زیر قلم۔ دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے ملک رانی کے پیچوں میں الجھے ہوئے ہیں مگر عبارت صاف ہے اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے۔ تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں اس کی تحریر کو گلستان سے تشبیہ دوں (مضائقہ نہیں اتنا فرق ہو گا کہ گلستاں کے خیالی مضامین ہیں اور اس کے عالی' عبارت اس کی جتنی پڑھنے میں سہل ہے اتنی ہی لکھنے میں دشوار ہے۔

حصہ دوم

اورنگ زیب اور اس کا نظریہ

اوم پرکاش پرشاد

ترجمہ: فیضان رشید

عرض مترجم

تاریخ کے مظلوم اکابر کا مطالعہ جب گہرائی اور جذباتیت سے الگ ہو کر کیا جاتا ہے تو بے ساختہ انگریزی کا یہ مقولہ یاد آ جاتا ہے۔ (مقولہ کچھ تصرف کے ساتھ):

"Most of Events Are Not True In History Except Names Years And Dates, And Most Events Are True In Stories Except Names Years And Dates".

یعنی' تاریخ میں بیشتر واقعات سچے نہیں ہوتے ہیں سوائے ناموں' سالوں اور تاریخوں کے۔ جبکہ کہانی میں بیشتر واقعات درست ہوتے ہیں سوائے ناموں' سالوں اور تاریخوں کے۔

مذکورہ بالا مظلوم شاہوں کو تذکرہ نویسوں نے اپنی ذہنی ساخت' قومی عصبیت یا ذاتی اور قومی مفادات کی روشنی میں پیش کیا۔ یا محض داستان سرائی کا شوق پورا کیا۔ اس کے بعد اسی ذہنیت کے بعد میں آنے والے "دانشوروں" اور مورخین نے اپنے "پیشرو رہبران" کی باتوں کو کافی نمک مرچ لگا کر اپنی دوکانداری چمکائی۔ گویا "اپنے پہ اہل دہر کو قیاس کیا" ایسے میں پھر ایک دوسرے انگریزی کے مقولہ کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ:

"We See Things As We Are, Not As They Are"

یعنی "چیزیں ہمیں ویسی ہی نظر آتی ہیں۔ جیسے کہ ہم خود ہیں—— نہ کہ جیسی وہ بذات خود ہیں——" اور ان "فنکار دانشوروں اور متعصب مورخوں کی "کاریگری" کی قیمت آنے والی نسلوں نے اپنے ذہنوں کو تنگ نظر بنا کر اور اپنے خون کو بہا کر ادا کی' اور کر رہے ہیں—— اور نہ جانے کب تک ادا کرتے رہیں گے۔

لیکن شر کی تاریکی خواہ کتنی ہی مہیب کیوں نہ ہو اس کی یہ مجال نہیں کہ خیر کی حقیر ترین چنگاری کو دبا سکے۔ اور ایسا ہی ہوتا رہا کہ ایک طرف یہ ریا کار دانشور و مورخین زہر اور نفرت کی تخم ریزی کرتے رہے' تو دوسری طرف کچھ سعید روحیں حقائق کو سامنے لا کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے انسانیت کی خدمت کرتی رہیں اور حتی الامکان نفرت کی دیواروں کو ڈھا کر محبت اور بھائی چارہ کے راستے ہموار کرتی رہیں۔

ان نیک طینت مورخین کے قافلہ میں ڈاکٹر اوم پرکاش پرشاد شعبہ تاریخ یونیورسٹی بھی شامل ہو گئے ہیں۔ موصوف نے ہندوستانی تاریخ کی ایک مظلوم دید نام شخصیت اورنگ زیب عالم گیر کو انتہائی دیدہ ریزی اور مستند حوالوں کی روشنی میں اپنی کتاب "اورنگ زیب --- ایک نیا درشتی کونڑ" میں پیش کر کے نہ صرف اورنگ زیب پر معروضی مطالعہ کیا ہے بلکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی راستی کے رخ پر رہبری کی ہے۔

چونکہ یہ کتاب ہندی میں لکھی گئی ہے اس لئے اس کتاب سے صرف ہندی داں طبقہ ہی فیض اٹھا سکتا ہے۔ کتاب کی افادیت اور جس خلوص نیت سے اور نیک مقصد کے لئے لکھی گئی' ان سب باتوں کا تقاضا تھا کہ اس کا ترجمہ ہندوستان کی سب زبانوں میں کیا جائے۔ فی الحال اس کا اردو ترجمہ اردو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

فیضان رشید

دو لفظ

ہندوستان کی تاریخ نویسی میں کچھ ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہمیں کئی طرح کے اختلافات اور بے جا جانبداریاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر موریہ سمراٹ اشوک (1) کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا جائے کہ :۔

1- اس نے گدی حاصل کرنے کے اپنے سو (100) بھائیوں کو جان سے مار دیا۔

2- جنگ کلنگ میں اس نے ایک لاکھ لوگوں کو قتل کیا۔

3- اس جنگ میں اس نے ڈیڑھ لاکھ لوگوں کو قید کیا۔

4- وہ ایک کٹر مذہبی حکمران تھا کیونکہ اس نے بودھ دھرم کی تبلیغ اور توسیع کے لئے نہ کہ صرف اپنے رشتے داروں کو مقبوضہ علاقوں کے مختلف گوشوں میں بھیجا بلکہ اپنی حکومت کے افسران کو بھی اس کام میں لگا دیا اور مزید یہ کہ سرکاری خزانے کو استعمال کیا۔

5- اس کی مذہبی پالیسی نے برہمنوں کو کافی دکھ پہنچایا۔

تو کوئی بھی سادہ لوح قاری لازمی طور سے اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اشوک ایک برا اور ظالم حکمراں تھا۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں کوئی راجہ' شہنشاہ' سلطان یا بادشاہ ایسا نہیں ملتا کہ جس نے اشوک کی طرح اتنے بڑے پیمانہ پر قتل عام کیا ہو' دشمنوں کو قیدی بنایا ہو اور اپنے ذاتی مذہب کے لئے سرکاری خزانے کا استعمال کیا ہو۔

لیکن تاریخ میں اشوک کے بارے میں' متعدد اچھے اور رفاہی کاموں کا تذکرہ تاریخی حوالوں سے کیا گیا ہے جس کی بنیاد پر ایک عظیم شہنشاہ ہمیں اس کو ماننا ہی پڑے گا۔

لیکن دو عظیم شخصیتوں یعنی محمد بن تغلق اور اورنگ زیب کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں سلطان اور بادشاہ کے کافی اہم کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے

تاریخ کی کتابوں میں انہیں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ سلطان (محمد بن تغلق) ایک پاگل حکمراں اور بادشاہ (اورنگ زیب) ایک کٹر اور ظالم مسلمان کے روپ میں شناخت کیئے جانے لگے۔ جبکہ ان دونوں حکمرانوں کے عہد میں نہ تو اشوک کی طرح قتل عام ہوا نہ لاتعداد دشمن قیدی بنائے گئے' نا ہی مذہبی تبلیغ کے لئے سرکاری خزانہ' حکومت کی طاقت اور رشتہ داروں کا استعمال کیا گیا' محض اپنے ذاتی مذہب کو توسیع دینے کی خاطر!

مذکورہ بالا عناصر کو ذہن میں رکھتے ہوئے عالم مورخوں کے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ جب محمد بن تغلق اور تاریخ اورنگ زیب کے بارے میں لکھیں تو یہ حقیقت مدنظر رہنا چاہئے کہ وہ سمراٹ اشوک کی طرح صرف برے ہی نہ تھا بلکہ اچھے کاموں کے لئے بھی پہچانا جائے۔ اورنگ زیب دوسرے حکمرانوں کی طرح پہلے ایک بادشاہ تھا' پھر کسی مذہب کو ماننے والا' کامیاب حکمرانی کے لئے اس نے مختلف تجربات کیئے جن کے اچھے اور برے اثرات ہندو اور مسلمان دونوں پر پڑے۔

اورنگ زیب کے خلاف سب سے زیادہ متعصبانہ رویہ انگریزی عہد کے مورخوں نے اپنایا۔ ایلیٹ اور ڈاوسن (2) نامی دو انگریز مورخوں نے اپنی کتابوں میں مسلم سیاحوں کے سفرناموں اور مسلم مورخوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اپنے ترجمے میں ان مورخوں نے خاص طور سے اس بات کا دھیان رکھا کہ وہی باتیں انگریزی میں ترجمہ کی جائیں جن سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی' معاشی' سیاسی اور خاص طور سے مذہبی زاویہ نظر سے اختلاف پیدا ہوں' ان دونوں کے درمیان بعید بھاؤ بڑھتا رہے ــــــ انگریزوں نے اپنی عقل کے بل پر دنیا کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کیا اور ہمیشہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر یقین کیا۔ انگریزوں کی اسی پالیسی کا ایلیٹ اور ڈاوسن کی تحریروں پر کافی گہرا اثر پڑا۔ دوسرے مسلم حکمرانوں کی بات اگر یہاں نہ بھی کریں اور صرف اورنگ زیب پر دھیان دیں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسے مغلیہ عہد کا سب سے خراب بادشاہ ثابت کرنے کے لئے انہوں نے صرف اورنگ زیب کے اچھے کاموں کو کوئی مقام نہیں دیا بلکہ اس کی شخصیت میں داغ لگانے کے لئے غلط اور جھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر تاریخ کے ساتھ سخت ناانصافی کی۔

دوسری کتاب مشہور تاریخ داں جادو سرکار (سر جادوناتھ سرکار) (3) کی لکھی ہوئی ہندی اور انگریزی زبانوں میں موجود ہیں۔ ویسے "سر" کا خطاب انگریزوں نے زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو دیا جنھوں نے انگریزوں کے خیالات و بہبودی کا خیر مقدم دل کھول کر کیا۔ جادو ناتھ سرکار کی کتاب پڑھنے پر ہمیں بڑی دلچسپ باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ سرکار صاحب کوئی ایسا قدم اٹھانے سے باز نہیں آتے ہیں محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اورنگ زیب مغلیہ عہد کا بدترین بادشاہ تھا۔ جبکہ ہمیں ان ہی کی کتاب میں اورنگ زیب سے متعلق کافی اہم باتیں ایسی بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جن پر غور کرنے سے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ اتنا کٹر' ظالم اور متعصب نہیں تھا کہ جتنا بتایا گیا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے اگر ہم سرکار صاحب کی کتاب میں شائع اورنگ زیب کے "فرمانوں" کا مطالعہ کریں تو بات کافی حد تک سمجھ میں آ سکتی ہے۔

آشیروادی لال (4)' ایشوری پرشاد (5)' شری رام شرما (6)' آر۔ سی۔ مجمدار (7) اور وی۔ ایس۔ اسمتھ (8) وغیرہ جیسے مورخوں نے بھی وسطی عہد پر کچھ کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اورنگ زیب پر لکھتے وقت ان مورخوں نے بھی اپنے "جانبدارانہ" رویہ کا اظہار جانے یا انجانے میں کچھ اس انداز سے کیا کہ پڑھنے والے نے اسے ایک کٹر مسلمان اور ظالم بادشاہ ہی سمجھا۔

لیکن 1960ء کے آس پاس ہمیں کچھ ایسے غیر جانبدار اور صاف ذہن مورخوں کی لکھی ہوئی تحریریں اور کتابیں ملتی ہیں جن میں اورنگ زیب کے بارے میں کافی غیر جانبدارانہ باتوں کا علم ہوتا ہے۔ جن میں عرفان حبیب (9)' ایس نورالحسن (10) ہربنس مکھیا (11)' اطہر علی (12)' اور ستیش چندر (13) وغیرہ کے نام کافی اہم ہیں۔ عرفان حبیب نے اپنی کتاب اور دوسری سلجھی ہوئی تحریروں کے ذریعہ کچھ ایسے نکات اجاگر کئے ہیں جن کی بنیاد پر صاف ذہن لوگوں کی نہ صرف ہمدردیاں اورنگ زیب کے ساتھ ہوئیں' بلکہ جادو ناتھ سرکار اور دوسرے مورخین کی تحریروں کی کمزوریاں بھی ابھر کے سامنے آنے لگیں۔ (14)

ہربنس مکھیا (15) اپنی سلجھی ہوئی بے لاگ تحریر میں بتاتے ہیں کہ آر۔ سی مجمدار

اورنگ زیب کے ذریعہ توڑے ہوئے مندروں کا تذکرہ تو بڑے زور و شور سے کرتے ہیں لیکن ان حقائق پر چپ سادھ لیتے ہیں کہ اسی بادشاہ نے برہمنوں اور مندروں کو دان دیا جن کی مختصر تفصیل ڈاکٹر کے۔ کے دت کے ذریعہ لکھی گئی "سم فرمانس' سندس اینڈ پرواناز" نامی تحریر میں پائی جاتی ہے۔ کھیا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حکمرانوں کے ذریعہ توڑے گئے' مندروں کے تذکرہ کو تاریخ میں مقام ضرور دیا جائے لیکن صرف مسلمانوں ہی کے بارے میں نہ لکھا جائے بلکہ ان ہندو حکمرانوں کے بارے میں بھی لکھا جائے جنہوں نے ہندو مندروں کو برباد کیا۔ ان کا خیال ہے کہ اہل اور قابل تعریف وہی مورخ ہے جو کہ قدیم زمانے کے تذکرات میں ایک منصف مزاج جج کی طرح راست باز و غیر جانبدار رہے۔

ایک طرف سر جادو ناتھ سرکار اور انگریز مورخین بالخصوص ایلیٹ' ڈاوسن اور وی۔ اے۔ اسمتھ تاریخ کے معنی راجہ رانی' وزیر' درباری' امراء' ناچنے گانے والیاں اور راج دربار سے متعلق "تبرکات" سے لیتے ہیں۔ وہاں عرفان حبیب نے تاریخ کا مطلب تکنیکی ترقی' زراعت' صنعت و حرفت اور تجارت میں تاریخی تبدیلیوں کو خصوصی بنیاد بتایا ہے۔ انہیں بنیادوں کے بل پر عرفان حبیب نے اورنگ زیبی عہد کی خصوصیات کو اگلے اور پچھلے حکمرانوں کے ادوار سے مقابلہ کرتے ہوئے اورنگ زیب کی خوبیوں کو ثبوت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

اطہر علی نے ہندوؤں کے سب سے بڑے حمایتی کہلائے جانے والے بادشاہ اکبر اور ہندوؤں کے سب سے بڑے مبینہ دشمن اورنگ زیب کے عہدوں کے عہدیداران حکومت کی تفصیلات کی تحقیق دستیاب شہادتوں کی بناء پر کی ہے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ اکبر نے اپنے دوران حکومت میں سب سے زیادہ ہندوؤں کو نہیں نوازا ہے۔ اس نے حکومتی عہدوں پر اتنی تعداد میں ہندوؤں کا تقرر نہیں کیا جتنی تعداد میں اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں کئے۔

ایک تیسرے رخ کو اجاگر کرنے کا سہرا ستیش چندر کے سر جاتا ہے جنہوں نے جزیہ ٹیکس پر ایک غیر جانبدارانہ و سلجھی ہوئی تحریر شائع کی ہے۔ اپنی کتاب میں سب

سے پہلے بہت سلیقہ اور ٹھوس ڈھنگ پر انھوں نے اورنگ زیب کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی کمزوریاں اور خوبیاں بہت ہی سلجھے ہوئے اور متوازن انداز میں پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

رومیلا تھاپر (16) نے اپنی کتاب "مدھیہ کالین بھارت" میں انتہائی واضح اور ٹھوس الفاظ میں سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث بجائے اورنگ زیب کے اس زمانے کے سماجی و اقتصادی حالات اور اورنگ زیب کے جانشینوں کو مانا ہے۔

بپن چندر (17) نے اپنی کتاب "مدھیہ کالین بھارت" کے پہلے باب میں مغلیہ سلطنت کے زوال کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دنیا میں کسی عہد کے عروج و زوال کی ذمہ داری ایک فرد پر ڈالنا اسی حالت میں سچ ہو گا جبکہ تاریخ کو ہم راجہ رانی کی کہانی مان لیں۔

بی۔ این۔ پانڈے نے بھی خدا بخش خطبات میں اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ اب اورنگ زیب کے بارے میں ان حقائق کو بھی روشنی میں لانا چاہئے جنہیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

اورنگ زیب کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں ڈاکٹر بیدار صاحب ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری نے خاصا حصہ لیا۔ اور اپنا پیش قیمت وقت اصلی مسودہ کو پڑھنے میں دیا۔ ان کے قیمتی مشوروں نے مجھے اس مشکل کام کی تکمیل میں کافی ہمت افزائی کی۔ ورنہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ میں ڈاکٹر شمشاد حسین' ڈاکٹر جناردن پرشاد سنگھ' ڈاکٹر سمنت نیوگی اور دوسرے بزرگوں کا بیحد شکر گزار ہوں جنھوں نے پہلی دسمبر 1986ء کو خدا بخش لائبریری میں میرا اورنگ زیب کے بارے میں خطبہ سماعت فرما کے میری ہمت بڑھائی۔ پٹنہ کالج اور دوسرے کالجوں سے آئے ہوئے بیدار ذہن اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کا دل سے مشکور ہوں جنھوں نے 9 دسمبر 1986ء کو خدا بخش لائبریری میں میرے اورنگ زیب کے بارے میں مقالہ کو انتہائی نظم و ضبط اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔ ان طلباء کی تعداد تین چار سو کے قریب تھی۔

اس لکچر کے ہندی میں دو ایڈیشن (1987ء اور 1989ء) شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر اوم پرکاش پرشاد
شعبہ تاریخ' پٹنہ یونیورسٹی' پٹنہ

حوالہ جات

1- مزید مطالعہ کے لئے رومیلا تھاپر "اشوک تھا موریہ سامراجیہ کا پتن" دہلی 1977ء_
2- ایلیٹ اینڈ ڈاوسن' ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈبائی الس اون ہسٹوریننس" جلد 8 لندن 1887ء طبع ثانی کتاب محل الٰہ آباد 1964ء_
3- سر جادو ناتھ سرکار "ہسٹری آف اورنگ زیب (پانچ جلدیں) کلکتہ۔ "اے نکڈوٹس آف اورنگ زیب" کلکتہ 1942ء
4- میڈی ویل انڈین کلچر۔ آگرہ 1964ء
5- ہسٹری آف میڈی ویل انڈیا' الٰہ آباد 1948ء
6- مغل بادشاہوں کی مذہبی پالیسی' نئی دہلی 1967ء
7- دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیوپل' جلد 4- بھارتیہ ودیا بھون بمبئی 67-1947ء_
8- اکبر دی گریٹ مغل' آکسفورڈ' 1919ء
9- ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا : بمبئی 1963ء " ٹکنالوجی اینڈ اکونامی آف مغل انڈیا" دیو راج چنانا لیکچرس' دہلی 1970ء_ "دی کرنسی سسٹم آف دی مغل ایمپائر (1707-1566ء) میڈی ویل انڈیا کوارٹلی' IV (نمبر 1-2) علی گڑھ 1960ء
10- "زمیندارس انڈر دی مغلس۔" لینڈ کنٹرول اینڈ سوشل اسٹرکچران انڈین ہسٹری' ایل۔ ای۔ فریکنبرگ (ایڈیٹر) لندن 1969ء_ تھاٹس آن ایگریرین ریلیشنس ان مغل انڈیا' نیو دہلی 1973ء_
11- سامپرد ایکتا اور اتیہاس لیکھن' نئی دہلی۔
12- "مغل نوبیلٹی انڈر اورنگ زیب" بمبئی 1966ء_ "مغل سامراج کا انت۔" "مدھیہ کالین بھارت۔" عرفان حبیب شمارہ نمبر 1 دہلی 1981ء

13- "جزیہ اینڈ دی اسٹیٹ ان انڈیا ڈیورنگ دی سیون تینتھ (17th) سینچری۔" جرنل آف دی اکنامک سوشل ہسٹری آف دی اورنیٹ XII لندن 1969ء۔

14- عرفان حبیب، مدھیہ کالین ایتہاس لیکھن اور سامپرو ایک درشٹی کونتر، (وسطی عہد کی تاریخ نگاری اور فرقہ وارانہ نظریہ) "ترجمہ" اترادرھ (برائے جواب) شمارہ 29 جولائی 1987ء صفحہ 40 تا 46۔

15- رومیلا تھاپر، ہربنس کھیا اور وپن چندر "سامپروایکتا اور ایتہاس لیکھن (فرقہ واریت اور تاریخ نگاری) پیوپلس پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

16- رومیلا تھاپر، مدھیہ کالین بھارت (وسطی عہد کا ہندوستان) نئی دہلی 1970ء صفحہ 148 تا 174۔

17- وپن چندر۔ آدھونک بھارت (آج کا ہندوستان) نئی دہلی 1976ء صفحہ 1 تا 13۔

18- اڑیسہ کے سابق گورنر۔

پہلا باب

حالات زندگی

شاہجہاں اور ممتاز محل کی ساتویں اولاد---- نائب حاکم (صوبہ دار وغیرہ) کی حیثیت سے دس سال اور حکمراں کی حیثیت سے پچاس سال تک حکومت کرنے والا ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالم گیر (1658ء تا 1707ء) جسے جادو ناتھ سرکار (1) نے شعور' کردار اور حوصلہ میں ایشیا کے سب سے بڑے حکمرانوں میں مانا ہے' جس کی پیدائش گجرات کے شہر دوحد میں 24 اکتوبر 1618ء (ذیقعدہ 15 سن ہجری 1027) کو ہوئی- (2)

اورنگ زیب کو قرآن کا پورا علم حاصل تھا- عربی اور فارسی زبانوں کا بھی عالم تھا- اس کے گھرانہ میں ہندی زبان کا استعمال ہوتا' بے شمار مقبول عام ہندی کہاوتیں اورنگ زیب کو یاد تھیں اور دوران گفتگو ان کا وہ استعمال بھی کرتا تھا- غیر حقیقی مبالغہ آمیز اور خوشامدانہ ادبیات سے اسے نفرت تھی- چینی مٹی کے برتن' کرونده اور سپاری اسے بہت پسند تھے- خزانہ کا استعمال تعمیرات پر کرنا اس نے پسند نہیں کیا- رفاہ عام کی خاطر اس نے بہت سی سرائیں بنوائیں- چودہ سال کی عمر میں ہاتھیوں کی لڑائی کے سلسلہ میں وہ ایک ہاتھی پر اس وقت حملہ آور ہو گیا' جبکہ تمام شہزادے وہاں سے ڈر کر بھاگ گئے تھے' اور جب اس کے والد شاہجہاں نے اس کی ہمت اور بہادری کے لئے پیار بھرے لہجہ میں ڈانٹا تو نوعمر اورنگ زیب نے کہا "لڑائی میں اگر میں مارا جاتا تو ڈر کر بھاگ جانے سے تو اچھا ہی تھا-" 13 دسمبر 1634ء کو اورنگ زیب نے دس ہزاری (دس ہزار گھڑسوار فوج کی کمان) کا شاہی منصب حاصل کیا- (3)

اورنگ زیب کی چار بیویاں دلرس بانو' رحمت النساء' اورنگ آبادی اور اودے

پوری تھیں۔ اورنگ زیب ہیرا بھائی (زین آبادی) کی شوخی' رعنائی' موسیقی اور خوبصورتی سے متاثر تھا۔ اس کی اس محبوبہ کی وفات جوان العمری میں ہو گئی تھی۔ غالباً اپنی محبوبہ کی موت کے غم کو وہ تمام زندگی نہیں بھلا سکا۔

گجرات کی صوبہ داری دو سال کرنے کے بعد اورنگ زیب 21 جنوری 1647ء کو بلخ اور بدخشاں کا صوبہ دار اور سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ اس صوبہ کا سلطان نذر محمد خاں ایک نااہل اور کمزور حکمراں تھا۔ اس حکمراں کو زیر کرنے کے لئے شاہجہاں نے فوجیں بھیجیں۔ جب کامیابی نہیں ملی تو اورنگ زیب کو بھیجا گیا۔ کافی استقلال' مضبوطی اور نظم و ضبط کے ساتھ طاقتور دشمن کا اورنگ زیب مقابلہ کرتا رہا۔ نماز کا وقت ہونے پر میدان جنگ میں ہی چادر بچھا کر وہ جب نماز پڑھنے لگا تو بخارا کی فوج یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہاں کا طاقتور حکمراں عبدالعزیز چلا اٹھا۔ "لڑائی بند کر دو' ایسے آدمی سے لڑنا اپنی ہی تباہی کو دعوت دینا ہے۔" (4)

بلخ کی اس چڑھائی کے بعد اورنگ زیب 1648ء سے 1652ء تک ملتان اور سندھ کا صوبہ دار رہا۔

اپنی جغرافیائی حیثیت اور اقتصادی اہمیت کی وجہ سے مغربی سمت سے آنے والے راستہ کے باب خاص پر واقع ہونے اور جنوب سے کابل کو جانے والی راہ کو روکنے والا قندھار ہندوستان اور فارس کے حکمرانوں کے درمیان کشمکش کا ایک خاص سبب بن گیا تھا۔ اس پر قابض ہونے کے لئے پہلا محاصرہ 14 مئی 1649ء کو اورنگ زیب اور وزیر سعداللہ خاں کی کمان میں پچاس ہزار فوجیوں نے کیا لیکن کامیابی نہیں ملی۔ دوسرا محاصرہ 2- مئی 1652ء کو اورنگ زیب اور سعداللہ خاں کی کمان میں پھر کیا گیا لیکن دوبارہ ناکامی ہوئی۔ شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بہت ڈانٹا اور نااہلی کی اس الزام تراشی کا نتیجہ بادشاہ کو اگلے ہی سال مل گیا' جب پہلے سے بھی زیادہ دولت خرچ کر کے اور کافی تیاری کے باوجود قندھار کے حملہ میں بری طرح ہار کھا کر داراشکوہ کو واپس ہونا پڑا۔ (5)

قندھار سے اورنگ زیب کابل لوٹا اور 1652ء میں دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا' اس سے پہلے جب 1644ء میں اس نے دکن کی صوبہ داری چھوڑی تھی تب سے وہاں

امور سلطنت میں اصلاح اور ترقی نہیں ہو سکی تھی۔ (6) اس مرتبہ دکن کی صوبہ داری سنبھالتے ہی اس نے زمین کا بندوبست کیا۔ اس کے وضع کئے ہوئے مالگذاری ضابطہ کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ (7) بوڑھے اور نااہل افسران کو ہٹا کر بھروسہ مند اور باصلاحیت افراد کا دکن میں اس نے تقرر کیا۔ اس کے ذریعہ کئے گئے قابل تعریف بندوبست سے تقریباً پچاس ہزار سالانہ کی بچت ہوئی۔ (8)

اورنگ زیب نے 1656ء میں گول کنڈہ' 1657ء میں بیجاپور وغیرہ علاقوں پر کامیاب حملے کئے۔

شاہجہاں اپنا جانشین داراشکوہ کو بنانا چاہتا تھا اور اس مقصد میں سب سے بڑی رکاوٹ اورنگ زیب کو سمجھتا تھا' اس لئے اورنگ زیب کو کسی نہ کسی مسئلہ کو سلجھانے کے بہانے دربار سے دور ہی رکھتا۔ ادھر طرح طرح کے مسائل سے ٹکرانے کے نتیجہ میں اورنگ زیب کی صلاحیتوں میں تیزی سے نکھار آتا گیا۔ دارا کو سلطنت کا جانشین بنانے اور انتظام سلطنت سے پوری طرح آگاہ کرنے کے لئے شاہجہاں اسے کئی سال سے اپنے پاس ہی رکھتا رہا۔ داراشکوہ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ وہ ایک بادشاہ سے کم نہیں تھا۔ شاہجہاں سے ملنے کے لئے کسی کو بھی دارا سے اجازت لینا لازمی تھا۔ باپ کے اس پیار کے سبب داراشکوہ امور جنگ و حکومت کا تجربہ حاصل نہیں کر سکا۔ صحیح آدمی کی پہچان کی اہلیت کا فقدان داراشکوہ میں پایا جانا فطری تھا۔ افواج سے اس کا کوئی ربط نہیں تھا۔

6 ستمبر 1657ء کو شاہجہاں دہلی میں بیمار پڑا اور 26 اکتوبر کو اسے آگرہ لایا گیا' اپنے باپ کے نام پر دارا نظام حکومت چلاتا رہا۔ اس دوران اورنگ زیب کے معتمد ساتھی میر جملہ کو اس نے وزیر کے عہدہ سے ہٹا دیا۔ دارا کے اس رویہ سے اورنگ زیب کے علاوہ باقی دونوں بھائیوں کو بھی گدی کے سلسلہ میں فکر ہونے لگی۔ اسی دوران یہ خبر ملی کہ دارا سے چھوٹا بھائی شجاع اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر کے بنگال سے دہلی کی سمت بڑھا آ رہا ہے۔ شاہجہاں کی اجازت سے بائیس ہزار فوجی شجاع کو شکست دینے کے لئے بھیجے گئے۔ پھر شاہجہاں کو خبر ملی کہ اس کے بیٹے شہزادہ مراد نے گجرات میں خود

مختاری کا اعلان کر دیا اور اورنگ زیب سے مل گیا ہے۔ چنانچہ گجرات سے مراد اور دکن سے اورنگ زیب کے حملوں کو روکنے کے لئے دارا نے مضبوط فوجی بندوبست کیا۔

مندرجہ بالا واقعات سے شاہجہاں کا مکمل جانب دارانہ رویہ جھلکتا ہے جو ایک باپ اور بادشاہ کے لئے مناسب نہیں تھا۔ شاہجہاں کی دارا کے لئے جانبداری کو ہم بادشاہ کا حق مانیں تو ہمیں اس کے انجام کے بارے میں بھی احتیاط اور غیر جانبداری سے غور کرنا ہو گا۔ اس وقت تک راج گدی سے متعلق پیدا شدہ مسائل کی جانچ یا سب لڑکوں کو سمجھانے کے بجائے دارا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہی شاہجہاں ہی نہیں بلکہ اس صورت میں کسی بھی بادشاہ کے لئے خود کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کا باعث ہو سکتا تھا۔ باوجود اس کے ہمیں اورنگ زیب کے تحمل کا علم ہوتا ہے۔ مراد یا شجاع سے پہلے اورنگ زیب نے بغاوت نہیں کی۔ شاہجہاں کو ایک بادشاہ ہونے کے ناطے' اسے ایک بیٹے سے زیادہ گدی کی مضبوطی پر دھیان دینا چاہئے تھا۔ گدی کی حالت ٹھیک رہتی تو کمزور اور نااہل بیٹا بھی کچھ دنوں تک موج کر ہی سکتا تھا اور گدی کے استحکام کے لئے مخالفین کی تعداد میں کمی لازمی تھی۔ مخالفین کی تعداد کو کم کرنے کے لئے ایک ایسے ماحول کی ضرورت تھی جس میں دارا اس قابل ہوتا کہ اپنے باقی سب بھائیوں پر اقتدار پالیتا۔ اگر یہ ممکن نہیں تھا تو شاہجہاں ایسا ماحول بناتا کہ دارا کے گدی نشین ہونے کے لئے اس کے باقی بیٹے خود رضا مندی دے دیتے۔ لیکن مندرجہ بالا ساری باتیں کبھی نہیں ہو پائیں' کیوں کہ شاہجہاں نے دارا کی طرفداری کا قدم ابتدا سے ہی اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اورنگ زیب کی بہترین صلاحیتوں سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود وہ نہ تو دارا کو زیادہ باصلاحیت بنانے کے لئے کوشاں ہوا اور نہ ہی اورنگ زیب کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی جستجو کی۔ اس نے مراد کو خط لکھا تھا کہ "اگر وہ اورنگ زیب کو قتل کر دے تو اسے ہی بادشاہ بنا دیا جائے گا۔" (9) مراد کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے جو شرط شاہجہاں نے رکھی' وہ پوری ہوئی یا نہیں' لیکن اتنا طے ہو جاتا ہے کہ شاہجہاں اورنگ زیب کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ اس چال کے سہارے بھی اگر شاہجہاں مراد اور شجاع کو

اپنی طرف ملانے کی صلاحیت رکھتا' تو شاید اورنگ زیب کی صلاحیت کو چیلنج کیا جا سکتا تھا' لیکن ایسا نہیں ہوا' بلکہ دارا کے علاوہ باقی بیٹوں نے باپ اور دشمن میں کوئی فرق نہیں سمجھا۔

ہندوستانی تہذیب کے تناظر میں باپ کو قید کرنا اور بڑے بھائی کا قتل ظلم کا مظہر ہو سکتا ہے اور بڑی حد تک تاریخ بھی اس فعل کو اچھا نہیں مان سکتی' لیکن ایسا تسلیم کر لینا اس صورت میں جانبداری پر مبنی ہو گا جب ہم پہلے کے واقعات پر غور کئے بغیر صرف اورنگ زیب کو قصور وار قرار دیں۔ اپنے باپ کو مار کر مگدھ کے راجہ اجات شترو اور 99 بھائیوں کو مار کر گدی حاصل کرنے والے موریہ شہنشاہ اشوک جیسے متعدد حکمراں ہمیں تاریخ کے صفحات میں مل جائیں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنی ذات سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔

اورنگ زیب نے بچپن سے ہی جس بہادری کا مظاہرہ کیا اس پر کسی بھی باپ کو ناز ہونا چاہئے تھا۔ عیش و آرام اور کور یقینی سے دور رہ کر بچپن گذارنے والے اورنگ زیب کو راجدھانی سے دور رکھا گیا۔ ناتجربہ کار' آرام طلب اور بے بنیاد باتوں پر یقین کرنے والے دارا کو تخت نشین کرنے کی شاہجہاں کی خواہش سیاسی ماحول کو آخر کس نتیجہ پر پہنچاتی۔ مگدھ کے راجہ اجات شترو نے یہ محسوس کیا کہ اس کا باپ بدھ مذہب سے متاثر ہو کر گوتم بدھ کی مانند گدی چھوڑ دے گا اور خزانہ کو مفلسوں اور مذہبی لوگوں میں تقسیم کر دے تو اس نے جلد سے جلد اپنے باپ کو مار کر گدی حاصل کر لی۔ اورنگ زیب سالہا سال تک دشمنوں سے ٹکراتے ہوئے سلطنت کو وسیع اور مضبوط کرتا رہا' پھر بھی شک اور نفرت کا نشانہ بنا رہا۔

شاہجہاں کی خواہش اور جان لیوا بیماری کی خبر سن کر اورنگ زیب اپنے قابل اعتماد قاصدوں کے ذریعہ مراد کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب رہا۔ ان دونوں نے دارا کی مخالفت میں شجاع کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی' لیکن کافی دور رہنے کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔

قرآن کو گواہ مان کر اورنگ زیب نے سلطنت کے بٹوارہ کا ایک مسودہ تیار کیا جس

کی رو سے پنجاب' افغانستان کشمیر اور سندھ مراد کو دینے کا فیصلہ کیا گیا جس پر وہ ایک خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا۔ مغل سلطنت کا باقی حصہ اورنگ زیب کے قبضہ میں ہوتا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ لڑائی میں حاصل ہوئے مال غنیمت کا ایک تہائی حصہ مراد کو اور باقی دو تہائی اورنگ زیب کو ملتا۔ (10) مراد تمام فوجی طاقت کو ساتھ لے کر 14- اپریل 1658ء کو مالوہ کے پاس دیپال پور میں اورنگ زیب سے جا ملا۔

جادو ناتھ سرکار کے مطابق بیجاپور کی لڑائی کے خاتمہ (4- اکتوبر 1657ء) سے لے کر تخت حاصل کرنے (25 جنوری 1658ء) تک کا زمانہ اورنگ زیب نے کافی پریشانیوں اور تفکرات میں گزارا۔ (11) حادثات بڑی تیزی سے رونما ہوتے رہے جنھیں روکنا یا کسی طرح ٹالنا اورنگ زیب کے لئے ممکن نہیں تھا۔ مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے تھے اور اس کا مستقبل بالکل تاریک تھا۔ اس وقت جن چھوٹی بڑی مشکلات پر اس نے قابو پایا وہ سب ہمیں اس کے تحمل' ہوشیاری' چستی' فوج منظم کرنے کی صلاحیت اور اصول پرستی کی تعریف کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

شاہجہاں کے وفات پانے سے پہلے اورنگ زیب نے بغاوت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا' لیکن تیزی سے رونما ہونے والے واقعات نے اسے دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جنوری 1658ء کے لگ بھگ اس نے اپنا سارا پروگرام طے کر لیا خفیہ طریقہ سے راجدھانی کے درباریوں اور صوبوں کے اعلیٰ عہدیداروں سے مل کر اورنگ زیب خفیہ تدبیریں کرنے لگا۔ اپنی اہلیت اور تجربہ کے لئے چاروں بھائیوں میں اسی کی شہرت تھی۔ بہت سے سردار اور اعلیٰ افسران اسے ہی مستقبل کا بادشاہ ماننے اور حمایت کرنے کے لئے بے چین رہتے۔ تیس (30) ہزار فوج اور سامان حرب کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب کے پاس لائق عہدیداروں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ دکن کی صوبہ داری کے زمانہ میں اس نے اچھے کارندوں کی جمعیت بنا لی تھی جو اس کے لئے جان تک دینے کو تیار رہتے۔

گدی حاصل کرنے کے لئے اورنگ زیب 5- فروری 1658ء کو روانہ ہوا' راستہ میں دونوں بھائیوں مراد اور شجاع کی فوجیں بھی مل گئیں۔ مغل سردار جے سنگھ نے

اورنگ زیب کو روکنا چاہا لیکن آپسی بدگمانی' پلاننگ کی خرابی (ناقص منصوبہ بندی)' ناتجربہ کاری اور تنگ مزاجی کے باعث نیز بہتر ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے وہ اورنگ زیب سے ہار گیا۔ اورنگ زیب کی فوج میں بہترین انگریز توپچیوں کے ہونے سے شاہجہاں کے سپہ سالار جے سنگھ کا ہارنا یقینی تھا۔ شاہجہاں کے تقریباً 6 ہزار فوجی مارے گئے۔ اورنگ زیب اب آگرہ کے پاس پہنچ گیا۔ دارا اپنی پوری تیاری کے ساتھ اورنگ زیب سے مقابلہ کرنے نکلا اور اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگا اور شام ہوتے دونوں کی طرف فوجیں واپس ہو گئیں۔ اگر دارا اسی وقت حملہ کر دیتا تو اورنگ زیب ہار سکتا تھا کیونکہ لمبی دوری طے کرنے کی وجہ سے اس کی فوجیں کافی تھک گئی تھیں۔ رات بھر آرام کے بعد اورنگ زیب کی فوجیں پھر سے تازہ دم ہو گئیں۔ پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ دارا نے جنگ شروع کی اور آخر میں اورنگ زیب کا سامنا کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دارا کے دس ہزار فوجی مارے گئے۔ ساموگڑھ کی لڑائی کے بعد اورنگ زیب نے یہ کہتے ہوئے مراد کو مبارک باد دی کہ یہ جیت مراد کی بہادری کا نتیجہ تھی اور مراد کے دور حکومت کی ابتدا اسی دن سے ماننا چاہیئے۔

اب شاہجہاں کی اورنگ زیب نے کھل کر مخالفت شروع کر دی۔ آگرہ کو فتح کر کے وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لئے اس نے اپنے لڑکے محمد سلطان کو بھیجا۔ آگرہ کے قلعہ میں بند ہو کر شاہجہاں وہیں سے اورنگ زیب کے خلاف حملہ کی تیاری کرنے لگا اورنگ زیب نے قلعہ کا محاصرہ کر لینا مناسب سمجھا اور دشمنوں کی طاقت کمزور کرنے کے لئے اس نے قلعہ کی دشمن فوج کے لئے پینے کا پانی حاصل کرنے کے ذرائع بند کرا دیئے۔ اس صورت میں شاہجہاں نے تین دن تک قلعہ کا دروازہ بند رکھا اور آخرکار اورنگ زیب کی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔ اورنگ زیب شاہجہاں کے خلاف خون کی ندیاں بہا سکتا تھا لیکن ایسا نہ کر کے شاہجہاں کو محل کے اندر قید کر دیا۔ شہزادی جہاں آرا بہن ہونے کے ناطے اورنگ زیب کو منانے اور اس پر اپنا اثر ڈالنے آئی اور سلطنت کو چاروں بھائیوں میں تقسیم کرنے کی تجویز رکھی' لیکن اورنگ زیب نے جہاں آرا کی اس تجویز کو قطعی تسلیم نہیں کیا۔ جہاں آرا کی بات شاہجہاں کے حق میں جاتی۔

ایک باپ ہونے کے ناطے اسے چاروں لڑکوں کے حق میں ہونا بھی چاہیئے تھا اور اگر ایسا ہوتا تو شاید شاہجہاں کو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔

ادھر غلط مشیروں کے بہکاوے میں آ کر مراد اورنگ زیب کی کھلے عام مخالفت کرنے لگا۔ اورنگ زیب نے مراد کو 233 گھوڑے اور بیس لاکھ روپیہ دے کر اس کے شک کو ختم کر دیا' لیکن خفیہ طریقہ سے معلوم ہوا کہ گدی حاصل کرنے میں مراد اورنگ زیب کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے مراد کو بلوا کر کافی شراب پلائی اور اس کے سارے ہتھیار چھین کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ یہاں ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اگر اورنگ زیب چاہتا تو دھوکے سے شاہجہاں اور باغی مراد دونوں کو قتل کرا سکتا تھا' اس لئے کہ تمام طاقت اس کے ہاتھ میں آ چکی تھی' لیکن جیسا اوپر بھی بتایا گیا ہے وہ ہمیشہ تحمل اور تدبیر سے کام لیتا تھا۔ گوالیار کے قلعہ میں مراد تین سال تک زندہ رہا اور 4 دسمبر 1661ء کو دو غلاموں نے اسے مار ڈالا۔

5 جون 1658ء کو دارا دہلی پہنچا اور اورنگ زیب کے خلاف دوبارہ فوجی تیاری کرنے لگا۔ اس نے لاہور میں بیس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج اکٹھی کی۔ اورنگ زیب بھی دارا کا پیچھا کرتا رہا۔ 23- اکتوبر 1658ء کو دارا سیہوان بھاگ گیا اور وہاں بھی جب اورنگ زیب سے اس کا پیچھا نہیں چھوٹا تو 13 نومبر کو ٹھٹھہ جا پہنچا۔ پھر 16 نومبر کو وہ گجرات کی طرف بھاگا' اور اورنگ زیب نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

اسی دوران دارا فوجی تیاری کرنے لگا اور کئی مشہور راجپوت اور دوسری طاقتوں کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ کھجوا میں مرزا راجہ جے سنگھ کی مدد سے اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو اپنی طرف ملا لیا۔ کافی تیاری کے ساتھ دارا اور اورنگ زیب کی فوجیں آپس میں ٹکرائیں' فیصلہ حسب سابق ہوا دارا پھر بھاگا اور ایک افغانی سردار نے دھوکے سے دارا' اس کے چھوٹے لڑکے اور اس کی دونوں لڑکیوں کو قید کر کے اورنگ زیب کے ایک عہدیدار بہادر خاں کے سپرد کر دیا' اورنگ زیب نے دارا کی قسمت کے فیصلہ کے لئے اپنے وزیروں سے خفیہ مشورہ کیا۔ برنیئر کے سرپرست دانش مند خاں نے اس کی جان کی حفاظت کی سفارش کی لیکن شائستہ خاں' بہادر خاں اور حرم میں بیٹھی چھوٹی بہن

روشن آرا نے سلطنت کی بھلائی کی خاطر دارا کے قتل کی حمایت کی۔ علمائے اسلام نے بھی دارا کے قتل کی تائید کی۔

اس دوران شجاع نے ایک اور فوج منظم کر لی تھی اور تخت حاصل کرنے کی جانب ایک اور کوشش کرنے کے لئے الٰہ آباد سے آگے تک بڑھ آیا تھا۔ لیکن 5 جنوری 1659ء کو اورنگ زیب کی فوجوں نے اسے کھجوا کے پاس ہرا کر بنگال کی طرف واپس بھگا دیا اور خشکی اور تری پر دو سال تک جنگ کے بعد 12 مئی 1660ء کو اسے وہاں سے بھاگ کر اراکان جا کر پناہ لینے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ یہاں جس برمی راجہ کی مہمانی کے سہارے وہ رہ رہا تھا اسی کے خلاف ہنگامہ کرنے کے الزام میں اس کے اہل و عیال کو قتل کر دیا گیا۔ کچھ لوگوں کے ساتھ وہ جنگل میں بھاگا جہاں ماگھ لوگوں نے اسے مار ڈالا۔

مندرجہ بالا تمام مسائل اور مشکل حالات سے مقابلہ کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد اورنگ زیب کو گدی ملی اس کی حکمرانی کی مدت پچاس سال اور اگر صوبہ داری کے عہد حکومت کو جوڑ دیا جائے تو ساٹھ سال ہوتی ہے۔

حوالہ جات

1- اورنگ زیب (1618ء تا 1707ء) وارانسی' 1970ء بھومیکا (دیباچہ) صفحہ نمبر 3

2- پنچ محال ضلع میں دوحد ایک بڑا شہر تھا۔

3- جادو ناتھ سرکار' اورنگ زیب (1618ء تا 1707ء) صفحہ نمبر 11

4- ایضاً صفحہ نمبر 19-20

5- کالیکا رنجن قانون گو "داراشکوہ" دوسرا ایڈیشن صفحہ 21-45 اسی کتاب کے مطابق قندھار پر فتح حاصل کرنے کے لئے داراشکوہ جادوگروں اور ماہرین عملیات کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اندر گری نامی ایک عامل داراشکوہ سے یہ کہہ کر کافی دولت اینٹھ رہا تھا کہ چالیس موکلوں کی مدد سے وہ قندھار کو برباد کر دے گا۔ ایک مخصوص رات میں وہ داراشکوہ سے دو ویشیا' ایک بھینس' ایک مینڈھا' پانچ عدد مرغ اور روپیہ پیسہ وغیرہ لے کر جادوئی طاقت جگانے کے لئے

کسی پر سکون مقام پر چلا گیا۔ قندھار کا تو کچھ بھی نہیں بگڑا البتہ اندر گری جیسے کتنے ہی بہروپیوں نے داراشکوہ سے کافی دولت اینٹھی۔ (کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ داراشکوہ کو ہندو تنتر منتر میں یقین تھا۔ لیکن اس سے اس کی بے وقوفی جھلکتی ہے۔)

6- جادو ناتھ سرکار ایضاً صفحہ نمبر 24

7- ایضاً ص 25

8- ایضاً ص 28

9- تاریخ شاہ شجاع 73 بی اور 90 اے' انڈیا آفس۔

10- آداب عالمگیری 78 جادو ناتھ سرکار ص 47 سے ماخوذ برنیئر کے مطابق دارا کو شکست دینے کے بعد مراد کو تمام حکومت سپرد کر کے اورنگ زیب نے فقیری اختیار کرنے اور مکہ چلے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ جادو ناتھ سرکار ایضاً ص 47

11- جادو ناتھ سرکار' ایضاً ص 47-

دوسرا باب

اورنگ زیب اور اس کا نظریہ

شاہراہ تاریخ عہد وسطیٰ سے عہد جدید کی طرف مڑتی ہے- اسی موڑ پر اورنگ زیب کی عظیم شخصیت ہندوستان کی سبھی سمتوں سے دکھائی دیتی ہے- ہندوستان کی تاریخ میں تین بادشاہوں موریہ شہنشاہ اشوک' محمد بن تغلق اور اورنگ زیب کی سلطنت وسیع ترین رہی- (1) بہت سے دانشوروں نے مغل سلطنت کے زوال کے لئے اورنگ زیب کو قصور وار ٹھہرایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دور مغلیہ کا سب سے ظالم بادشاہ بھی- مغل سلطنت کی بقا کے لئے اسے اپنے بیٹوں کو جس قدر تربیت یافتہ بنانا چاہئے تھا نہیں بنایا اور نہ ہی خاندان کے لوگوں پر کبھی بھروسا کیا- اورنگ زیب کی جو تصویر ان دانشوروں نے پیش کی ہے' اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ:

1- گدی کے لالچ میں اپنے باپ شاہجہاں کو قید میں ڈال دیا-

2- وہ اتنا ظالم تھا کہ اپنے بھائی دارا شکوہ کو جان سے مار دیا-

3- اپنی سلطنت کو اتنا وسیع کیا کہ اس کا زوال یقینی ہو گیا' یعنی سلطنت کو وسیع کرنا مناسب نہیں تھا-

4- وہ ایک ناعاقبت اندیش بادشاہ تھا کیونکہ کتنے ہی سال اس نے دکن کی بغاوتوں کو دبانے میں برباد کئے اور ناکام رہا-

5- جاٹ' سکھ اور مرہٹوں کی بغاوتوں کو تو وہ ختم کر ہی نہیں سکا- دکن کے مسلمان اس کے ظلم سے تنگ آ کر مرہٹوں سے مل گئے-

6- ہندوؤں پر اس نے کبھی بھروسہ نہیں کیا اور اہم عہدوں پر صرف مسلمانوں کا تقرر کیا-

7- ذاتی مقصد بر آری کے لئے وہ شیعوں کا بھی دشمن بن گیا۔

8- مذہبی نظریہ کے تحت اس نے بے شمار ہندوؤں کو جبراً" مسلمان بنایا۔

9- اس کے عہد میں سب سے زیادہ ہندو مارے گئے۔

10- ہندوستان کے سبھی مشہور مندروں کو نہ صرف لوٹ کر برباد کیا بلکہ بہت سے مندروں کو توڑ کر ان پر مسجدیں بنا دیں۔

11- اس کے زمانہ میں ماتحت حکام کافی پریشان رہے۔

12- ہندوؤں پر اس نے جزیہ لگایا اور نہ دینے والے جبراً" مسلمان بنا دیئے گئے۔

اورنگ زیب کی شخصیت میں بتائی گئی مندرجہ بالا خرابیوں پر غور کریں' اس سے پہلے ان برائیوں پر تنقیدی نظر ڈالنا ضروری لگتا ہے۔ کسی بھی حکمراں یا عہد کا ادھورا مطالعہ کرنا جانب دارانہ مطالعہ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ وسعت نظری اور غیر جانبدارانہ ڈھنگ سے کرنا انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔

ہندوستان کی مشہور مگدھ سلطنت کا حکمراں ۔بمبسار بدھ مذہب سے اتنا متاثر تھا کہ حکمرانی کا اس کا شوق ہی ختم ہو گیا۔ گوتم بدھ کے جمہوری خیالات سے وہ کافی متاثر تھا۔ اس کا بیٹا اجات شترو اپنے باپ کے اس خیال سے اتنا ناراض ہوا کہ ۔بمبسار کو جان سے مار کر وہ راجگیر میں مگدھ سلطنت کا حکمراں بن بیٹھا۔ (2)

اپنے ایک بھائی کو مارنے پر اورنگ زیب کو ظالم کہا گیا' لیکن بودھ ذرائع کے (3) مطابق موریہ شہنشاہ (اشوک) نے اپنے 99 بھائیوں کو مار کر گدی حاصل کی۔ سوواں اور سب سے چھوٹا بھائی تِس کو پہلے تو چھوڑ دیا گیا اور بعد میں حکومت پر قبضہ کرنے کا الزام (4) لگا کر اسے بھی مروا دیا۔ (5) کلنگ کی لڑائی میں اس نے ایک لاکھ آدمیوں کو مارا اور ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کو قیدی بنایا۔ "اسو کاوواں" کے مطابق اشوک نے بدھ مٹھوں میں رہنے والے سبھی مذہبی پیشواؤں کے قتل کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ سب تارک مذہب تھے۔ (6) ایک بار "حرم سرا" کی عورتوں نے اسے بدصورت بتایا تو پانچ سو عورتوں کو زندہ جلوا دیا اور وہ "چانڈ اشوک" یعنی ظالم اشوک کہلایا۔ (7) اس نے ایک ایسا مقام مخصوص کیا اور ایسے آلات اور افراد کا تعین کیا جن کا کام بے قصور لوگوں کو

پکڑ کر سخت ایذائیں پہنچاتا تھا۔ ان جہنم نما مقامات کی دیکھ بھال خود کیا کرتا تھا۔ (8) ایک سات سال کے بھکشو نے (9) اشوک کو بودھ بنایا اور اسی بھکشو کے کہنے پر اس نے بدھ مذہب کی مخالفت کرنے والے برہمنوں کو قتل کرا دیا۔ (10)

مندرجہ بالا کارناموں کے باوجود دانشوروں نے اشوک کو امن پسند اور عظیم شہنشاہ کے خطابات سے نوازا ہے۔ تارا ناتھ کے خیالات کو تسلیم کرتے ہوئے رومیلا تھاپر بتاتی ہیں (11) کہ کتنے ہی سال اشوک نے آرام طلبی کی زندگی گزارے' اور دھما شوک (مذہبی) چانڈ اشوک (خونریز) کے علاوہ کاما شوک (نفس پرست) بھی کہلایا۔

بودھ ماخذ میں بیان کردہ مندرجہ بالا باتوں کو اشوک نوازوں نے من گھڑت اور پران میں ملنے والی کہانیوں کے مانند بتایا لیکن یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ اشوک کی حمایت میں جس قدر باتوں کی معلومات اس کے کتبوں سے ہوتی ہیں' وہ سب درست ہیں' یہ کس طرح سمجھ لیا جائے؟

موریہ سلطنت کے برہمن سپہ سالار پشیہ مترشنگ نے آخری موریہ بادشاہ ورہ درتھ کو جان سے مار کر شنگ خاندان کی بنیاد ڈالی۔ برہمن مذہب کی ترقی کے لئے نہ صرف اس نے بہت سی بدھ عبادت گاہوں کو برباد یا بے شمار بودھوں کو قتل کیا' بلکہ ایک فرمان جاری کر دیا (جس کی رو سے) جو کوئی اسے ایک بدھ بھکشو کا سر کاٹ کر پیش کرتا اسے سو دینار کا انعام دیا جاتا۔ (12)

کسی بھی حکمراں کا پہلا فرض سلطنت کو وسیع کرنا ہوتا ہے اور یوں تو چھوٹی سے چھوٹی سلطنت بھی بڑی سلطنتوں کی طرح برباد ہو جاتی ہے۔

جاٹ' سکھ' مرہٹوں اور راجپوتوں کی بغاوتوں کی بنیاد پر اورنگ زیب کو انتظام حکومت کے معاملہ میں اس کی انتظامی کمزوری یا اسے خارج از عقل بادشاہ کہنا مناسب نہیں لگتا کیونکہ پہلے کے واقعات اور الجھنوں پر دھیان نہ دے کر موجودہ ہندوستان ہی پر دھیان دینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آسام' پنجاب' نکسلواد' گورکھا لینڈ وغیرہ مسائل سے متعلق گرم ہوائیں چلتی رہی ہیں اور آج بھی چل رہی ہیں۔ ان مسئلوں کے لئے محض راجہ' وزیر' وزیراعظم یا سرکار کو مورد الزام ٹھہرانے سے پہلے متنازعہ

اسباب پر کافی گہرائی سے سوچنے اور غور کرنے کے بعد ہی ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

اورنگ زیب کی مخالفت کرنے والے مورخین نے یہ جو کہا ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں پر بھروسا نہیں کیا تو کیا یہ لوگ بھی ہندو تھے۔ دکن سے متعلق حکمت عملی دراصل اورنگ زیب کی توسیع پسندی کو ظاہر کرتی ہے نہ کہ زوال پذیری کو۔ زیادہ تر مغل بادشاہوں کو ہم گدی کے آس پاس ہی منڈلاتا ہوا پاتے ہیں جبکہ اورنگ زیب بیماری کی حالت میں بھی اپنی صوبائی سالمیت کے لئے دوڑتا رہا' (13) دکن میں ہو رہی بغاوتوں کو دبانے میں ناکام رہنے کے باوجود وہ جنوبی ہند کو آزادی دینے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ چاہتا تو دکن کے باغیوں کو خراج دینے پر راضی کر کے انہیں دوسرے بادشاہوں کی طرح خودمختار بنا سکتا تھا۔ لیکن دکن کو اس نے ہمیشہ کل ہندوستان کا ایک حصہ سمجھا اور یہ بات یقیناً اس کے عظیم مقصد اور سوچ کی مظہر ہے۔ کیونکہ پہلے کے بہت سے حکمرانوں کو ہم نے ایسا پایا ہے کہ انہوں نے سارے ہندوستان کو ایک ملک اور تمام ہندوؤں کو اپنا بھائی بندھو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے مفاد اور عوام کا استحصال کرنے میں دلچسپی لی۔ جہاں تک شیعہ مخالف ہونے کا سوال ہے وہ شیعہ مخالف' باپ مخالف یا بھائی مخالف نہیں بلکہ گدی پسند تھا اور گدی کے لئے کوئی بھی چال سیاست کے لحاظ سے غلط نہیں ہوتی۔ ویسے شیعوں کے حق میں اس کو خاص ہمدردی تھی' جس کا علم اس کے وصیت نامہ سے اس طرح ہوتا ہے: (14) "جب میں مرجاؤں تو میری سی ہوئی ٹوپیوں کی قیمت میں سے چار روپیہ دو آنہ نوکرانی بیگا کے پاس ہیں اسی پیسہ سے میرے کفن کا کپڑا خریدا جائے۔ (15) میرے اپنے خرچ کی تھیلی میں قرآن نقل کرنے کی محنت سے حاصل ہوئے تین سو پچاس روپئے ہیں' چونکہ قرآن کی نقل کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ شیعہ فرقہ کے نزدیک ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس سے کفن نہیں خریدا جائے اور نہ ہی دوسری ضرورتوں پر خرچ کیا جائے۔" جس افسر کی آخری جانچ کے بعد اورنگ زیب کھانا کھاتا' اس کا نام نعمت خان عالی تھا' اور وہ شیعہ مسلمان تھا۔ اس شیعہ

مسلمان کو اورنگ زیب اتنا چاہتا تھا کہ ایک بار ظفر خاں کے بیٹے کامگار خاں نے نعمت خان عالی کے خلاف یہ کہتے ہوئے شکایت کی کہ اس نے اسے (کامگار خاں) اور اس کی بیوی کو "دو زنانوں کا ملن ہوا" لکھ کر کھلے عام کافی شرمندہ کیا۔ اس کے لئے اس نے اورنگ زیب سے نعمت خاں عالی کو سخت سزا دینے کی جب درخواست کی' تو اورنگ زیب نے لکھا "اسے سزا دینے سے تمہاری اور بے عزتی ہو گی۔ یہ سیدھا سادہ خاندانی خدمت گزار لوگوں میں بے عزت کرنے میں مجھے بھی شامل کئے بغیر نہیں چھوڑتا' اور پہلے بھی مذاق اڑانے سے نہیں چوکا۔ میں نے اس کا انعام بڑھا دیا ہے تاکہ پھر وہ ایسا نہ کرے' لیکن اب بھی مجھے اس کی امید نہیں لگتی کہ وہ میرا مذاق اڑانا کم کر دے گا۔ اس کی زبان یا اس کا گلا اس بات کے لئے کاٹنا ممکن نہیں ہے۔"

مندروں کو لوٹنے کا کام مسلمانوں سے زیادہ ہندو حکمرانوں نے کیا ہے۔ کسی بھی مسلمان حکمراں کے عہد حکومت میں مندروں کو لوٹنے والا محکمہ قائم تھا' اس سے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن بارہویں صدی میں کشمیر کے ہرش نامی حکمراں نے "مندر لوٹ" محکمہ ہی قائم کر دیا تھا جس کا کام مندروں کو لوٹنا تھا۔ (16) جس قدر مال و دولت مندروں کو لوٹ کر حاصل ہوتی اس میں سے آدھا انعام بطور' وہ لٹیرے سپاہیوں میں تقسیم کر کے باقی راجہ خود لے لیتا۔ اقتصادی مسائل کو سلجھانے کے لئے مندروں کی کل جائداد لوٹنے کی علوت مسلسل جڑ پکڑتی گئی۔ بھگتوں کے ذریعہ سونپی جانے والی املاک کے علاوہ اس نے دیوتاؤں کی دھات کی بنی ہوئی مورتیوں کو بھی مندر سے نکلوانے کے لئے اودے راج کو "دیوو پاٹن نایک" بنایا' (17) دیوتاؤں کی مورتیوں کو لوٹنے سے پہلے اودے راج ننگے بھکشوؤں کے ہاتھ سے ان پر پاخانہ اور پیشاب چھڑکواتا تھا۔ مورتیوں کے پیروں میں رسی باندھ کر انہیں سڑک پر گھسیٹا جاتا تھا۔ (18) مملکت کے کسی گاؤں' قصبہ یا شہر میں ایسا ایک بھی مندر نہیں بچا جس میں دیو مورتی نہ توڑی گئی ہو۔ شری رن سوامی اور شری مارتنڈ دیو کی مورتیوں کے بچ جانے کا ذکر کلہن نے کیا ہے۔ (19) بھگوان بدھ کی بھی دو مورتیاں بچ گئیں۔ دیو مندروں کے پوجا وغیرہ کے انتظام کے سلسلے میں دیئے گئے گاؤں کو بھی ہرش نے اپنے تحت میں لے لیا۔ (20)

پرمار حکمراں سوبھٹ ورمن (1193-1230ء) نے گجرات پر حملہ کر کے ڈبھوئی اور کھمبات کے کتنے ہی جین مندروں کو لوٹا تھا۔ (21) ہزاروں خاندانوں کو لوٹ کر دولت حاصل کرنے کے مقابلے کسی مندر کو لوٹ کر دولت حاصل کرنا کئی زاویوں سے حکمرانوں کو بہتر لگا۔ کیونکہ مندر میں جمع شدہ لامحدود دولت بدعنوانی کا اصل باعث رہی ہے۔

حکومت کے ملازمین کے بیچ پھیلی بدعملی اور رشوت کم کرنا' عمل کے لئے تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے عام لوگوں کے لئے نہیں۔

اس نے (یعنی اورنگ زیب نے) متھرا اور بنارس کے مندروں کو اگر نیست و نابود کروایا تو گول کنڈہ کی مسجد کو بھی برباد کیا کیونکہ حکومت کے خلاف حرکات و سکنات ان تینوں مقامات پر موجود تھے۔ بنارس کے کاشی وشو ناتھ مندر کو توڑنے اور اس پر مسجد بنانے کا الزام اورنگ زیب پر لگایا جاتا ہے جس کا ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔

اب رہا یہ سوال کہ مغل سلطنت کے زوال کے لئے اورنگ زیب کتنا ذمہ دار تھا' تو کسی بھی سلطنت کے زوال یا عروج کے لئے کسی ایک آدمی کا ہاتھ ہی کام نہیں کرتا۔ زوال یا عروج کے صحیح اسباب کو معلوم کرنے کے لئے اس زمانہ کی اقتصادی' سائنسی' سماجی' سیاسی' مذہبی اور تہذیبی کیفیات پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا یہی چیزیں عروج یا زوال کی بنیاد ہوتی ہیں نہ کہ صرف ایک فرد پھر مغل سلطنت کے زوال کی بات اسی صورت میں درست ہوتی جب ہندوستان کے تخت شاہی پر کوئی دوسرا ملک گیر طاقت رکھنے والا ہندوستانی قابض ہو جاتا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مغلوں کے بعد غیر ملکی طاقت انگریزوں کا ہندوستان پر قبضہ ہوا۔ چنانچہ اس صورت میں "مغل سلطنت کا زوال" کہنے کے مقابلہ میں اگر ہم اسے ہندوستانی سلطنت کا زوال کہیں تو زیادہ منصفانہ بات ہو گی۔

اورنگ زیب کا زمانہ حکومت تقریباً پچاس سال (1658ء تا 1707ء) کا رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی اعتبار سے وہ ایک کٹر مسلمان تھا لیکن وہ ایک حکمران بھی تھا۔ (22) اس حقیقت کو وہ بھول نہیں سکتا تھا کہ بڑی آبادی ہندوؤں کی تھی جو اپنے

مذہب اور عقیدہ کے لحاظ سے پکے تھے۔ تلوار کے ذریعہ ان کے دل و دماغ پر اسلام کا اثر ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بہت سے ہندوؤں کو اس نے مسلمان بنا بھی دیا تو کس لئے؟ نہ تو ان پر اعتماد کرنا ممکن تھا' اور ہندوؤں کی مخالفت کا مسئلہ الگ تھا۔ ایسا کوئی بھی اصول جس کی وجہ سے ہندو رعایا اور طاقتور ہندو راجہ اور زمیندار مخالف ہو جائیں تو اورنگ زیب کی ناکامی یقینی تھی' اور اورنگ زیب اس نکتہ سے اچھی طرح باخبر تھا۔ (23)

1659ء میں اس نے سکوں پر کلمہ کھدوانا بند کر دیا۔ (24) اس کا خیال تھا کہ جب سکے ہندو اور مسلمان دونوں کے ذریعہ استعمال کئے جاتے ہیں تو اس صورت میں سکوں کی بناوٹ عمومی ڈھنگ کی ہونی چاہیے۔ (25)

شاہجہاں نے شراب بنانے اور اس کے فروخت کئے جانے کو بند کرنے کا حکم جاری کیا' لیکن اس حکم پر عمل نہیں ہوا۔ اورنگ زیب اس سے واقف تھا۔ شراب پر کنٹرول کے لئے اس نے ایک نیا محکمہ قائم کیا۔ (26) پکڑے جانے پر شراب فروخت کرنے والے کو سخت سزا دی جاتی۔ (27) شراب نوشی کی وجہ سے ایک راجپوت منصب دار کو سزا کے طور پر تبادلہ کر دیا گیا۔ ایک مفتی کو سزا دی گئی۔ (28) شراب پینے کی وجہ سے 6- مئی 1702ء کو راجہ مان سنگھ راٹھور اور دوسرے عہدیداروں کے عہدے گھٹا دیئے گئے۔ (29) شراب نوشی کی حوصلہ افزائی کے سبب دیوان حافظ کے نسخے ضبط کر لئے گئے (30) یورپیوں کو شراب کے استعمال کی اجازت تھی مگر ان کے مکان شہر سے باہر رکھے گئے تھے۔ (31) منوچی کے مطابق قاضی القضاۃ جسے اورنگ زیب بے قصور سمجھتا تھا وہ بھی شراب پیتا تھا۔ (32)

طوائفوں اور رقاصاؤں کو شادی کرنے یا سلطنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا لیکن اس حکم پر پوری طرح عمل نہیں ہوا۔ (33)

ہندو بیویوں کو مرنے والے شوہروں کے ساتھ بغیر اپنی مرضی کے ستی کئے جانے پر پابندی جاری رہی۔ (34) بھنگ کی کاشت' فروخت اور کھلم کھلا استعمال پر پابندی لگا دی گئی۔ (35) قمار بازی' بند تھی' (36) محرم دکھ اور سوگ کے ماحول سے متعلق تھا لیکن

لوگ اسے خوشی کی شکل میں منانے لگے تھے۔ (37) اس لئے 1664ء میں محرم کی تقریبات پر پابندی لگا دی گئی۔ 1700ء میں محرم منانے کی وجہ سے احمد آباد کے حاکم کو تین ہزار پانچ سو کے منصب سے ہٹا کر تین ہزار کے منصب پر کر دیا گیا۔ (38)

اسے ہم ناروا کہہ سکتے ہیں لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ گانا' بجانا یا رقص اور مذہب میں طرح طرح کی تبدیلیوں سے متاثرہ ادب کی تخلیق بڑے پیمانہ پر ہندوستان میں اس زمانہ میں ہوتی ہے جب شہر' بیوپار' بیوپاری اور مرکزی طاقت وغیرہ کی حالت خراب ہو جاتی ہے' یعنی افراتفری کے زمانہ میں۔ تاریخی حقیقت یہ بھی ہے کہ مغل دور میں مسلم یا غیر مسلم پر دھیان دیئے بغیر فنکاروں کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی اور مشہور جہاں عمارتوں جیسے تاج محل کی تعمیر بھی ہوئی۔ غور سے دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا دھیان اصل مسئلوں سے ہٹانے اور بھیڑ اکٹھا کرنے میں ناچ گانے کی افادیت ہو' لیکن آج بھی بڑے بڑے عالم یا سائنس دانوں کو جو لطف یا خوشی کسی نئی تلاش یا تحقیق سے ہوتی ہے وہ سینما' ٹیلی ویژن یا ناچ گانا دیکھ کر نہیں ہوتی۔

تخت نشینی کے بعد گیارہویں سال میں اورنگ زیب نے گلوکاروں کو دربار میں ناچنے گانے سے منع کیا کیونکہ اس کے سبب اورنگ زیب کو بحیثیت بشر یکسوئی کا فقدان اور اہل کاروں کے کام کی رفتار میں کمی کا احساس ہوا جو عام زاویہ نگاہ سے غلط ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ بادشاہ کی نظر بھی تمام درباریوں کے مانند ہو۔ شری جادو ناتھ سرکار (39) نے ناچ گانے سے اورنگ زیب کی دربار میں لگائی گئی پابندیوں کو اس طرح لکھا ہے۔ جیسے اورنگ زیب خشک مزاجی اور اسی قسم کے خیالات رکھتا تھا جب کہ حقیقت یہ تھی کہ دربار کے باہر دنیا بھر کے ناچنے اور گانے والے موجود تھے۔

پیروں' ولیوں کے گانے (قوالی وغیرہ) کے پروگراموں کو غیر شرعی (ناجائز) قرار دیا گیا (40) لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے۔ (41) احمد آباد کے مشہور صوفی یحییٰ چشتی نے اورنگ زیب کے اس حکم کی مخالفت کی۔ (42) شیخ کی مجلس سماع پر جب محتسب مرزا باقر نے پابندی لگانی چاہی تو شیخ اور ان کے مریدوں نے اس کی مخالفت کی۔ جب محتسب نے شیخ پر طاقت کا استعمال کرنا چاہا (43) اور یہ اطلاع اورنگ زیب کو ملی تو اس نے

محتسب کو حکم دیا کہ شیخ سے کچھ نہ کہا جائے۔ ایک عالم دین نے گانے کی مخالفت کرتے ہوئے اورنگ زیب سے کہا کہ اولیا کے مزاروں پر ہونے والے گانے بجانے پر فوراً" پابندی لگائی جانی چاہئے کیونکہ اس گانے بجانے کی وجہ سے مرحوم اولیا کی ہڈیاں قبر میں بے چین ہوتی ہیں اور قبر سے نکل بھاگنا چاہتی ہیں۔ (44) گانے بجانے پر پابندی لگانے کے حکم پر پوری طرح عمل نہیں ہوا۔ ایک عالم کو سڑک پر ہونے والے گانے بجانے کو خود روکنا پڑا کیونکہ محتسب نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ (45)

ستار بجانے کا اورنگ زیب خود ماہر تھا (46) اور اگر دربار میں ستار بجا کر درباریوں کی تالیوں کی گونج سن کر خوش ہوتا تب بھی اسے برا بادشاہ ہی کہا جاتا۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کے دربار میں ناچنے گانے پر پابندی عائد کی گئی تب بھی ہم اسے سخت بادشاہ کہیں کچھ منصفانہ بات نہیں لگتی۔

دربار میں ناچنے گانے والوں پر پابندی لگانے کی وجہ سے فن سے لگاؤ رکھنے والے لوگوں نے اس وقت اورنگ زیب کا مذاق اڑایا (47) جب وہ جمعہ کے دن مسجد جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ہزار گویے اکٹھے ہوئے جن کے ساتھ سجے ہوئے تقریباً 20 جنازے تھے' اور سارے گویے اپنی تکلیف کا اظہار کر کے زور زور سے روتے چلاتے ہوئے جا رہے تھے۔ اورنگ زیب نے ان لوگوں کے واویلا کو دور سے ہی سنا اور دیکھا' وجہ معلوم کرنے کے لئے اپنے آدمیوں کو بھیجا۔ گویوں نے کہا۔ "اپنے حکم کے ذریعہ بادشاہ نے علم موسیقی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہم لوگ اسے قبر میں دفنانے کے لئے لے جا رہے ہیں۔" (48) گویوں کے اس جواب سے اورنگ زیب کا غصہ سے بھڑک اٹھنا عین ممکن تھا' لیکن اس نے غصہ کا قطعی اظہار نہ کر کے بڑے پرمذاق لہجہ میں جواب دیا۔ "اسے اچھی طرح اور گہرا دفن کرنا۔" (49)

اورنگ زیب کے اس جواب کو ایک مخصوص نظریہ رکھنے والے مورخین نے اس کے خلاف بڑی اہمیت دینے کی کوشش کی ہے' جب کہ بات صرف اتنی ہے کہ گانے بجانے پر پابندی لگانے کو خود موسیقاروں نے بالکل سادہ ڈھنگ سے محسوس کیا۔ اسی لئے تو انہوں نے جنازہ نکالنے کی بات کہی اور اورنگ زیب نے جس انداز میں

جواب دیا' اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کسی قسم کی توہین محسوس نہیں کی اور نہ ہی ناراض ہوا۔ اس واقعہ کو ایک مزاحیہ قصہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستانی فن موسیقی پر جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے' جتنے وسیع اور اعلیٰ پیانہ پر اورنگ زیب کے زمانہ میں کام ہوا اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ فن موسیقی پر کچھ کتابوں کے علاوہ خصوصی طور پر لکھی گئی ہندوستانی زبان کی لغت "تحفتہ الہند" جس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے' کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جسے بہت زمانہ پہلے مشہور دانشور سر ولیم جونس نے متعارف کرایا تھا لیکن بعد کے دانشوروں نے اس کتاب کو مسلسل بھلانے اور نظرانداز کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہندوستانی زبان سیکھنے اور سکھانے میں اس کو اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے یہ لغت تیار کرائی جس کے ذریعہ فارسی جاننے والا ہندی زبان کو آسانی سے سیکھ سکے ہندی اور سنسکرت شاعری اور ان سے متعلق قاعدوں اور ضابطوں کو عام کرنے کے لئے اس نے ایک قابل ذکر کتاب تصنیف کرائی۔ اس کے قلمی نسخے بھی خدا بخش پٹنہ میں دستیاب ہیں۔

اکبر کے ذریعہ شروع کی ہوئی رسم سالگرہ کو اورنگ زیب نے بند کرا دیا اس لئے کہ چھوٹے سردار اس کی وجہ سے کافی زیر بار ہوتے تھے۔ (50) آگے چل کر رسیک داس نامی ایک اعلیٰ عہدیدار کو غریب کسانوں کی طرف دھیان دینے کا حکم دیا تاکہ مقامی حکام ان پر زیادتی نہ کریں۔ (51)

بڑے پیمانے پر نئی مسجدوں کی تعمیر نہ کر کے اس نے شکستہ اور پرانی مسجدوں کی مرمت اور درستی کرائی۔ ان مسجدوں کے اماموں' مؤذنوں اور خطیبوں کو خزانہ سے مشاہرہ دیا جاتا تھا۔ (52) ستارا کے قلعہ پر دھاوا بولنے والوں میں سے 13 آدمی پکڑے گئے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ دربار کے قاضی اکرم سے ان مجرموں کو سزا دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنا دینے اور مسلمان مجرموں کو تین سال کی قید تجویز کی۔ قاضی اکرم کے اس فیصلہ کو اورنگ زیب نے غلط بتایا اور قاضی اور مفتیوں کو شریعت کے مطابق دوبارہ فیصلہ سنانے کا حکم دیا۔ ان نئے

منصفوں نے ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور اسی فیصلہ کو اورنگ زیب نے بھی منظوری دی۔ (53) اورنگ زیب نے ہمیشہ اولیت اسی بات کو دی کہ ایک جیسی غلطی کے لئے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سزا میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔

مہرالنسا کی ماں اورنگ آبادی کا انتقال طاعون کی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کر 1688ء کو ہو گیا۔ اودے پوری جو اورنگ زیب کی ضعیفی کے وقت میں اس کی رفیق اور اس کے عزیز اور لاڈلے بیٹے کام بخش کی ماں تھی' حرم میں اس وقت آئی جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ سر جادو ناتھ سرکار کی رائے میں (54) وہ داراشکوہ کی ایک سر کیسین لونڈی تھی اور اسے مال غنیمت میں ہاتھ آئی تھی۔ ماثر عالمگیری نے اسے "بائی" کہا ہے اور "بائی" لفظ کا استعمال صرف ہندو عورتوں کے لئے ہوتا تھا۔ (55) کچھ دوسرے دانشوروں نے اسے کشمیری عورت بتایا ہے۔ (56) ان حقائق کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ہندو عورت تھی اور اورنگ زیب کی بیوی! اور' اورنگ زیب کٹر مسلمان تھا اور مغلوں میں ہندو کو مسلمان بنا کر شادی کا دستور تھا۔

مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد اورنگ زیب کے ایک مقرر کردہ افسر محرم خاں نے غیر مسلموں کو غیر معتبر اور دشمن بتاتے ہوئے انہیں اعلیٰ عہدوں سے ہٹا دینے کی درخواست اورنگ زیب کو بھیجی۔ اورنگ زیب نے جواب دیا "حکومت کے امور کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر تمہارا' مشورہ قبول کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوا جائے تو میرے لئے یہ فرض ہو جائے گا کہ میں تمام ہندو راجاؤں اور ان کے ماتحتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں' جو میں نہیں کر سکتا۔ اہل افسران کو عہدے سے معزول کرنے کی حمایت سمجھ دار لوگ کبھی نہیں کرتے۔" (57)

جنوبی ہندوستان میں واقع برہم پوری میں تعینات ایک افسر میر حسن نے اورنگ زیب کو اس کے برہم پوری پہنچنے سے پہلے لکھا۔ "اسلام پوری کا قلعہ کمزور ہے اور آپ عنقریب وہاں پہنچنے والے ہیں۔ قلعہ مرمت چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟" اورنگ زیب نے جواب دیا۔ "اسلام پوری" لفظ لکھ کر تم نے مناسب

نہیں کیا۔ اس کا پرانا نام برہم پوری تھا' تمہیں وہی لکھنا چاہیے تھا۔ جسم کا قلعہ تو اس سے بھی زیادہ کمزور ہے اس کا بھی کچھ علاج سوچا؟" (58)

مذہبی قدم اس نے جو بھی اٹھایا اس سے اس کا مقصد گدی کا استحکام تھا۔ اپنے باپ شاہجہاں کو قید کرنا اور اپنے بھائی دارا کے قتل کے معاملوں میں اسلامی رہنماؤں کو اپنے حق میں ہموار کرنا اس وقت اورنگ زیب کے لئے بہت ضروری تھا' اس لئے کہ وہ بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ دربار کا قاضی القضاۃ باپ کی حیات میں اس کے بادشاہ بن بیٹھنے کو قانونی طور پر درست سمجھنے اور اس کا اعلان کرنے کو تیار نہیں تھا۔ گجرات کا قاضی عبدالوہاب اورنگ زیب سے مل گیا۔ اور جملہ قاضیوں کو یہ کہہ کر خاموش ہونے پر مجبور کر دیا کہ شاہجہاں کی صحت چونکہ بہت زیادہ گر گئی ہے اس لئے مملکت پر حکومت کرنے کے لئے اورنگ زیب کے نام سے خطبہ پڑھا جانا اسلامی قانون شریعت کے لحاظ سے جائز ہے۔ (59) لہٰذا اورنگ زیب بادشاہ اور عبدالوہاب قاضی القضاۃ بنے۔

اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ہی اورنگ زیب نے شریعت کے حکم کے مطابق ہندوؤں' یہودیوں اور عیسائیوں کے مندروں اور گرجا گھروں کا احترام کیا' اس نے ایک قانون بنایا کہ کوئی پرانا مندر منہدم یا مسمار نہ کیا جائے نئے مندروں کی تعمیر پر تو اس نے پابندی لگائی لیکن پرانے مندروں کی مرمت کی نہ صرف اجازت ہی دی بلکہ انہیں اس مقصد کے لئے مالی امداد بھی دی۔ (60)

مندروں کی نسبت اورنگ زیب کا یہ اصول کوئی نیا نہیں تھا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں جب وہ گجرات کا صوبہ دار تھا تو مندروں کو نہیں بلکہ مورتیوں کو توڑنے یا مندروں کو بند کرنے کا حکم دیا تھا' صرف اس وجہ سے کہ ان مندروں میں مرکز سے بغاوت کرنے والے عناصر ہمیشہ جمع رہتے تھے۔ جب اورنگ زیب بادشاہ بنا تو اس نے دیکھا کہ اس کے باپ کے زمانہ میں جن مندروں کو بند کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ دوبارہ کھول لئے گئے ہیں اور ان میں مورتیاں نصب کر دی گئی ہیں۔ شاہی حکم کے خلاف ورزی پر اس کا غضب ناک ہونا فطری تھا' چنانچہ 1665ء میں مندروں کو برباد کرنے کا فرمان جاری کیا۔ سومناتھ کے مشہور مندر کو توڑنے کا حکم' اس کے اپنے دور حکومت کے

ابتدائی زمانہ میں ہی، مسلم مذہبی رہنماؤں کو خوش کرنے اور نظم و نسق کی کامیابی کے لئے تھا۔

اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گدی کے استحکام کے لئے مندر ہو یا مسجد، جہاں بھی مرکز سے باغی عناصر دکھائی دیئے یا چوری چھپے جمع کئے ہوئے کثیر مال و دولت کا پتہ چلا، اس صورت میں اسلام ہو یا کوئی دوسرا مذہب، رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ مذہبی مقامات کے تقدس اور پرامن ماحول قائم رکھنے کے لئے اورنگ زیب نے مندروں کی طرح مسجدوں پر بھی کڑی نظر رکھی۔

بی۔ این۔ پانڈے (61) کے بقول اس کی حکومت کی پالیسی تھی کہ اس نے ہندو مندروں اور مٹھوں کے لئے وظیفے مقرر کئے (62) الہ آباد میں واقع سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر، بنارس میں کاشی وشو ناتھ کے مندر، چترکوٹ کے بالاجی مندر، گوہاٹی میں واقع اومانند مندر، شترونجی میں جین مندر اور شمالی ہند میں واقع بے شمار مندروں اور گرودواروں کے لئے اورنگ زیب نے جاگیریں وقف کیں۔ (63)

بنارس کے کاشی وشو ناتھ مندر کو توڑنے کا الزام اورنگ زیب کے سر ڈالا گیا، لیکن اب تک اس کا ایک بھی معاصر ثبوت نہیں ملا ہے، جس کی رو سے اورنگ زیب کے ذریعہ اس مندر کا توڑا جانا ثابت کیا جا سکے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ہندو راجاؤں اور بادشاہوں کے ہاتھوں کتنے ہی مندر تباہ و برباد کئے گئے لیکن ان پر کوئی خاص نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ صرف بنارس اور متھرا وغیرہ میں ہی اس کے زمانہ میں مندروں کو تباہ کرنے کی معلومات سامنے آتی ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بڑے بڑے مندر نہیں تھے؟ جنوبی ہندوستان بڑے اور اہم مندروں کے لئے آج بھی دنیا بھر میں مشہور ہے! دوسرا سوال یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں سخت اور کٹر مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام مذہبی اور سماجی معاملوں کو اسلامی شریعت کے مطابق ہی انجام دیتا تھا تو کیا مندر توڑ کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ شریعت نے تو واضح الفاظ میں اس فعل کی ممانعت کرتے ہوئے دوسرے کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ

کو چھین کر یا قبضہ کر کے اس پر مسجد تعمیر کرنے کو اسلام کے منافی اور ناجائز بتایا ہے۔
پھر یہ بھی توجہ طلب ہے کہ مغل بادشاہ کے پاس کیا زمین کی کمی تھی جس کی وجہ سے انہیں مندروں کو توڑ کر ہی مسجد تعمیر کرنا ضروری تھا؟ آزادی سے پہلے تک ہندوستان کے تقریباً تمام ہی حصوں میں بہت کافی افتادہ اراضیات کا علم ہوتا ہے جن پر پہلے سے کوئی قابض نہیں تھا بلکہ جس نے بھی وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اس کی وہ ملکیت قرار پا گئی۔ پھر اورنگ زیب کے زیر حکومت تو ملک کا سب سے بڑا رقبہ تھا اس لئے وہ کہیں بھی مسجد تعمیر کرا سکتا تھا اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مسجدیں تعمیر کرانے کا اورنگ زیب شوق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں زیادہ تر مسجدوں کی مرمت اور درستی کا ہی کام ہوا ہے۔

تقریباً سارا ہندوستان اورنگ زیب کے زیر حکومت رہا پھر بھی ہندو مذہب اپنی انفرادی حیثیت قائم کئے رہا۔ اورنگ زیب یقیناً اس حقیقت سے باخبر تھا کہ ہندو دھرم کو ٹھیس پہنچا کر اس کے ماننے والوں کے غم و غصہ کو بھڑکانا مناسب نہیں۔ محض یہی سبب ہے کہ اس کے زمانہ میں زیادہ تر مندروں کا مذہبی تقدس برقرار رہا۔

مذکورہ بالا ماحول کی روشنی میں ہمیں اورنگ زیب کے عہد حکومت اور اس کے مذہبی نظریات کو سمجھنا ہو گا۔ بنارس کے کاشی وشو ناتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں پی۔ سیتا رام ناتھ نے نہایت اہم ثبوت پیش کیا ہے (64) جسے بی۔ این پانڈے نے بھی اپنے مضمون میں بطور حوالہ تحریر کیا ہے۔ (65) وہ لکھتے ہیں کہ: "کچھ کی آٹھ مہارانیاں کاشی وشو ناتھ میں درشن کرنے گئیں۔ ان میں سے ایک حسین رانی کو مہنتوں نے اغوا کر لیا۔ کچھ کے راجہ نے اس واقعہ کی اطلاع اورنگ زیب کو پہنچائی۔ پہلے تو اورنگ زیب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ہندوؤں کا آپسی معاملہ ہے اور اس میں اس کی طرف سے کوئی بھی قدم اٹھانا ٹھیک نہیں ہو گا۔ لیکن جب کچھ کے راجہ نے کافی منت سماجت کی تو اورنگ زیب نے کچھ ہندو سپاہیوں کو واقعہ کی چھان بین اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ان سپاہیوں کو مہنت کے آدمیوں نے ڈانٹا ڈپٹا اور مار پیٹ کر بھگا دیا۔ اورنگ زیب کو سپاہیوں کے ساتھ کیئے گئے اس برتاؤ پر

ناگواری ہوئی۔ اس نے دوبارہ کچھ اہل اور بہتر فوجی جوانوں کو اصل واقعات معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا۔ لیکن مندر کے پجاریوں نے اس مرتبہ بھی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مغل فوجیوں نے مقابلہ کیا۔ مندر کے اندر فوجیوں اور پجاریوں کے درمیان ہوئی لڑائی کے نتیجہ میں مندر تباہ ہوا' اور لڑائی کی صورت میں ایسا ہونا امکانی بات ہے۔ فوجی جب مندر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے گم شدہ رانی کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کے دوران خاص دیوتا (بڑے دیوتا) کے پیچھے ایک سرنگ کا پتہ چلا جس سے انتہائی ناگوار قسم کی بدبو نکل رہی تھی۔ دو دن تک دوا چھڑک کر اس بدبو کو ختم کیا گیا' اور فوجی برابر پہرہ دیتے رہے۔ تیسرے دن فوجیوں نے سرنگ میں گھس کر کئی گلی سڑی لاشیں جو عورتوں کی تھیں وہاں سے برآمد کیں۔ کچھ کی لاپتہ رانی کی لاش بھی ملی جو برہنہ تھی۔ اجتماعی آبروریزی کی وجہ سے وہ ختم ہو گئی تھی۔ بڑا پجاری گرفتار کیا گیا اور اسے سخت سزا دی گئی۔

حیدر آباد کے سالار جنگ میوزیم میں دستیاب ایک ریکارڈ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دکن کی بغاوتوں کو دبانے کے سلسلہ میں اورنگ زیب نے کچھ دنوں تک وہاں قیام کیا تھا۔ اسی دوران نزدیک کے ایک گاؤں کے ایک برہمن خاندان کے گھر سے شیولنگ کی مورتی چوری ہو گئی۔ اس برہمن کے مکان کے آس پاس رہنے والے کچھ مسلم گھرانوں پر شبہ تھا چونکہ شیولنگ کے درشن کئے بغیر وہ برہمن کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ اس لئے اس کی حالت مردوں جیسی ہو گئی۔ اس بات کی خبر جب اورنگ زیب کو اس برہمن کی بیوی نے پہنچائی تو اس نے مقامی افسروں کو حکم دیا کہ 24 گھنٹہ کے اندر اس برہمن خاندان کو شیولنگ کی مورتی مل جانی چاہئے ورنہ گاؤں کے سبھی لوگ سزا بھگتیں گے۔ اس ریکارڈ کے آخر میں یہ صراحت موجود ہے کہ شیو لنگ کی مورتی برہمن کو مل گئی۔

بی۔ این۔ پانڈے جب الہ آباد میونسپلٹی کے چیرمین (53-1948ء) تھے' اس وقت ان کے سامنے ایک اراضی کا جھگڑا آیا۔ یہ اراضی سو میشور ناتھ مہادیو کے مندر کو دان میں ملی تھی۔ مہنت کے مرنے کے بعد اس مندر کے دو شخص دعویدار تھے۔ ان میں

سے ایک نے اپنے حق کے ثبوت میں کچھ کاغذات پیش کئے۔ یہ وہ کاغذات تھے جو اورنگ زیب نے دیئے تھے۔ اورنگ زیب نے اراضی کا ایک بڑا حصہ اور کچھ زر نقد اس شرط پر مندر کو دان کیا تھا کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کا استعمال دیوتا کے چڑھاوے اور پوجا کے لئے کیا جائے گا۔ (66)

اورنگ زیب کے اراضیات وقف کرنے سے متعلق کتنے ہی فرامین 1659ء سے 1685ء کے درمیان کے ملے ہیں۔ (67) شمالی ہندوستان کے کچھ گردواروں سے بھی اراضیات وقف کرنے سے متعلق اورنگ زیب کے فرمان حاصل ہوئے ہیں۔ (68)

بنارس فرمان (69) کے نام سے مشہور ایک فرمان کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ بنارس کے گوری محلہ کے ساکن ایک برہمن خاندان کو یہ فرمان جاری کیا گیا تھا جس کی ساری تفصیل پہلی مرتبہ 1911ء میں جرنل آف دی رائل ایشیاٹک آف بنگال میں شائع ہوئی۔ 10- مارچ 1659ء کو اورنگ زیب کے جاری کردہ اس فرمان کے مطابق ایک مسلمان، ہندو مندر کو توڑ کر اس مقام پر پارک بنانا چاہتا تھا لیکن اورنگ زیب نے اس پر روک لگا دی۔

کچھ دوسرے فرمانوں کے (70) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب اس بات کا خواہش مند اور کوشاں تھا کہ بنارس کے ہندو امن و امان کی زندگی گزار سکیں۔ ایک خاص موقعہ پر جب مہاراجہ ادھیراج راجہ رام سنگھ نے ایک درخواست اورنگ زیب کے پاس بھیجی کہ گنگا ندی کے کنارے بھگوت گوسائیں نامی دھارمک پجاری کے لئے راجہ کے باپ کے زمانہ ہی میں ایک مکان تعمیر کرایا گیا تھا لیکن اب کچھ مسلمان گوسائیں کو پریشان کر رہے ہیں، تو اورنگ زیب نے ذمہ دار افسروں کو تنبیہہ کی کہ گوسائیں کو تنگ کرنے پر وہ سزا کے مستحق ہوں گے، اس نے یہ صلاح بھی دی کہ ہندو مذہب اور ہندوؤں کے درمیان امن و سکون کا ماحول قائم کرنے میں سارے مسلمان تعاون کریں۔

1934ء کے الٰہ آباد ہائی کورٹ کے مقدمہ کے کاغذات (71) کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب مسلمانوں کے ذریعہ کئے گئے ناجائز قبضہ کے خلاف تھا۔ بنارس کے

ساکن جگ مل اور ارجن مل نے ایک درخواست اس امر کی دی کہ بنارس کے ایک مسلمان نذیر بیگ نے ان کے پانچ مکانوں پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ اس سلسلہ میں اورنگ زیب نے 1672ء میں ایک فرمان جاری کیا کہ اگر ارجن مل اور جگ مل کی بات صحیح ہے تو نذیر بیگ کو مکانوں میں "قطعاً" نہ گھسنے دیا جائے۔

آسام کی راجدھانی گوہاٹی میں واقع اوامنند مندر کے پجاری سداما برہمن کو اورنگ زیب نے کچھ زمین اور جنگلات کی آمدنی کا ایک حصہ دان میں دیا۔ (72) اجین کے مہا کالیشور نامی مشہور شیو مندر میں چوبیس گھنٹے یعنی مسلسل چراغ جلانے کے لئے اورنگ زیب سے کئی سو سال پہلے ہی ایک بڑی اراضی اس مندر کو وقف تھی۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں کچھ مسلمان عہدیداروں نے اس پر پابندی لگائی جس کی شکایت میں اس شیو مندر کے پجاری نے اورنگ زیب کو درخواست دی۔ اورنگ زیب نے محمد مہدی جو ایک اعلیٰ افسر تھا سے جانچ کرائی اس کے بعد چار سیر گھی چبوترا کوتوال کے تحصیلدار کو اس مندر میں چراغ جلانے کے لئے دینے کا حکم دیا۔

کئی مورخین احمد آباد کے رئیس شہر کے تعمیر کرائے ہوئے چنتامنی مندر (73) کو اورنگ زیب کے ذریعہ تباہ کرنے کا بیان تو بڑھا چڑھا کر کرتے ہیں لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اسی رئیس شہر کے تعمیر شدہ شترونجہ اور آبو مندر کو زمینیں وقف بھی کیں جس کی تفصیل اس کاغذ میں ملتی ہے جسے جانس نے 1923ء میں چیف سیکریٹری کو پیش کیا تھا۔

اورنگ زیب کے فرمان نے ہی ساہس بھائی (74) کے لڑکے شانتی داس جوہری جو شراوک فرقہ سے تعلق رکھتا تھا کو احمد آباد میں واقع پالیتانہ کا ایک گاؤں اورنگ زیب کے ایک فرمان کے ذریعہ وقف کیا تھا۔ پالیتانہ کی پہاڑی شترونجہ کے نام سے مشہور ہے جہاں ایک مندر ہے۔

شراوک فرقہ کے بیتا داس جوہری (75) کو اورنگ زیب نے 1660ء میں نسار اور آبجی کی پہاڑیاں وقف کیں' اس نے اپنے ماتحت حکام کو تاکید کی کہ ان پہاڑیوں سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے اور کسی بھی دشمن راجہ کو ان پر قبضہ نہ کرنے دیا جائے۔

کرناٹک کی فتح کے بعد ترویتی کے مشہور مندر کے لئے اس خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ (76)

○ اپنے عہد حکومت کے آخری 27 سال اس نے جنوبی ہندوستان میں گزارے لیکن اس مدت میں وہاں کوئی ہندو مندر برباد نہیں کیا گیا۔ (77)

○ بنگال کے وشال پور شہر میں اورنگ زیب کے عہد میں دو مندروں کی تعمیر 1681ء میں ہوئی اور تیسرا مندر 1690ء میں تعمیر ہوا۔ (78)

○ گجرات کے شہشترانگ سرودر کے گندے پانی کو نکال کر صاف پانی حاصل کرنے کے لئے تمام خرچ سرکاری خزانہ سے ادا کرنے کا حکم اورنگ زیب نے دیا۔ (79)

○ گیا کے ایک مندر کو اس نے زمین وقف کی۔ (80)

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جن مندروں سے حکومت کو تعاون ملتا رہا اورنگ زیب نے ان کے حق میں مخلصانہ رویہ برتا۔ لیکن ان مندروں کو اورنگ زیب نے بغیر کسی تاخیر کے فوراً" روند ڈالا جن کے توسط سے ہندو راجاؤں نے اپنی خود مختاری کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ اس نے مسلمانوں کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے گولکنڈہ کی شاہی مسجد جو مرکزی مخالف عناصر کا اڈہ بن گئی تھی تباہ کر دی بلکہ اس نے اپنے باپ، بھائی اور خطرہ محسوس کرنے پر بیٹے اور بیٹی کو بھی نہیں بخشا۔ بقدر ضرورت ہندو اور مسلمان میں تفریق کئے بغیر وہ اپنے آدمیوں کی پوزیشن کو ہمیشہ مضبوط کرنے میں مصروف عمل رہا۔ ہندوؤں کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سبھی اورنگ زیب کے مخالف نہیں تھے۔ ہندو ہو یا مسلمان، مخالفین کے ساتھ یکساں سخت گیری، اور ہندو، مسلمان دوستوں کے ساتھ وہ فراخدلی کا نرمی کا سلوک کرتا تھا۔

ماثر عالمگیری کے مطابق اورنگ زیب نے ایک حکم کے ذریعہ محکمہ مالیات میں ہندوؤں کی تقرری بند کرا دی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ملازمین کو چوری، سود اور رشوت خوری کی خاص علامت ہو گئی تھی۔ (81) ہندوؤں کی کمی ہو جانے سے سرکاری کام میں رکاوٹ آنے کے باعث اس نے اپنے حکم میں ترمیم کی اور خزانہ کے محکمہ میں

تقرری کا تناسب ہندو اور مسلمانوں کے لئے پچاس' پچاس فیصد مقرر کیا۔ (82) ایک اہم بات کا علم اس فرمان سے یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اجرا سے پہلے اس محکمہ میں ہندوؤں کا فی صد تناسب اور زیادہ تھا۔ عام حالات میں اورنگ زیب ہندو مسلمان میں تفریق نہ کرتا اور اہلیت کو اولیت دیتا تھا۔ (83)

اسی طرح سیاسی معاملات میں کوئی فرق کئے بغیر ہندو اور مسلمان دونوں اورنگ زیب کا ساتھ دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مقامی زمیندار گوگلا کی سربراہی میں متھرا کے بیس ہزار جاٹوں نے 1669ء میں بغاوت کی' جسے خود اورنگ زیب کو فرو کرنا پڑا' اور گوگلا کو سزائے موت ہوئی۔ متھرا کے نزدیک ایک مقام نارنول میں کسانوں اور مغل سرکار کے درمیان ایک جنگ 1672ء میں ہوئی۔ "ودردہ ستنامی" نام کی ایک مذہبی تنظیم اس کی رہبری کر رہی تھی۔ عام طور پر کسان' دستکار' سنار' ترکھان اور بھنگی وغیرہ ستنامی کہلاتے جنہیں ذات پات میں یقین نہیں تھا۔ یہ لوگ ہندو مسلم کے فرق کو بھی نہیں مانتے تھے۔ ابتدا میں ان کی لڑائی ایک مقامی افسر سے ہوئی اور بعد میں بڑی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس بغاوت کو دبانے کے لئے بادشاہ کو خود جانا پڑا۔ اس بغاوت کا ایک اہم رخ یہ ہے کہ مقامی ہندو زمینداروں نے مغلوں کا ساتھ دیا۔

راجہ رام کی سربراہی میں جاٹوں نے بھاری تیاری کے ساتھ 1685ء میں مغل سرکار کے خلاف بغاوت کی اور جاٹوں کی اس بغاوت کو کچھواہا خاندان کے راجہ بشن سنگھ کی سربراہی میں کچلا گیا۔

اورنگ زیب انتہائی باہمت اور غیر معمولی بہادر تھا۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر قدم اٹھانا اس کی فطرت تھی' پندرہ سال کی عمر میں جہاں اس نے ایک طرف بپھرے ہوئے بدمست ہاتھیوں کا تنہا سامنا کیا' وہاں دوسری طرف 87 سال کی عمر میں "باگن کھیڑہ" کو محصور کرنے والے مورچوں کی خندقوں میں بے خوف کھڑے رہ کر وہ اپنی جرات اور ہمت کا مظاہرہ کرتا رہا۔ قریبی متوقع کسی مشکل گھڑی کے باوجود حوصلہ مندی کی باتیں' کھوا اور دھرمت کی جنگوں میں موت کی بھی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر دیکھنا اس کے زندہ جاوید واقعات ہیں۔

دوسرے شہزادوں کے طور طریق کے برخلاف اورنگ زیب کتابوں کا مطالعہ کرنا پسند کرتا تھا۔ کافی باریکی سے سوچنا اس کی عادت اور سنجیدگی اس کا مزاج تھی۔ اورنگ زیب فارسی' ترکی اور ہندی زبانیں اچھی طرح بولتا اور سمجھتا۔ اسی باعث مسلمانوں کے فقہی قانون کی سب سے بڑی اور مستند کتاب فتاوائے عالمگیری ہندوستان میں تیار ہوئی' اور اورنگ زیب کے عہد میں تیار ہوئی۔

یہ بہتر برتاؤ ہی کا نتیجہ تھا کہ شہزادگی کی عمر میں ہی اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہجہاں کے شاہی دربار کے سربر آوردہ امیروں کو دوست بنا لیا تھا۔ اس نے اپنی اس عادت کو بادشاہ بننے کے بعد اور بھی دوچند کیا۔ رعایا نے اسے شاہی پوشاک میں ایک درویش کہا۔ سادہ اور بااصول زندگی گزاری اور لہو و لعب سے یکسر دور رہا۔ اس کی ازواج کی تعداد قرآن کی مقرر کردہ چار کی حد سے ہمیشہ کم رہی۔ 1657ء میں دل رس بانو مر گئی۔ 1660ء کے بعد نواب بائی کو تنہائی کی زندگی گزارنی پڑی۔ اورنگ آبادی کا انتقال 1685ء میں ہوا اس سے پہلے وہ ہمیشہ اورنگ زیب کے ساتھ رہی۔ 1660ء میں اورنگ زیب کی شادی اودے پوری کے ساتھ ہوئی اور اس کے آخری ایام میں وہی اورنگ زیب کے ساتھ رہی۔

نظام سلطنت کی دیکھ ریکھ کے لئے وہ حیران کن جدوجہد کرتا تھا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ کبھی کبھی دن میں دو مرتبہ دربار منعقد کر لیتا۔ اورنگ زیب کے آخری ایام کے اطالوی درباری معالج گیمیلی (84) کے مطابق "اورنگ زیب کا قد پستہ' ناک لمبی' جسم چھریرا اور ضعیفی کے سبب خمیدہ تھا۔ اس کا رنگ گیہواں اور سفید گول داڑھی تھی۔ مختلف معاملات کے سلسلہ میں پیش کی جانے والی عرضیوں پر ضروری احکامات اسے خود اپنے ہاتھ سے لکھتے دیکھ کر میرے دل میں اس کے لئے انتہائی احترام کا جذبہ عود کر آتا۔ لکھتے پڑھتے وقت وہ چشمہ نہیں لگاتا تھا۔ اس کے بشاش چہرے کو دیکھ کر محسوس ہوتا کہ اسے اپنا کام بہت ہی عزیز ہے۔ (85) 90 سال کی عمر میں بھی اس کے حواس اور اعضاء پوری طرح فعال تھے۔ اس کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جس کسی کو ایک بار

دیکھ لیتا' یا ایک مرتبہ کسی بات کو سن لیتا' اسے وہ زندگی بھر نہیں بھولتا۔ پچھلے چند سال سے بوجہ ضعیفی وہ کچھ اونچا سننے لگا تھا۔ ایک حادثہ میں اکھڑے ہوئے داہنے گھٹنے کا علاج صحیح طور پر نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ لنگ کرنے لگا تھا۔ ان دو جسمانی خامیوں کے باوجود تلوم حیات اس کی تمام جسمانی قوتیں فعال و برقرار ہیں۔ (86) اورنگ زیب نے صوفیا کی طرح ریاضت کی زندگی کو پسند کیا اور ہمیشہ انکساری کا مظاہرہ کیا۔ اسے "عالمگیر زندہ پیر" کہا جاتا ہے۔ (87)

حوالہ جات

1- دیکھئے نقشہ

2- شری حولدار ترپاٹھی' "بودھ دھرم اور بہار" بہار راشٹر بھاشا پریشد پٹنہ 1960ء صفحہ 30' 153' دیر گھ نکائے 3'101

3- مہاونس V' 450

4- رومیلا تھاپر "اشوک تتھا موریہ سامراجیہ کا پتن" دہلی 1977ء ص 1-30

5- تسس کا نام وتاشوک' وگتاشوک' سدت اور سگتر بھی بتایا گیا ہے۔

6- پراجی لکی' ایل لیزنبد دی لیپرزا سوکا' پیرس 1880ء ص 235 (یہ کتاب بہار ریسرچ سوسائٹی میں دستیاب ہے جس کا علم یہاں کے لائبریرین عزت ماب گوپی بابو کی مہربانی سے ہوا۔

7- پراجیبی لکی' ایضاً ص 235-

8- گائلس' ٹریولس آف فاہیان' کیمبرج 1923ء ص 56-

9- بودھ بھکشوؤں کے لئے ایک لفظ۔

10- رومیلا تھاپر' ایضاً ص 63'37

11- ایضاً ص 31

12- دو یادوان' 25 واں اور 29 واں اودان' چندانند ترپاٹھی۔ شنک کالین بھارت' شائع کردہ بنارس یونیورسٹی 1977ء ص 13-

-13 سر جادو ناتھ سرکار' اورنگ زیب کے لاپکھیان' آگرہ 1967ء ص 81-

-14 ایضاً ص 41

-15 ایضاً ص 95-

-16 تا 20- نیلم اگروال' راج ترنگنی---- کلہن---- الٰہ آباد 1968ء ص 4-253

-21 رومیلا تھاپر' ہربنس مکھیا اور وپن چندر ایضاً ص 34

-22 وپن چندر' آدھونک بھارت نئی دہلی 1979ء ص 12-1

-23 ستیش چندر' مدھیہ کالین بھارت' حصہ 2 ص 112-100

-24 خافی خان منتخب اللباب II '77 کاظم' عالمگیر نامہ 266-

-25 شری رام شرما مغل' شاسکوں کی دھارمک نیتی' ص 120

-26 خافی خان ایضاً ص '8 کاظم ایضاً ص 2-391

-27 عبدالحیٰ' مرآۃ احمدی I ص 281-

-28 شری رام شرما' ایضاً ص '123 لیٹرس نمبر 90-

-29 ایضاً' نیوز لیٹر 6 مئی 1702ء_

-30 شیر خانی' مرآۃ الخیال ص 298-

-31 منوچی' اسٹوریادی موگور' ترجمہ اروِن II ص 6-

-32 ایضاً ص 5-8

-33 ایضاً ص 9-

-34 منوچی' II ص '9 دستور العمل 103 اے' ٹراورنیر ٹرویلس ان انڈیا' مترجم وال II ص 210-16

-35 مرآۃ احمدی I ص 282-

-36 ایضاً ص 251

-37 خافی خان II 14-213' شری رام شرما ایضاً ص 129-

-38 اخبارات' 28 اگست 1700ء شری رام شرما ایضاً ص 129-

-39 سرکار' اورنگ زیب' وارانسی 1970ء ص 103-

-40 و 41- منوچی' جلد 2' ص 8

-42 یحییٰ چشتی اورنگ زیب کا استاد تھا۔

-43 مرآۃ احمدی محمد علی خان کا انگریزی ترجمہ ص 70-

-44 منتخب الباب' خافی خان کا انگریزی ترجمہ جلد 2 ص 564

-45 ایضاً ص 561

-46 ستیش چندر (مذکورہ بالا)۔

-47 تا 50- سرکار' اورنگ زیب ص 103-

-51 پرسیول' اے ہسٹری آف انڈیا' حصہ 2' پینگوئن 1985ء ص 34' 36' 49' 53' 58' 134-

-52 جادو ناتھ سرکار اورنگ زیب ص 102

-53 ایضاً ص 106

-54 تا 56- سرکار' اورنگ زیب کا اپاکھیان' آگرہ 1967ء ص 20-

-57 ایضاً' ایضاً ص 74' 75

-58 ایضاً ایضاً ص 91-

-59 ستیش چندر "اتر مغل کالین بھارت کا اِتہاس" (شمالی ہندوستان کی مغلیہ عہد کی تاریخ) میرٹھ ص 29-1

-60 ستیش چندر' مدھیہ کالین بھارت' حصہ دوم ص 107-8-

-61 بی- این- پانڈے خدا بخش میموریل اینول لکچرس 1986ء

-62 مفصل معلومات کے لئے مطالعہ کیجئے "دی ویشنواز آف پنڈورا" مرتبہ گرے وال اور بی' این گوسوامی' سینٹر آف ایڈوانس اسٹڈیز شملہ (میرے ہی شعبہ کے پروفیسر سریندر گوپال نے اس کتاب کی نشاندہی کی جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔)

-63 بی- این- پانڈے' خدا بخش میموریل اینول لکچرس پٹنہ 1986ء

-64 پی سیتا رام ناتھ کی تصنیف کردہ کتاب دی فیدرس اینڈ دی اسٹونس" کے مطالعہ سے تفصیلی معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔

-65 بی- این- پانڈے خدا بخش میموریل اینول لکچرس پٹنہ 1986ء

66- بی- این- پانڈے ایضاً لیکچرز سیریز II ص 12-13
67- ہائی کورٹ پیپرس 1934ء ص 14
68- ایضاً
69- ایضاً
70- ایضاً ص 15،16
71- ایضاً
72- آسام ریسرچ سوسائٹی جنوری' اپریل 1942ء ص 12-1
73- جرنل آف بمبے یونیورسٹی' جلد I ص 55
74- بی- این- پانڈے ایضاً (مذکورہ بالا)
75- وی بینج پچوری "مندر کا مغلیہ رشتہ" انڈیا ٹوڈے (ہندی)____ شمارہ 21' یکم 15 ستمبر 1987ء ص 70-1
76- شری رام شرما "مغل شاسکوں کی دھارمک نیتی" ص 161' مرآۃ احمدی I ص 162
77- شری رام شرما ایضاً ص 162
78- منوچی IV ص 118-121 شری رام شرما' ایضاً
79- نیوز لیٹر 7 جولائی 1664' شری رام شرما-
80- اعظم' تاریخ کشمیر ص 165
81- زیڈ فاروقی "اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمس" بمبئی 1935ء ص 91-190
82- ماکھن لال رائے چودھری "دی اسٹیٹ اینڈ ریلیجن ان مغل انڈیا کلکتہ 1951ء 269
83- محمد یسین "اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا لکھنؤ 1958ء ص 48' 201' 11- (84 تا
87) سرکار' ایضاً ص 417-

تیسرا باب

مرکز سے مخالفت

راجپوتوں کے لئے پالیسی

اپنے اجداد کے مانند اورنگ زیب نے بھی راجپوتوں کے ساتھ بہتر تعلق قائم رکھنے کی کوشش کی۔ میوات کے مہارانا کا منصب پانچ ہزاری سے بڑھا کر چھ ہزاری کر دیا۔ راجہ جسونت سنگھ جس نے اورنگ زیب کے خلاف لڑائی میں شجاع کا ساتھ دیا اور داراشکوہ کو اورنگ زیب کے برخلاف اپنی مملکت میں آنے کی دعوت دی اسے اس کا منصب بحال کیا اور گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا۔ 1678ء میں جسونت سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ دستور سے ہٹ کر اورنگ زیب نے مارواڑ کے دو پرگنے جسونت سنگھ کے اہل و عیال اور اس کے بہی خواہوں کے خرچ کے لئے دیئے۔ (1)

جسونت سنگھ کی مہارانی "رانی ہاڑی" کو جودھپور پر مغلوں کا تسلط تسلیم نہیں تھا' اور جودھپور کو وہ راٹھوروں کی مادر وطن کہتی تھی۔ اس لئے اورنگ زیب کی سپاہ اور امداد قبول نہیں کی۔ اورنگ زیب کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اقتصادی طور پر کمزور کرنے کے لئے اس نے جسونت سنگھ کے خزانہ کی تلاش شروع کر دی اس وقت ہندو راجہ اپنی دولت مندروں میں چھپا کر رکھتے تھے لہٰذا مغل فوج کو یہ اجازت دی گئی کہ دولت کی تلاش میں وہ مندر گرا دیں یا انہیں بند کر دیں۔ (2)

جسونت سنگھ (3) کے انتقال کے بعد اس کی دو رانیوں نے ایک ایک لڑکے کو جنم دیا تو جانشینی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ کوئی جانشین نہ ہونے کی صورت میں اس راجہ کی ریاست مرکز کے تحت میں چلی جاتی۔ دونوں بچے چونکہ نابالغ تھے اس لئے اورنگ زیب نے جودھپور سے ٹیکس وصول کرنے کا ٹھیکہ جسونت سنگھ

کے بڑے بھائی کے پوتے اندر سنگھ کو 37 لاکھ روپیہ لے کر دے دیا۔ جسونت سنگھ کے بیٹے اجیت سنگھ کو منصب اور ریاست مارواڑ کے دو پرگنے سوجت اور جیتاکھ بطور جاگیر اورنگ زیب نے دے دیئے تاکہ مرہٹوں یا سکھوں سے مل کر یہاں کے راجپوت مرکز کے مخالف نہ ہو جائیں۔ سیاسی نقطہ نظر سے اورنگ زیب نے مارواڑ کے راجہ کے خاندان کو آپس میں تقسیم کرنا چاہا تھا لیکن راٹھور سرداروں کے رہنما درگا داس نے اجیت سنگھ کے سلسلہ میں کئے گئے اورنگ زیب کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ جب راجکماروں اور ان کی ماؤں کو قید کرنے کا حکم اورنگ زیب نے دیا تو درگا داس ٹھنڈا ہو گیا۔ جودھپور کی گدی پر اجیت سنگھ بیٹھا۔ (4) کچھ ہی عرصہ میں اورنگ زیب مارواڑ کے راٹھوروں سے نامطمئن ہو گیا اور ان پر دھاوا بول دیا۔ اس کے حملہ سے ڈر کر بھاگے ہوئے درگا داس اور اجیت سنگھ نے میواڑ کے رانا راج سنگھ کے یہاں پناہ لی۔ دشمن کے دوست کو دشمن سمجھتے ہوئے اورنگ زیب نے میواڑ پر حملہ کر دیا۔ رانا نے بھاگ کر پہاڑی علاقوں میں جان بچائی اور مغلوں کے خلاف پھر تیاری میں مصروف ہو گیا۔

اورنگ زیب کے باغی بیٹے اکبر کو درگا داس نے تحفظ اور سرپرستی دی تو اکبر نے اجمیر پر چڑھائی کر دی۔ میواڑ پر حملہ اور اکبر کی بغاوت سے نمٹنے کے لئے اورنگ زیب نے سخت پالیسی اپنائی۔ اکبر مہاراشٹر کی جانب بھاگ گیا۔ رانا راج سنگھ کے بیٹے رانا جگت سنگھ سے مل کر کے اسے پنج ہزاری کا منصب عطا کیا اور جگت سنگھ نے اجیت سنگھ کا ساتھ نہ دینے کا وعدہ کیا۔

راجپوتوں کو غیر مطمئن سمجھتے ہوئے اورنگ زیب نے اجیت سنگھ کو مارواڑ کا حکمراں تسلیم کر لیا لیکن تناؤ پھر بھی قائم رہا۔

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر اورنگ زیب راجپوتوں کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت کے ابتدائی بیس سال میں اس کی راجپوت دشمنی کے شواہد نہیں ملتے۔ شاہجہاں کے عہد میں یک ہزاری اور اس سے اوپر کے منصب پانے والے راجپوتوں کا فیصد اوسط محض 16 تھا۔ شاہجہاں نے کسی بھی راجپوت کو ہفت

ہزاری کا منصب عطا نہیں کیا۔ لیکن اورنگ زیب نے جے سنگھ اور جسونت سنگھ کو ہفت ہزاری کا منصب عطا کیا۔ (5) کچھواہا' ہاڑا بھاٹی اور بیکانیر کے راٹھور اورنگ زیب کے مطیع رہے۔

مغل افواج میں ہندوؤں کی تعداد کی تقابلی فہرست (6)

منصب	اکبر	جہانگیر	شاہ جہاں	اورنگ زیب
7 ہزاری	1	--	--	2
6 ہزاری		1	1	4
5 ہزاری	5	9	9	5
4 ہزاری	4	4	10	5
3.5 ہزاری	1	1	--	4
3 ہزاری	3	5	24	13
2.5 ہزاری	--	3	5	5
2 ہزاری	8	13	22	16
1.5 ہزاری	5	5	21	27
ایک ہزاری	8	4	33	15
9 سو	--	1	2	1
8 سو	--	3	20	--
7 سو	4	--	15	3
6 سو	--	1	11	2
5 سو	7	5	44	2
کل میزان	46	55	227	104

5 سو سے 7 ہزاری منصب کے درجہ کے منصب داروں کی فہرست جس کی تفصیل معاصر مورخین اور دوسرے دانشوروں نے پیش کی ہے۔(7)

عہد شاہ	فرقہ	تذکرہ ابوالفضل	تذکرہ ڈیلیٹ	تذکرہ کیول ازم	تذکرہ لاہوری	میزبان
اکبر	مسلم	215		214		247
	ہندو	22		37		
جہانگیر	مسلم		383			438
	ہندو		55	55		
شاہجہاں	مسلم			437	453	664
	ہندو			227	110	
اورنگ زیب	مسلم			435	435	539
	ہندو			104	104	

افغان

اورنگ زیب کا ٹکراؤ افغانوں یا پٹھانوں سے بھی ہوا۔ یہ لوگ پنجاب اور کابل کے درمیان پہاڑی علاقوں میں اپنی بہادری کے بل پر آباد تھے۔ ان کے خلاف اکبر اور شاہجہاں کو جنگ کرنا پڑی تھی۔ بھوک کی آگ بجھانے کے لئے قافلوں کو لوٹنے یا مغل فوج میں بھرتی ہونے کے علاوہ حصول معاش کا اور کوئی ذریعہ ان افغانوں کے پاس نہیں تھا۔ یہ لوگ آزاد ہی رہنا پسند کرتے تھے۔ زیادہ مشاہیر اور دیگر امداد دے کر مغل حکمراں انہیں راضی رکھتے لیکن کسی بھی خود غرض رہنما کے ابھرنے سے اس تعلق کے کٹ جانے کا خطرہ لگا رہتا۔

افغان بغاوت کی ایک انوکھی شکل اورنگ زیب کے عہد میں رونما ہوئی۔ 1667ء میں ایک افغان سردار بھاگو نے خود کو وزیر اور قدیم شاہی خاندان کا فرد ہونے کا دعویٰ کرنے والے محمد شاہ کو راجہ مشہور کیا اور جاٹوں کی طرح خود مختار ریاست کا اعلان کر

دیا۔ بھاگو سردار کے سپاہ نے ہزارہ' اٹک اور پشاور میں لوٹ مار شروع کی خیبر کے راستے سے آمدورفت بند ہو گئی۔

افغانوں کی اس کوشش کو ناکام بنانے کے لئے اورنگ زیب نے اپنے مخصوص بخشی امیر خاں کو بھیجا اور اس کی مدد کے لئے راجپوت سپاہیوں کے ایک دستہ کو منظم کیا۔ کئی خوفناک جنگوں کے بعد افغانوں کی اس بغاوت کو دبا دیا گیا۔ اس علاقہ کی نگہداشت کے لئے 1671ء میں مارواڑ کے حاکم جسونت سنگھ کو جمرود کا افسر مقرر کیا گیا۔

افغانوں نے 1672ء میں دوبارہ بغاوت کی۔ ایک آفریدی سردار اکمل خاں جس نے اپنے راجہ ہونے کا اعلان کر کے سکہ چلایا' اس بغاوت میں افغانوں کا سرغنہ تھا۔

تمام افغانوں کو ایک ساتھ مل کر مغلوں کو زیر کرنے کا اس نے نعرہ دیا۔ افغانوں کی بڑی تعداد نے مل کر درہ خیبر کو بند کر دیا۔ ایک تنگ گھاٹی کو صاف کرنے کے لئے اکمل خاں اتنا اندر چلا گیا کہ مغل فوج سے سامنا ہو گیا لیکن کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ دس ہزار افغان ہلاک ہوئے اور بہت سے افغان قبیلے باغیوں کی سپاہ میں شامل ہو گئے۔

مغل سردار شجاعت خاں کو بھی خیبر میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ جسونت سنگھ کے بھیجے ہوئے راجپوت بہادروں کی مدد سے شجاعت خاں بدقت اپنی جان بچا سکا۔ 1674ء میں اورنگ زیب کو خود پیشاور جانا پڑا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک وہاں ٹھہرے رہنا پڑا۔ جب تک افغانوں میں اتحاد قائم رہا ان پر قابو پانا دشوار رہا۔ آخر میں اورنگ زیب نے اپنی حکمت عملی اور حسب ضرورت طاقت استعمال کر کے افغانوں کا اتحاد ختم کر دیا تب کہیں امن کی صورت نظر آئی۔

مرکز سے بغاوت کرنے کی وجہ سے انہیں کچلا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر غیر مسلموں کے علاوہ بھی ہونے والی کسی بغاوت کو دبانے اور کچلنے سے اورنگ زیب نے گریز نہیں کیا۔

مذکورہ بالا حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مرکز کو کمزور کرنے والی کوئی بھی طاقت خواہ ہندو ہو یا مسلمان دونوں کو یکساں طور پر سختی کے ساتھ کچل دیا جاتا تھا' جیسا کہ

افغانوں کے ساتھ ہوا۔

سکھ بغاوت

سکھوں کی بغاوت اورنگ زیب کے خلاف آخری بغاوت تھی۔ حکمرانوں کے مانند سکھ گروؤں نے اپنا رہن سہن وضع کر لیا تھا اور فوج کو بھی ترتیب دے لیا تھا۔ خود کو یہ "سچا بادشاہ" کہتے۔ (8) 1675ء تک مرکز کے لئے کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کرتے ہوئے اورنگ زیب نے سکھ گروؤں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

ساتویں گرو (9) ہر رائے کا پہلا لڑکا رام رائے تھا جو ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ہر رائے کی بیاہتا بیوی کے بطن سے ایک دوسرے لڑکے ہرکشن کی پیدائش ہوئی۔ ہررائے نے اپنی باندی کے لڑکے رام رائے کو اپنا جانشین ہونے کا اعلان کیا جس کی وجہ سے پنجاب میں آپسی تناؤ کافی بڑھ گیا۔ اس تنازعہ کو طے کرنے کی ذمہ داری اورنگ زیب کے سپرد کی گئی لیکن سکھوں کی اس بحث میں وہ پڑنا نہیں چاہتا تھا کہ سکھ خود ہی اس کا فیصلہ کر لیں۔ (10)

بالآخر ہررائے کی بیاہتا بیوی سے پیدا ہونے والا لڑکا ہرکشن آٹھویں گرو بنے لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد چیچک کی بیماری سے ان کی موت ہو گئی اور تیغ بہادر کو نواں گرو بنایا گیا۔ گرو تیغ بہادر نے آسام سے ہونے والی لڑائی میں مغلوں کی فوج کی طرف سے حصہ لیا۔ بعد میں اپنے چیلوں اور سپاہیوں کا خرچ چلانے کے لئے زور اور خیر (11) کے ساتھ دولت حاصل کرنا شروع کر دی' آدم حافظ نامی ایک صوفی سے گرو تیغ بہادر کی گہری دوستی تھی۔ دولت مند ہندوؤں سے تیغ بہادر اور مالدار مسلمانوں سے آدم حافظ من چاہی دولت وصول کرتے۔ (12) دونوں کی دہشت گردی سے تنگ آ کر اورنگ زیب کے فوجیوں نے دونوں کو قید کر لیا۔ حقیقت میں ذاتی عیش و آرام کی خاطر آدم حافظ نے غیر قانونی کام کیا۔ اس لئے اورنگ زیب نے اسے ملک بدر ہو جانے کی سزا دی۔ مرکز کے خلاف اپنی فوجی حالت مضبوط کرنے کے لئے چونکہ گرو تیغ بہادر نے خوف و ہراس پھیلایا تھا لہٰذا 1675ء میں اورنگ زیب کے حکم پر انہیں سزائے موت

دی گئی لیکن گرو تیغ بہادر کو سزائے موت دیئے جانے کے سلسلہ میں ہمارے پاس ٹھوس ثبوت کی کمی ہے۔ (13)

ایک انگریز آفیسر میتھکلف نے اپنی کتاب "سکھوں کی تواریخ" میں سب سے پہلے یہ تحریر کیا ہے کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو سزائے موت دی متھیکلف سے پہلے اس کا کوئی تذکرہ یا ثبوت نہیں ملتا۔ اس سے بھی اہم ایک نکتہ یہ ہے کہ متھیکلف کے بعد شائع ہونے والی دوسری کتاب میں میتھکلف کے اس خیال کو کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو موت کی سزا دی۔" کافی اہمیت دی گئی جبکہ میتھکلف سے پہلے ایک دوسری بات کا علم ہوتا ہے۔ (14) بھائی منی سنگھ کی 1893ء میں شائع ہوئی کتاب "بھگت رتناولی" میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ ایک سکھ نے ہی ان کی اپنی اجازت سے ان کا سر کاٹ دیا۔ کننگھم (15) نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب کو اپنی کرامت دکھانے کے لئے انہوں نے کہا کہ وہ ایک ایسا منتر لکھیں گے کہ جو بھی اسے اپنی گردن میں باندھ لے گا' تلوار کے بھاری سے بھاری وار کا بھی کوئی اثر اس کی گردن پر نہیں ہو گا۔ اس منتر کو انہوں نے خود اپنی ہی گردن میں باندھا اور اپنے چیلے کو وار کرنے کا اشارہ کیا۔ تلوار کی بھاری ضرب جیسے ہی ان کی گردن پر پڑی سر تن سے جدا ہو کر ایک طرف جا گرا۔ اس واقعہ کے راوی وہ لوگ ہیں جنہیں گرو جی کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ 1912ء میں یہ کتاب بھگت رتناولی جب دوبارہ شائع ہوئی تو مذکورہ بالا واقعہ کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے میتھکلف کی کہانی آ چکی تھی۔

گیانی سنگھ کی تصنیف پنتھ پرکاش کا پہلا ایڈیشن 1879ء اور دوسرا ایڈیشن 1883ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے دونوں ایڈیشنوں میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب نے قتل کرایا۔ پنتھ پرکاش کا تیسرا ایڈیشن ما لکم کی کتاب کے بعد شائع ہوا۔ اس کتاب میں یہ عبارت ہے کہ گرو جی سے اسلام قبول کرنے کو کہا گیا۔ ان کے انکار پر دہلی کے چاندنی چوک پر برسرعام ان کا قتل کر دیا تھا۔ ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ کننگھم نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو تحریر نہیں کیا۔

"سکھاں دے راج" کتاب 1862ء اور 1892ء میں دو مرتبہ شائع ہوئی اس کتاب میں بھی بھگت رتناولی کی طرح گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب کے ذریعہ سزائے موت دیئے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے' لیکن اس کتاب کے گورمکھی ایڈیشن میں اصلیت کے برخلاف اورنگ زیب کا نام اور یہ واقعہ شامل کر دیا گیا۔

گرو تیغ بہادر کی موت کے بعد سکھ تحریک نے فوجی نوعیت اختیار کر لی۔ اس تحریک کو سکھوں کے دسویں اور آخری گرو گوبند سنگھ کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔ پہلے مرحلہ میں ہندو راجاؤں نے آپسی جھگڑوں میں گرو گوند سنگھ کی مدد سے فائدہ اٹھانا چاہا' لیکن گرو جی بہت جلد اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے بعد ہندو راجاؤں کے مخالف ہو گئے۔ کئی ہندو راجاؤں نے ایک ساتھ مل کر 1704ء میں گرو جی پر حملہ کر دیا جس میں گرو جی کو فتح ہوئی۔ تب ہندو راجاؤں نے مغلوں سے گرو گوبند سنگھ کے خلاف مدد کرنے کی درخواست کی۔ مغل طاقت نے گرو گوبند سنگھ کو زیر کرنا اپنی اغراض کے پیش نظر ضروری سمجھا۔ اورنگ زیب نے لاہور کے صوبہ دار اور سرہند کے فوجدار وزیر خاں کو گرو گوبند سنگھ کے خلاف پہاڑی راجاؤں کی مدد کرنے کا حکم دیا اور سکھ ہٹائے گئے۔

اورنگ زیب کو ظالم اور سکھوں کا مخالف ثابت کرنے کے لئے تاریخی شواہد کے ساتھ 1827ء کی مطبوعہ ایک کتاب میں مذکور ہے کہ اورنگ زیب نے گرو گوبند سنگھ کے دو بچوں کو مار ڈالا۔ بھائی بیر سنگھ پٹیالوی نے اپنی کتاب "سنگھ ساگر" میں گرو گوبند سنگھ کے دونوں بچوں کو دیوار میں چن کر مار دینے کا تذکرہ سب سے پہلے کیا ہے۔ (16) براؤن کننگھم (17) وغیرہ نے بعد میں اس قصہ کو اور نمک مرچ لگا کر پیش کیا۔ 1887ء سے گروجی کے دونوں بچوں کے نام پر میلہ بھی لگنا شروع ہو گیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ گرو گوبند سنگھ کے اہم منصوبوں اور مرکز مخالف تحریکات سے اورنگ زیب چوکنا ہو گیا تھا۔ اور دیگر مرکز سے بغاوت کرنے والوں کی طرح اس نے سکھوں کو بھی کچلا' لیکن اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ گوبند سنگھ کے دو بچوں کو اس نے مروایا۔ (18) گرو گوبند سنگھ کی موت ایک پٹھان کے ہاتھوں ہوئی

جس کے دو بیٹوں کو گرو جی نے مار ڈالا تھا۔ گرو گوبند سنگھ سے مل کر اورنگ زیب حالات کو معمول پر لانے کا خواہش مند تھا لیکن اس سے پہلے ہی 1707ء (19) میں اس کا انتقال ہو گیا۔ (20)

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فاصلے یا تناؤ کو صد فیصد درست بتانا سیاسی مفاد کے پیش نظر مناسب ہو سکتا ہے۔ لیکن تاریخی نقطہ نظر سے نہیں۔ ہمیں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنی یا ذاتی مفاد کے پیش نظر ہندوؤں کے خلاف (21) ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور اس بات کے بھی ثبوت موجود ہیں کہ حسب ضرورت مسلمانوں نے مسلمانوں کی مخالفت یا ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ مثال کے طور پر گنگا رام برہمن جس کے یہاں گرو گوبند سنگھ کی ماں سندری اور ان کے بچوں نے پناہ لی۔ اسی گنگا رام نے ان بچوں اور گرو جی کی ماں سندری کو سرہند کے حاکم کے حوالہ کر دیا۔ اور جان کی بازی لگا کر گرو گوبند سنگھ کو موت سے بچانے والے بنی خاں اور غنی خاں دونوں کو گرو گوبند سنگھ نے "بیٹوں سے بھی پیارے" کہا۔

گرو ارجن سنگھ کا بھائی پرتھوی چند تھا۔ اس نے جب تک بھائی کی جان نہ لے لی چین سے نہیں بیٹھا۔ حالانکہ اسی کی وجہ سے گرو ارجن کو گرفتار کیا گیا تھا۔

میاں میر بھی ایک مسلمان تھا جس کے ہاتھوں امرتسر کے گرودوارہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔

چندو شاہ ایک ہندو ہی تھا جس نے کافی اذیتیں دے کر گرو ارجن سنگھ کو مارا اور ان کے بھائی پرتھوی چند کا دل ٹھنڈا کیا۔ بابا فریدؒ وہ مسلمان تھے جن کی نظموں کو گرو ارجن سنگھ نے گرو گرنتھ صاحب میں شامل کیا۔ بہادر شاہ گو مسلمان تھا لیکن اس کی دی ہوئی (تلوار) ذوالفقار آج بھی آنند پور صاحب میں موجود ہے۔ دھیرو مل گرو تیغ بہادر کا بھتیجہ تھا جو ہمیشہ ان کے خلاف مغل دربار کے کان بھرتا رہتا تھا۔ چنانچہ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں کی بغاوتیں ہوئیں' لیکن کسی طرح کا فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ (22)

بیجاپور

بیجاپور کے نواب عادل شاہ نے مغلوں سے ہر معاہدہ توڑنے کے لئے کہا' اور اورنگ زیب سے اس کی کشیدگی بڑھتی گئی۔ ایک اہل اور باصلاحیت نواب نہ ہونے کی وجہ سے عادل شاہ کی بدولت بیجاپور کی اندرونی صورت حال بگڑتی گئی۔ ذاتی مفاد کی خاطر مرہٹوں نے بیجاپور کو مدد دی لیکن مرہٹوں سے بھی بیجاپور کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ تعلقات ختم ہو گئے۔ اس صورت میں بیجاپور نے مغلوں سے دوبارہ مدد کی درخواست کی۔ مغلوں سے مدد لینے کے بعد بیجاپور کا حکمراں پھر مغلوں کا مخالف ہو گیا۔ عادل شاہ کے بعد یکے بعد دیگر دوسرے بیجاپوری سرداروں نے بیجاپور کا استحصال کیا' وہاں کی گدی کے سرپرست مسعود نے مغلوں کے خلاف مرہٹوں سے مدد مانگی' چنانچہ دس ہزار گھڑ سوار مرہٹے اور دو سو بیلوں پر سامان خورد و نوش لاد کر شیوا جی نے بھجوا دیا۔ بعد میں سپاہ کے ساتھ شیوا جی بھی بیجاپور پہنچ گیا۔

مغل سردار دلیر خاں بیجاپور کے نواحی علاقوں کو فتح کرتا ہوا بیجاپور کے قلعہ تک جا پہنچا اور اسے فتح کرنے کے لئے تقریباً دو ماہ تک پڑاؤ ڈالے رہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی بالآخر وہ واپس چلا گیا۔ 1682ء میں شہزادہ اعظم کی سربراہی میں ایک بڑی فوج بھیجی گئی۔ بیجاپور کا مغل فوجوں نے محاصرہ کر لیا چنانچہ 12- ستمبر 1680ء کو بیجاپور مغلوں کے تحت میں آ گیا۔

گول کنڈہ

اپنا دوسرا نشانہ اورنگ زیب نے گول کنڈہ کو بنایا۔ وہاں کا چھٹا سلطان عبداللہ قطب شاہ 21 اپریل 1672ء کو فوت ہو گیا۔ اس کی تین لڑکیاں تھیں لیکن لڑکا کوئی نہیں تھا۔ اس کا تیسرا داماد ابوالحسن تھا۔

عبداللہ کے مرتے ہی ریاست گول کنڈہ کے لئے جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ ایرانی نائیک سید محمد کی مدد سے ابوالحسن سلطان اور مظفر وزیراعظم بنا۔ مظفر کا قتل کر دیا گیا تو اور مدنا نامی برہمن کو ابوالحسن نے وزیر بنایا۔ مدنا کا بھائی اکنا گول کنڈہ کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ چونکہ ابوالحسن دن رات عیاشی اور راگ رنگ میں مشغول رہتا تھا اس

لئے اصل طاقت مدنا کے ہاتھ آگئی۔ اپنی حیثیت محفوظ رکھنے کے لئے اس نے مرہٹوں کو ایک لاکھ ہن سالانہ دے کر تحفظ حاصل کیا۔

بیجاپور کو فتح کرنے میں مغلوں کو جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے لئے مرہٹوں کے مقابلہ گول کنڈہ بھی کچھ کم قصور وار نہیں تھا۔ شہزادہ شاہ عالم کی سربراہی (کمان) میں حیدر آباد پر حملہ کرنے کے لئے اورنگ زیب نے فوج روانہ کی۔ 18۔ اکتوبر 1685ء کو ابوالحسن نے ہتھیار ڈال دیئے اور دونوں کے درمیان کچھ شرائط پر صلح ہو گئی۔ لیکن گول کنڈہ کی نقل و حرکت مغلوں کے خلاف جاری رہی۔ 7 فروری 1687ء کو اورنگ زیب نے گول کنڈہ کی گھیرا بندی کرا دی اور قلعہ کی دیوار توڑ کر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی دوران مغلوں کو قحط اور مرہٹوں کا سامنا کرنا پڑا' اس کے باوجود مغل فوجیں آٹھ ماہ تک محاصرہ کئے رہیں۔ 21 ستمبر 1687ء کو گول کنڈہ کے قلعہ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا اور ابوالحسن قید کر دیا گیا۔

گول کنڈہ کو فتح کرنے پر وہاں کے قلعہ سے سونے چاندی کے برتن' جواہرات اور زیورات کے علاوہ سات کروڑ روپیہ نقد بھی مغلوں کو حاصل ہوئے۔ مغلوں کی اس مفتوحہ ریاست کی آمدنی دو کروڑ ستاسی لاکھ روپیہ تھی۔

مراٹھا

بیجاپور اور گول کنڈہ کے زوال کے بعد اورنگ زیب نے اپنی تمام تر طاقت مرہٹوں کے خلاف لگا دی۔ برہان پور اور اورنگ آباد پر حملوں کے علاوہ ایک نئے مرہٹہ سردار سنبھا جی نے اورنگ زیب کے باغی بیٹے شہزادہ اکبر کو پناہ دے کر اورنگ زیب کو ایک بڑا چیلنج دیا تھا۔ اورنگ زیب کو اس بات کا بڑا اندیشہ تھا کہ مرہٹوں کی حمایت کے سہارے مغل علاقوں میں شہزادہ اکبر نے اگر حملے شروع کر دیئے تو ایک طویل خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ لیکن سنبھاجی نے شہزادہ اکبر کو بھرپور سہارا نہ دے کر اپنی طاقت پرتگیزیوں اور سدیوں کے خلاف بے مقصد کی لڑائی میں لگا دی۔ شہزادہ اکبر اور سنبھا جی کا ساتھ مشتبہ ہونا فطری بات ہے۔ چونکہ جب اورنگ زیب بیجاپور اور گول

کنڈہ کے خلاف جنگ میں مصروف تھا اس وقت بھی سنبھا جی نے شہزادہ اکبر کو وافر امداد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ محض اسی وجہ سے 1686ء میں مغل علاقوں پر شہزادہ اکبر کے حملوں کو باآسانی ناکام بنایا جا سکا۔ ناامید ہو کر شہزادہ اکبر سمندر کے راستہ فرار ہو کر ایران چلا گیا۔

بیجاپور اور گول کنڈہ کے زوال کے بعد بھی سنبھا جی اپنے نواح میں اور اپنے داخلی حریفوں سے نمٹنے میں مصروف رہا۔ 1689ء میں اپنے ایک خفیہ اڈے سنگ میشور پر اچانک مغلوں کے حملہ سے سنبھا جی حیران رہ گیا۔ اسے اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ مراٹھوں سے سمجھوتا کر کے اورنگ زیب بیجاپور اور گول کنڈہ پر اپنی فتح کو مستقل کر سکتا تھا۔ سنبھا جی کو قتل کر کے اس نے نہ صرف اس موقعہ کو کھو دیا بلکہ مرہٹوں کو اپنا محاربہ مزید تیز کرنے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ کسی ایک طاقتور رہنما کے نہ ہونے کی وجہ سے مرہٹہ سرداروں نے کھلے عام مغل علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ مغل فوج کو دیکھتے ہی وہ ادھر ادھر چھپ جاتے تھے۔ مرہٹوں کا خاتمہ کرنے کے بجائے اورنگ زیب نے انہیں سارے دکن میں اپنی حرکات و سکنات مزید تیز کرنے کا موقع دیا۔ سنبھا جی کے چھوٹے بھائی راجہ رام کی حکومت تو قائم ہوئی لیکن راجدھانی پر مغلوں کا حملہ ہوتے دیکھ کر وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ راجہ رام نے بھاگ کر مشرقی سرحد پر جنجی میں پناہ لی اور وہاں سے اس نے مغلوں کے خلاف جنگ کو جاری رکھا' اس طرح مرہٹوں کی بغاوت مغرب تا مشرق پھیل گئی۔

اورنگ زیب نے جنجی میں راجہ رام کو محاصرہ میں لے لیا' یہ محاصرہ کافی دن تک جاری رہا۔ 1698ء میں جنجی کا زوال ہوا لیکن راجہ رام وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ مرہٹوں کے حملوں میں تیزی آ گئی۔ کئی مرتبہ مغلوں کو کثیر نقصان اٹھانا پڑا۔ مرہٹوں نے کھوئے ہوئے کئی قلعوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ راجہ رام ستارا واپس آنے میں کامیاب ہوا۔ مغلوں اور مرہٹوں کی کشیدگی برقرار رہی۔

1703ء میں اورنگ زیب نے مرہٹوں سے بات چیت شروع کی' سنبھا جی کے لڑکے ساہو کو وہ رہا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس وقت ساہو ستارا میں اپنی ماں کے ساتھ

قید تھا۔ ساہو کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ جوان ہونے پر اس کی شادی نامور مرہٹہ گھرانوں کی دو لڑکیوں کے ساتھ کر دی گئی۔ شیوا جی کی ریاست اور دکن میں "سردیش مکھی" کا اختیار ساہو کو دے کر اس کی خصوصی حیثیت تسلیم کرنے کے لئے اورنگ زیب تیار تھا۔ لیکن خفیہ معلومات کی بنا پر اورنگ زیب نے آخر میں مرہٹوں سے مشتبہ ہو کر اس سارے منصوبہ کو رد کر دیا۔

1706ء میں اورنگ زیب کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مرہٹوں کے تمام قلعوں پر قبضہ کرنا مشکل ہے لیکن پھر بھی جنگ جاری رہی۔ 1707ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا اور مرہٹوں کو دم لینے کا موقع مل گیا۔

اگر ہم اورنگ زیب کو ایک مسلم حکمراں کے بجائے صرف حکمراں یا بادشاہ سمجھیں تو یہ حقیقت تسلیم کرنا ہو گی کہ کسی بادشاہ کو ہر چیز سے زیادہ اپنے تاج و تخت کی بقا اور استحکام عزیز ہوتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے بھی اپنی سلطنت اور تخت کے استحکام کو ہی اولیت دی۔ اس کی صوبائی حکمت عملی اور ان کی تشکیل میں یہی مقصد سب سے زیادہ اہم اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے دکن کی کتنی ہی ریاستوں کے مسلم حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں کو جہاں ایک طرف اپنا مخالف سمجھا وہیں دوسری طرف ہندوؤں کو اپنا معتمد سمجھا۔ ایک طاقتور راجپوت جے سنگھ کو نہ صرف صوبہ داری کے اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے مرہٹوں سے نمٹنے اور ان کی طاقت کو ختم کرنے کی پوری ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی۔ مسلم اور غیر مسلم پر دھیان دیئے بغیر جے سنگھ نے بھی ایمانداری اور پوری وفاداری کے ساتھ مرہٹوں کی مخالفت اور اورنگ زیب کی حمایت میں اہم کارکردگی دکھائی۔

جس طرح ذاتی مفادات کے تحت گول کنڈہ اور بیجاپور کے مسلمانوں نے اورنگ زیب کی مخالفت' اس کے کنبہ میں نااتفاقی اور ہندو طاقتوں کے ساتھ راہ و رسم قائم رکھنے کی روش اختیار کی' اس سے ایک اہم ثبوت یہ فراہم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں اتحاد نہیں تھا' البتہ کچھ مسلمان حکمراں یا سلطان ایسے تھے جو ذاتی مفاد کی خاطر ضرورت پڑنے پر دوسرے مسلمان حکمرانوں سے متحد ہو گئے۔

مندرجہ بالا صورت حال کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہی نہیں ہوتا' بلکہ مرہٹوں کا بھی یہی انداز تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کتنے ہی ہندو علاقوں کو مرہٹوں نے صرف ذاتی فائدہ کے لئے تاراج کیا۔ وہاں کے تباہ حال عوام نے اورنگ زیب کے حق میں اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ عقیدت مندی صرف اس لئے کہ نہ صرف اورنگ زیب بلکہ اس سے پہلے بھی یہی چیز نظر آتی ہے کہ عوام ہمیشہ ٹیکس کا بوجھ برداشت کرتے اور بے بس ہوتے ہیں۔ تعلیم کا فقدان' ذرائع آمدورفت کی کمی اور اقتصادی مشکلات کی وجہ سے عام رعایا تمام حکمرانوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا غیرہندو ایک جیسا ہی سمجھتی' اس لئے کہ ان کا استحصال سب نے یکساں طور پر کیا۔

مرہٹوں کی فوج میں صرف ہندو ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ فوجی عہدوں پر بہت سے اہل اور باصلاحیت مسلمان فائز تھے اور مسلم طاقتوں کے خلاف انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ مرہٹوں کا ساتھ بھی دیا۔

لہٰذا ہمیں کہنا پڑے گا کہ تمام مسلمانوں کا ایک ہونا اور بلااتفاق سبھی ہندوؤں کی جداگانہ حیثیت سمجھنے کی بات انگریزوں کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ اور اس بے بنیاد بات کو باور کرانے کے لئے حقائق کو نظرانداز کیا گیا' یا اس کی تفصیل اطمینان بخش طریقہ سے نہیں کی گئی۔

اس حقیقت سے روشناس ہونے کے لئے اگر اورنگ زیب کے زمانہ کے اسباب اور عوامل کو نظرانداز بھی کر دیا جائے تو دور حاضر کے حالات کا جائزہ لینے سے بھی اس حقیقت کو باآسانی سمجھا یا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں ہر سال سینکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن میں مسلمان مسلمان کا مخالف نظر آتا ہے اور ہندو کی گولی سے ہندو کا سینہ چھلنی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس بہت سے ہندو کنبوں کا روزگار مسلمانوں کے ہاتھ میں اور بہت سے مسلمانوں کی زندگی ہندوؤں کی سرپرستی میں بسر ہو رہی ہے۔ یہ حقیقت علیحدگی پسندی یا آپسی منافرت نہیں بلکہ ہندو اور مسلمانوں کے اشتراک سے پیدا شدہ ایک ایسے ماحول کی تصویر پیش کرتی ہے جس میں سماجی' سیاسی'

اقتصادی یہاں تک کہ مذہبی معاملوں میں بھی ہندو اور مسلمان ایک جیسے اور گھلے ملے دکھائی دیتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے سے الگ اور بٹے بچے۔

اسی طرح اورنگ زیب کے زمانہ میں مذہبی منافرت کا ماحول ہوتا اور اسی کے لئے ہندو اور مسلمان نبرو آزما ہوتے' تو اورنگ زیب کے ساتھ نہ تو جے سنگھ ہوتا اور نہ ہی شیواجی کی حمایت میں مسلمان گولکنڈہ۔

قوم پرستی

مورخین کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ سارے ہندوستان کو ایک ملک مانتے ہوئے اور قوم یا مذہب کو کسی طرح کی اہمیت دیئے بغیر صرف سماجی' اقتصادی' سیاسی اور تہذیبی پہلوؤں کو ہی اہمیت دی جائے' مزید برآں یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ عوامی اتحاد کو جوڑے رکھنے یا اسے پارہ پارہ کرنے میں تاریخ نگاری کی خاص اہمیت ہے۔

اسے غلط تاریخ نگاری کا انجام ہی کہا جا سکتا ہے کہ آج بھی ہمارے تعلیمی اداروں پر فرقہ بندوں کا تسلط برقرار ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کا تمام تر خرچ سرکار برداشت کرتی ہے لیکن طلباء کو ہر قسم کی تعلیم کے نام پر آپسی منافرت اور غلط رجحانات کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ مذہبی غیر جانبداری اور آزادی کو دونوں ہی طرف سے چیلنج کا سامنا ہے۔ اگر ایک طرف ہندو قومیت کے علمبردار تمام تشخص کو ختم کر کے یکساں (بھارتیہ کرن) بن جانے پر زور دیتے ہیں تو دوسری طرف سکھ اور مسلمان مذہب کے معاملہ میں نہایت سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے مذہب کو سیاست سے الگ نہ سمجھنے پر اڑے ہوئے ہیں' اور یہ حقیقت ہے کہ ان مذہبی عصبیت کے علمبرداروں کا یہ انداز ملکی مفاد کے قطعاً" خلاف ہے۔

تمام شواہد کو نظر انداز کرتے ہوئے آج بھی کچھ دانشور ہمارے ملک کے وسطی عہد کو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان' منافرت اور دشمنی کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ تہذیبی اور ثقافتی حد تک دونوں گروہوں میں خوشگوار تعلقات رہے۔ آرٹ' موسیقی'

مصوری' صنعت گری اور ادب جس صورت میں اس وقت ہمارے پاس موجود ہے وہ دونوں فرقوں کی صدہا سال کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہے۔ پانچ چھ سو سال کے اس عرصہ سے متعلق جو کچھ حاصل ہوا ہے اس میں یہ نشاندہی کرنا یا تلاش کرنا آج بھی ناممکن ہے کہ اس میں کتنے اور کس حصہ کا تعلق کس فرقہ سے ہے۔

اس حقیقت کو دھیان میں رکھ کر کچھ عوامی (عوام پسند) کہے جانے والے بادشاہوں کے بارے میں غور کرنا ضروری ہے۔ رعایا کو ایک قوم سمجھنے والے بادشاہوں میں سب سے زیادہ مشہور موریہ شہنشاہ اشوک اور مغل شہنشاہ اکبر ہیں۔

اشوک کی لاٹوں اور کتبوں کا پھیلاؤ اس کی ہردلعزیزی کے ایسے ثبوت ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ شمال مغرب میں اس کے کتبے مانِ سہرا' شہباز گڑھی اور لام دھن تک اور دور تک مغرب میں قندھار تک ملتے ہیں۔ اس نے قندھار' کمبوج اور یونوں کو اپنی سرحد پر بتایا ہے۔ اس کی مملکت کی مغربی سرحد پر مصر کے انیٹوکس ثانی کی حکومت تھی۔ مندرجہ بالا تین مقامات کے لوگوں کو عین سرحد کے اختتام پر کہنا غیر واضح ہے' کیونکہ اس معاملہ میں اختلاف رائے ہے اور ہنوز طے نہیں ہو پایا ہے کہ یہ لوگ مملکت کے اندر تھے یا سرحد کے پار۔ کتبوں کی تنصیب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مملکت کے اندر ہی رہتے تھے جنوبی سرحد پر چول' پانڈیہ' ستیہ پتر اور کیرل پتر مملکتیں تھیں جہاں اشوک کا کوئی کتبہ نہیں ملتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تمام سلطنتیں خود مختار اور آزاد سلطنت کی حیثیت سے قائم تھیں۔ (23)

اول الذکر قومی یکجہتی اور ملکی سالمیت کے نشان اور ہردلعزیز عوام شہنشاہ اشوک کے عہد میں اس کی مملکت کی حدود اور اس کی سلطنت کا جو پھیلاؤ نظر آتا ہے وہ اس بات کا مظہر ہے کہ جنوبی ہندوستان کا ایک تہائی حصہ اشوک کے ہندوستان کا جزو کبھی نہیں بن سکا۔

اشوک کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں اکبر کو دوسرا ملک گیر شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف رائے نہیں کہ اکبر مغل دور کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ رہا ہے۔ اکبر ایک عظیم سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا لیکن اشوک کی طرح جنوب

کے صوبے اس کے قبضہ میں بھی نہیں آ سکے۔ وہ اپنے فوجی محرکات فوجی کارروائیوں اور فتح کے منصوبوں کے تحت صرف ریاست احمد نگر تک کے علاقہ کو ہی ایک مملکت کے سائبان اور سیاسی وحدت میں ضم کر سکا' حقیقی صورت یہ تھی کہ بیجاپور' گول کنڈہ اور احمد نگر ریاستوں نے کشیدگی اور جنگ کا ایسا ماحول قائم رکھا کہ وہ اکبر کے لئے دردِ سر بنا رہا اور وہ وہاں اپنا اقتدار قائم نہیں کر سکا۔

اگر اشوک اور اکبر کے سلسلہ کے مندرجہ بالا تنقیدی جائزہ سے ہم اتفاق کرتے ہیں اور پھر بھی اگر انہیں عظیم اور کل ہند حکمراں سمجھتے ہیں تو اورنگ زیب کے حق میں ناانصافی کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حکمرانوں سے اگر اورنگ زیب کا موازنہ نہ بھی کیا جائے تب بھی یہی آشکارا ہوتا ہے کہ تقریباً 60 سال کا طویل عرصہ جس کا تعلق اورنگ زیب کی حیات' اس کے کردار اور کارگزاریوں سے ہے بجائے خود ہندوستان کی تاریخ قرار پاتا ہے۔ پچاس سال تک (1658ء تا 1707ء) وہ حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں مغل سلطنت کی وسعت اپنی آخری حدود تک پہنچ گئی تھی۔ عہد قدیم سے انگریزوں کی حکومت قائم ہونے تک ہندوستان میں اتنی وسیع سلطنت کا قیام کبھی نہیں ہوا۔ غزنی سے لے کر چاٹگام تک اور کشمیر سے کرناٹک تک عظیم ہندوستان ایک ہی حکمراں اورنگ زیب کے تحت تھا۔ اس سلطنت کے مختلف علاقوں کا بندوبست چھوٹے درجہ کے حکمرانوں (نوابوں یا راجاؤں) کے سپرد نہ رہ کر براہ راست بادشاہ کے تقرر شدہ عمال کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اورنگ زیب کے زمانہ کا ہندوستان اشوک' سمندر گپت یا ہرش کے عہد کے ہندوستان سے کہیں زیادہ وسیع اور مکمل تھا۔

اورنگ زیب کی سلطنت کی اس قدر وسعت اس کی اہلیت اور کثیر عوام کی حمایت کا نتیجہ تھی۔ اتنی وسیع سلطنت کا قیام اسی صورت میں ممکن تھا جب یہاں کی تمام قوموں کو مساوی حقوق' ذرائع اور آسانیاں حاصل ہوں۔ آپسی اختلاف رائے کے باوجود خاص معاملوں میں کبھی اختلاف نہیں رہا' اور اسی کے نتیجہ میں انگریزوں کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں کاندھے سے کاندھا ملا کر لڑے اور اس اتحاد نے ہتھیار کا کام

دیتے ہوئے انگریزوں کے سارے منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔ اس انحلو کی بنیاد اگر پہلی مرتبہ اشوک کے زمانہ میں اور دوسری بار اکبر کے عہد میں مضبوط ہوئی تو اورنگ زیب کے ہندوستان میں پوری طرح ابھر کر اپنی انتہا کے آخری مرحلے تک پہنچ گئی۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان میں جتنی طاقتیں (بیجاپور، گولکنڈہ، مرہٹے، راجپوت، افغان اور سکھ) دکھائی دیتی ہیں ان میں سے کوئی بھی طاقت علاقائی طاقت سے بڑھ کر قومی درجہ کی طاقت ہونے کی حیثیت اور اہلیت نہیں رکھتی تھی۔

مورخین کے مابین یہ اب بھی ایک مسئلہ سا بنا ہوا ہے کہ وہ ایسی مسلم شخصیت کو اولیت دیں جس نے پورے ہندوستان کی یکجہتی کو ایک دھاگے میں پرونے کی کوشش کی اور بالآخر کامیابی نصیب ہوئی یا ایسے حقائق کو جن میں ہند اور مسلمان دونوں تھے اور انہوں نے اس یکجہتی کے دھاگے کو توڑنے ہی میں اپنا سارا وقت گزار دیا۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس طرح کہیں کہ مورخین اس طاقت کی حمایت کریں جس نے سارے ملک کو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ایک بندھن میں باندھے رکھنا چاہا (مگر اپنی یا ہماری بدقسمتی سے وہ طاقت مسلمان تھی) یا ان طاقتوں کی حمایت کریں جو محض ذاتی مفاد کو ہی ہمیشہ ترجیح دیتے ہوئے مرکزی اقتدار کی جڑیں ہلانے اور اسے اکھاڑنے میں معروف رہیں۔ (یہ طاقتیں ہندو بھی تھیں اور مسلمان بھی لیکن بعد کے تنگ نظر تاریخ نگاروں کو ان میں صرف ہندو طاقتوں کے نام اجاگر کرنا یاد رہے) جذباتی میلان تو یہ ہے کہ یہ سب ٹھیک ہی ہوا۔ اگر مرہٹے اورنگ زیب کی مضبوط مرکزی سرکار کو دھکے دے دے کر کمزور نہ کرتے تو یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ مسلمانوں کی مضبوط حکومت کتنی دور اور کتنی دیر تک قائم رہتی۔ درمیان میں بھلے ہی انگریزوں کی حکومت آگئی لیکن مسلم حکومت سے تو مستقل طور پر چھٹکارا مل گیا۔ مگر عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ ہوا ٹھیک نہیں ہوا۔ اگر مرکز کمزور نہ پڑتا تو غیر ملکی طاقتوں کو ہماری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی کبھی ہمت نہیں پڑتی، ملک پر قبضہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹیپو سلطان، سراج الدولہ، بہادر شاہ ظفر، ویر کنور سنگھ، رانی جھانسی، تانتیا ٹوپے اور حضرت محل غیر ملکیوں کے ہاتھوں جان گنوانے اور

بدلہ میں وطن کے لئے کچھ بھی نہ کر سکنے کے بجائے ملک کی قومی یکجہتی کا خوبصورت محل بنانے میں کامیاب ہو سکتے تھے اور اگر یہ نہیں ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ ملک تین ٹکڑوں میں کبھی تقسیم نہ ہوتا۔

حوالہ جات

1- عالمگیر (ترجمہ) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دہلی 1981ء ص 20'15-

2- ایضاً

3- محمد اطہر علی "1679ء کے راٹھور وِدروہ کے کارن" مدھیہ کالین بھارت شمارہ 2 مدیر عرفان حبیب 1983ء ص 102-93

4- ماثر عالمگیری صفحہ 76-170

5- محمد اطہر علی "دی ریلیجس ایشوز ان دی وار آف سکیشن 59-1658ء پروسیڈ نگس آف انڈین ہسٹری کانگریس علی گڑھ 1960ء

6- ماکھن لال رائے چودھری ایضاً ص 72-271

7- ایضاً

8- کننگھم ــــــ سکھوں کا اتیہاس "مرتبہ کملا کرتیواڑی" ترجمہ رمیش تیواڑی اور سریش تیواڑی، اتیہاس پرکاشن سنستھان وارانسی دسمبر 1965ء ص 76

9- پری شِشٹ 22 کے مطابق نانک، انگد، امرداس، ارجن، ہرگوبند گرودت ہررائے، ہرکشن اور تیغ بہادر کے بعد دسویں اور آخری گرو گووند سنگھ تھے۔

10- ایضاً ص 53

11- ایضاً ص 55

12- ایضاً

13- ایضاً ص 57

14- براؤن "انڈیا ٹریکٹس" جلد 2 ص 3-2

15- کننگھم سکھوں کا اتیہاس، ص 57-

16- براون "انڈیا ٹریکٹس" ص 67

17- کننگھم ــــــ سکھوں کا اینہاس صفحہ 77-

18- یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ گدی کی خاطر اشوک موریہ نے اپنے سو بھائیوں کا قتل کیا۔ گدی حاصل کرنے کے لئے آخری موریہ حکمراں ہر یدرتھ کو اس کے سپہ سالار پشیہ مترشنگ نے قتل کیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں سر پر تاج پہننے کی غرض سے اجات شترو نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ تاج شاہی کے حصول کی خاطر اپنے باپ شاہجہاں سے نہ صرف اورنگ زیب بلکہ شجاع اور مراد نے بھی بغاوت کی۔ ان تمام واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سکھ مسئلہ کو طولانی شکل دے کر اورنگ زیب کو قصوروار اور سکھوں کا مخالف قرار دینا' دوسرے تاریخی واقعات کو اگر مد نظر رکھا جائے تو مناسب نہیں۔

19- انڈیا آفس میں درج فہرست قلمی کتاب نمبر 1344 کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے بیٹے کام بخش کو ایک خط کے ذریعہ اس بات کی سخت تاکید کی تھی کہ کسانوں پر اور دیگر رعایا پر بے وجہ کبھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ اس بات کے لئے بھی متنبہ کیا تھا کہ خاندان در خاندان چلے آئے خدمت گاروں کو نہ تو ملازمت سے برطرف کیا جائے اور نہ ہی انھیں تنگ کیا جائے۔

20- کننگھم ــــــ سکھوں کا اینہاس ص 79' 80

21- جادو ناتھ سرکار (اورنگ زیب ص 340) لکھتے ہیں کہ 1703ء کے بعد شیوا جی اور شبھو جی دیہات کو اور تاجروں کو ہندو اور مسلمان کی تفریق کے بغیر لوٹا کرتے تھے اور مغل فوج کے آتے ہی روپوش ہو جاتے تھے۔

22- رام پرشاد ترپاٹھی (مغل سامراج کا اتھان اور پتن' الہ آباد 1984ء ص 374) لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب بہت اچھا لکھنے والا اور باصلاحیت فوجی تھا۔ مضبوط قوت ارادی اور مستقل مزاجی کا حامل اورنگ زیب سیاسی چالوں اور سوجھ بوجھ کے اعتبار سے عدیم المثال تھا۔ بیورے (حساب کتاب) کی جانچ وہ کافی محنت اور تیزی کے ساتھ کرتا تھا۔ قوت برداشت اس کو بدرجہ اتم حاصل تھی۔ اس کی سنجیدگی اعلیٰ ظرفی اور تحمل سے لوگوں پر اس کا رعب چھا جاتا۔ اس کی سخت اصول پسندی اور گہری سیاسی پالیسی کے پیش نظر لوگ اس سے خوف زدہ

رہتے تھے۔ تکلیف اور پریشانی کے وقت بھی وہ اسپات کے مانند سرد رہتا۔ خوشی میں بھی اس کے چہرے کا رنگ تبدیل نہیں ہوتا تھا۔ اس کی سپاہ اس کے برتاؤ سے خوش رہتی۔ جسمانی' ذہنی یا فکری کمزوری کا الزام اس پر نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ ہمیشہ چوکنا اور فکرمند بنا رہتا۔ کسی پر مکمل اعتماد آسانی سے نہیں کرتا اور اس کا احساس نہ دلاتے ہوئے دوسرے سے کام نکالنے کی اس میں اہلیت تھی۔ اس کی مذکورہ بالا خصوصیتوں کو کسی قسم کا چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔

23- رومیلا تھاپر "اشوک تتھا موریہ سامراج کا پتن" (اشوک اور موریہ کا سلطنت کا زوال) دہلی 1977ء ص 131-

چوتھا باب

جزیہ

اورنگ زیب کے زمانہ میں لفظ جزیہ کی کافی شہرت رہی۔ بہت سے دانشوروں نے یقینی طور سے سچ مان کر جزیہ کو ہندوؤں کے خلاف ایک ایسا ہتھیار بتایا جسے استعمال کر کے اورنگ زیب نے بیشمار ہندوؤں کو مسلمان بنا دیا۔

"فخرالدین علی احمد لیکچر" (1) کے دوران حال ہی میں ستیش چندر نے بتایا کہ جزیہ ہندوؤں سے لیا جانے والا ایک محصول تھا جس کی اجازت شریعت دیتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق مسلم حکومت میں جب غیر مسلم لوگ اس کی بالادستی اور اقتدار کو تسلیم کر لیتے ہیں تو انہیں ذمی کہا جاتا ہے۔ ذمی کے معنی یہ ہیں کہ ان غیر مسلم لوگوں کی حفاظت سماجی، اقتصادی، مذہبی اور سیاسی نقطہ نظر سے مسلم حکومت کے ذمہ ہو گی اور اس کے بدلہ میں حکومت ان سے محصول لے گی۔ مندرجہ بالا نقطہ نظر اور شریعت کے مطابق اورنگ زیب نے ہندوؤں کے تحفظ کی گارنٹی لی (2) اور اس کے عوض جو محصول اس نے لیا وہ جزیہ کہلایا۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنے کے لئے علماء کی ایک ایسی مذہبی تنظیم تھی جو خود کو حکومت سے کہیں زیادہ اونچا اور افضل سمجھتی تھی۔ عام طور پر ایسے ہی لوگوں نے ہندو مذہب کے خلاف زیادہ آواز اٹھائی لیکن اس تنظیم سے بھی زیادہ بڑی ایک اور تنظیم تھی جس میں ایک سے ایک بڑھ کر بااثر اور اسلام کی پوری معلومات رکھنے والے لوگ تھے۔ اس تنظیم نے مذہب کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم میں کسی طرح کا فرق نہ سمجھتے ہوئے سبھی کو ایک ملک کا باشندہ سمجھا۔ ایسے ہی

لوگوں کی وجہ سے اورنگ زیب کے زمانہ میں اہلیت کے مطابق ہندو اور مسلمان دونوں کو فائدہ پہنچا' اور دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی طرح بڑے پیمانہ پر فرقہ وارانہ جھگڑوں کا ثبوت اس زمانہ میں نہیں ملتا۔

اورنگ زیب کے زمانہ میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ کسی قوم یا فرقہ کے خلاف نہیں' بلکہ حکومت کو مضبوط بنانے کے مقصد سے لڑی گئیں۔ اگر مذہب یا کسی مخصوص قوم کو دھیان میں رکھتے ہوئے لڑائیاں لڑی جاتیں تو اورنگ زیب مسلم ریاست گول کنڈہ اور بیجاپور کی حکومتوں پر کبھی حملہ نہ کرتا۔

اسی ذیل میں ستیش چندر بتاتے ہیں کہ گول کنڈہ پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں قاضی القضاۃ سے اورنگ زیب نے فتویٰ مانگا تو اس نے بتایا کہ اسلام کی رو سے ایک مسلم سلطنت پر حملہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ تمام مسلمان ایک ہیں۔ اس پر اورنگ زیب نے قاضی دربار کو معزول کر کے ایک دوسرے صاحب علم قاضی کا تقرر کیا جس نے دشمن مسلم حکومت پر حملہ کرنے کو درست قرار دیا۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی اورنگ زیب کے غیر جانبدارانہ خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔

"ہندوؤں پر جزیہ لگانا مناسب نہیں" کہنے سے پہلے ہمیں اس بات پر دھیان دینا زیادہ مناسب ہو گا کہ اپنی حکومت کے قیام کے بائیس سال بعد 1679ء میں اس نے جزیہ لگایا۔ (3) اور اپنے انتقال کے آخری لمحات میں جزیہ ختم کرنے کا حکم دیا۔ جس کو اورنگ زیب کے انتقال کے بعد پوری طرح عمل میں لایا گیا۔ (4) اورنگ زیب نے محسوس کیا تھا کہ غیر مسلم رعایا کو سماجی' اقتصادی اور مذہبی اعتبار سے تحفظ دینا اب اس کے لئے ممکن نہیں رہا اس لئے اس نے جزیہ معاف کر دیا۔ سرکاری اہل کار اور عہدیدار (عمال) فوجی (راجپوت) عورتیں' اندھے' اپاہج' بچے' غریب' سیلاب' خشک سالی اور وبائی امراض سے متاثرہ علاقوں کے ساکن جزیہ سے مبرا تھے۔ ماحصل یہ کہ بمشکل دس فیصد مالدار ہندوؤں سے اوسطاً" دو روپیہ آٹھ آنہ فی سینکڑہ کی در سے جزیہ وصول کیا گیا۔

یہ کہنا کہ جزیہ ہی کی وجہ سے ہندوؤں نے اورنگ زیب سے بغاوت کی' درست نہیں۔ اورنگ زیب ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہا کہ راجپوتوں کے ساتھ اس کا خوشگوار تعلق قائم رہے' لیکن اس میں اسے مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ پھر بھی اس نے اکبر کی طرح ڈرتے ہوئے متذبذب یا غیریقینی اصول کو اختیار نہیں کیا۔ اکبر کے بارے میں یہاں یہ بتا دینا مناسب نہ ہو گا کہ راجپوتوں کی بغاوت کو ابتدا میں تو اکبر نے دبا دیا تھا لیکن 1561ء کے بعد اس نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی۔ (5) تلوار کے بل پر پوری طرح راجپوتوں پر قابو پانا اسے ممکن نظر نہیں آیا اس لئے اس نے شادی کے تعلق' مذہبی آزادی' جزیہ کی معافی (1564ء) اور سفر کے محصول کے خاتمہ (1562ء) کی بنیاد پر شمالی ہندوستان کے قوی تر راجپوتوں سے تعلق بہتر بنانے کی کوشش کی۔ (6)

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً چار سو سال تک رہی اور زیادہ تر زمانوں میں جزیہ وصول کیا گیا' اس کے باوجود عہد قدیم سے چلے آئے مذہبی معتقدات اور مذہبی مقامات کی اپنی حیثیت برقرار رہی۔ (7) اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جزیہ کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر مذہب کی تبدیلی کا عمل ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو "اسلام کے شیدائی" اس کا بیان بڑھا چڑھا کرنے سے باز نہ رہتے۔

بہت سے دانشوروں نے کہا ہے کہ کمزور اقتصادی صورت حال کو سدھارنے کے لئے اورنگ زیب نے جزیہ لگایا۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کمزور اقتصادی صورتحال سے اورنگ زیب گدی پر بیٹھتے ہی آگاہ ہو چکا تھا اور جزیہ اس نے حکومت کے قیام کے بائیس سال بعد لگایا۔

گدی پر بیٹھنے کے دوسرے سال میں اورنگ زیب نے محسوس کیا کہ جانشینی کے مسئلہ پر ہوئی جنگ کی وجہ سے شمالی ہندوستان کی غذائی صورت حال تشویش ناک ہو گئی تھی' قحط سالی کے زمانہ کی طرح اناج بڑھی قیمتوں پر فروخت ہو رہا تھا۔ تمام سلطنت میں جگہ جگہ درآمدی محصول لگنے سے دشواریاں اور بڑھ گئی تھیں۔ ندی کے تمام

گھاٹوں' پہاڑوں کے درمیان گھاٹیوں اور مختلف صوبوں کی سرحدوں پر مال کا دسواں حصہ راہداری (8) یعنی راستوں کی دیکھ بھال اور انہیں محفوظ رکھنے کے لئے لیا جاتا تھا۔ آگرہ' دہلی' لاہور اور برہان پور جیسے بڑے شہروں میں باہر سے لائی گئی ہر کھانے کی چیز پر "پنڈاری" نام کا محصول لیا جاتا تھا۔

اورنگ زیب نے راہداری اور پنڈاری دونوں طرح کے محصول مغل سلطنت کے خالصہ علاقوں میں بند کر دیئے۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کو اس نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور کم اناج والے علاقوں میں ضروری اناج بغیر کسی اڑچن کے جانے لگا۔ اناج کی قیمت میں گراوٹ آئی۔ 1673ء میں اورنگ زیب نے اور کئی پریشان کن ٹیکسوں کو بھی ختم کر دیا۔

اپنی حکومت کے تیرہویں سال میں اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کی آمدنی اور خرچ کا حساب کیا تو خرچ آمدنی سے زیادہ نکلا لہٰذا خرچ میں کٹوتی کی گئی۔ (9) جس کا اثر شاہی خاندان پر بھی پڑا۔ اکیسویں سال میں دربار شاہی کی سجاوٹ میں تخفیف کی گئی۔ کلرکوں کو چاندی کی جگہ مٹی کی دواتیں دی گئیں۔ دیوان عام میں سونے کی ریلنگ کے مقام پر لاجورد پتھر کی ریلنگ لگائی گئی۔ سونے اور چاندی کے عطردان اور دوسرے برتن ہٹا دیئے گئے۔ شاہی کارخانوں میں سنہری کپڑے کی تیاری روک دی گئی۔ (10) اقتصادی نوعیت کو دھیان میں رکھ کر تاریخ نویسی کے سرکاری محکمہ جات بند کر دیئے گئے۔ (11) چھوٹے محصولوں کو اس نے ختم کرنے کا فرمان جاری کیا۔ (12) اس سلسلہ میں صرف خالصہ زمینوں میں 25 لاکھ (13) کا خسارہ ہوا۔ (14) البتہ یورپین تجار کے ذریعہ غیر ممالک سے درآمد یا برآمد کرنے پر چار فیصدی چنگی وصول کی جاتی۔ اس سے پہلے مغل حکمرانوں نے اتنی زیادہ چنگی یورپی تاجروں پر نہیں لگائی تھی۔ (15) یہ اورنگ زیب کی دور اندیشی سمجھی جائے گی کہ اس نے غیر ملکی بیوپاریوں کے ذریعہ کئے گئے بیوپار کو ہندوستان کے حق میں خطرناک سمجھا۔ اورنگ زیب نے جن چھوٹے محصولوں کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ جاگیرداروں نے ان کا وصولنا بند نہیں کیا' اس لئے کہ

ایسا کرنے سے ان کی آمدنی میں بھی کمی آتی۔ (16) اورنگ زیب کے حکم کی تعمیل راجہ جسونت سنگھ جیسے صرف چند ہی امیروں نے کی۔ زیادہ تر امیروں نے اس چھوٹ سے ہونے والے نقصان کو پورا کرنے کی مانگ اورنگ زیب سے کی۔ (17) ایسی حالت میں اسلامی قانون کا بہانہ بنا کر جزیہ کو زبردستی وصول کرنے کی بات منصفانہ نہیں معلوم ہوتی۔ (18)

اورنگ زیب کے دور حکومت میں وصول کئے جانے والے جزیہ کا کوئی آنکڑہ ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ جزیہ دہلی کے سلطانوں نے وصول کیا۔ مغلیہ دور میں بابر' ہمایوں اور اکبر (ابتدائی سال) اورنگ زیب کے زمانہ میں جزیہ وصول کیا گیا۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں یہ معاف رہا۔ (19)

اورنگ زیب کے زمانہ میں جزیہ کی سالانہ وصولیابی پر دانشوروں نے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ خافی خان بتاتا ہے کہ 1681ء میں امین جزیہ میر عبدالکریم نے پچھلے سال کے دوران برہان پور شہر سے چھبیس ہزار روپیہ وصول کئے تھے اور تین ماہ برہان پور کے آدھے ساکنوں کے ذمہ ایک لاکھ آٹھ ہزار روپیہ (1,08000) واجب الادا قرار دیئے تھے۔ (20) فصل خراب ہو جانے پر جزیہ سے کافی حد تک چھوٹ پابندی سے دی جاتی رہی۔ (21) عیسائی بیوپاریوں سے برآمدی اشیا پر جزیہ نہ لے کر ڈیڑھ فیصدی مزید محصول لیا جاتا تھا اس لئے کہ ان کے تحفظ کی ضمانت اورنگ زیب نے نہیں لی تھی۔ (22)

سر جادو ناتھ سرکار (23) کے بقول جزیہ متعین کرنے کے لئے رعایا کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے درجہ میں دس ہزار درہم سے زیادہ کے مالدار لوگ آتے۔ قریشی نے ایک درہم کی قیمت پانچ سو گرین چاندی بتائی ہے۔ عرفان حبیب کے مطابق (24) 12 درہم اس زمانہ میں تین روپیہ 2 آنہ کے برابر تھے۔ دوسرے درجہ میں دس ہزار سے کم اور دو سو درہم سے اوپر والے لوگ آتے تھے۔ دو سو درہم سے کم دولت والے لوگ تیسرے درجہ میں شمار ہوتے تھے۔ جزیہ کے طور پر پہلے درجہ کے لوگوں کو

48' دوسرے کو 24 اور تیسرے درجہ کے لوگوں کو 12 درہم دینا پڑتے تھے۔ سر جادو ناتھ سرکار کے اس آنکڑے کے مطابق اگر دس ہزار درہم پر 48 درہم جزیہ لیا جاتا تو آدھ فیصد سے بھی کم کی در ہوتی ہے۔ اور اگر 200 درہم پر 12 درہم جزیہ رکھا جائے تو 6 فیصد کی در آتی ہے۔ سب کا اگر اوسط نکالا جائے تو تقریباً 2.50 فیصد جزیہ وصول کئے جانے کی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور یہ شریعت کے مطابق صحیح در ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے ہے کہ یہی در مسلمانوں کے لئے بھی مقرر تھی۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ دونوں کے نام الگ الگ تھے۔ مسلمانوں کے لئے زکوۃ اور ہندوؤں کے لئے جزیہ کہلاتا۔ یہاں یہ بتا دینا بھی کم دلچسپی کا موجب نہ ہو گا کہ یہ جزیہ محصول مع جزیہ لفظ کے اسلام کی اپنی خصوصیت نہیں بلکہ ہندوستان کی طرح ایک اور غیر مسلم ملک اور ایک غیر مسلم طاقت کے قانون سے لیا گیا ہے۔ یعنی اسلام سے قبل کا ایران!

ایک اور بات یہ کہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا جو اسلامی سرحدوں کے اندر ہے اور جو غیر مسلم اسلامی حدود سے باہر ہوتے انہیں اسلام کا دشمن قرار دیا جاتا۔ اس لئے ان سے کسی قسم کے تعلق رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جزیہ سے حاصل شدہ رقم ایک علیحدہ خزانہ "خزانہ جزیہ" میں جمع ہو کر کارہائے خیر میں صرف کی جاتی (جس میں بیواؤں اور یتیموں کی امداد بھی شامل تھی) اس بنیاد پر کچھ دانشوروں کی یہ بات رد کی جا سکتی ہے کہ اورنگ زیب نے جزیہ کے ذریعہ اپنے اقتصادی بوجھ کو ہلکا کیا۔ (25)

جزیہ کا استعمال نیک کاموں میں کرنے کے معاملہ میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے مطابق جسمانی اعتبار سے کمزور یا معذور سبھی مسلمانوں کے خورونوش کا بندوبست حکومت کو کرنا تھا۔ اور خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جنہیں اسلامی قانون یعنی شریعت کا تھوڑا بہت علم تھا۔ اس کے علاوہ بیوائیں اور یتیم وغیرہ بھی تھے جنہیں خوراک مہیا کرانا حکومت کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ بلبن سے اکبر کے زمانہ تک کسی نہ کسی صورت میں ایسا بندوبست کیا گیا۔ اورنگ زیب کے عہد میں حالات نازک

ہو گئے عرفان حبیب بتاتے ہیں (26) کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں جزیہ نامی سرکاری محصول لگاتے کے صرف دو سال بعد ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جزیہ میں رعایت پانے والے غیر مسلموں پر زکوۃ کے نام سے بادشاہ کے حکم کے تحت سرکاری محصول لگا دیا گیا۔ یہ فرمان جاری کیا گیا کہ قرآن میں جو انتہائی چھوٹ کی اجازت ہے اسے چھوڑ کر اس سے زیادہ مال پر زکوۃ اور دیگر محصول لگایا جائے اس طرح اپنی حکومت کے پچیسویں سال میں اورنگ زیب نے مسلمانوں پر دوبارہ زکوۃ عائد کر دی۔

قبول اسلام

شری رام شرما (27) نے اورنگ زیب کے زمانہ میں قبول اسلام کی بابت مختلف ذرائع سے کچھ ایسے لوگوں کے نام جمع کئے ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا۔

اپریل 1667ء میں سود خوری کے الزام میں چار ہندو قانون گویوں کو عہدہ سے معزول کیا گیا۔ سزا پانے کے ڈر سے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چوکی گڑھ کا انچارج بننے کے لئے بھوپ سنگھ نے اپنے بھائی مراری داس کو اسلام قبول کر لینے کی صلاح دی لیکن اس نے اپنے بھائی کے لالچ بھرے مشورہ کو تسلیم نہیں کیا اور ہندو ہی رہا۔ 1681ء میں منوہر پور کے زمیندار دیوی چندر نے اسلام قبول کیا تاکہ 250 فوجیوں کے بجائے 400 کا منصب حاصل کرے۔ راجہ اسلام خاں نے ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ تاکہ اپنی بہن کی شادی اورنگ زیب کے بیٹے سے کر سکے' لیکن یہ شادی نہیں ہو سکی۔ جاگیر حاصل کرنے کے لئے رام پور کے شاہی منصب دار راؤ گوپال سنگھ کے بیٹے رتن سنگھ نے اسلام قبول کیا۔ پل مئو کے راجہ نے کئی رعایتوں کو ٹھکرا دیا لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔

اس طرح ثابت یہی ہوا کہ ترقی پانے اور اقتصادی فائدے کے لالچ میں ہی کچھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ ایسے آنکڑے یا ثبوت نہیں ملتے جن سے اس مشہور لیکن

بے بنیاد بات کو حمایت حاصل ہو سکے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں تلوار کے بل پر بڑے پیانہ پر ہندوؤں کو مسلمان بنایا گیا۔

حوالہ جات

1- ستیش چندر "ایلیگیشنز آف ریلیجس بگوٹری اگینسٹ اورنگ زیب" فخرالدین علی احمد لیکچر' آزاد اکادمی جرنل' جولائی یکم' 13- 1987ء ص 10' 12

2- ستیش چندر "سترہویں صدی کے دوران بھارت میں جزیہ اور راج" مدھیہ کالین بھارت' مدیر عرفان حبیب شمارہ نمبر 1 دہلی 1981ء ص 84-69

3- ایضاً"

4- ستیش چندر "ایلیگیشنز آف ریلیجس بگوٹری اگینسٹ اورنگ زیب" فخرالدین علی احمد لیکچر' ص 12-10

5- و 6- اقتدار عالم خاں' "اکبر کے اوھین امیرورگ تھا اکبر کی دھارمک نیتی کا وکاس" (1560ء تا 1580ء) مدھیہ کالین بھارت' مدیر عرفان حبیب شمارہ نمبر 2 دہلی 1983ء ص 69' -70

7- شیخ نظام الدین اولیاء "فوائد الفواد" ص 65' 195' 97-

8- سرکار' اورنگ زیب (1618ء تا 1703ء) ص 101-

9- ماثر عالمگیری ص 100-

10- و 11- شری رام شرما" مغل شاسکوں کی دھارمک نیتی ص 122' ماثر عالمگیری 162-

12- عالمگیری نامہ II 392' 432' 438-

13- وہ علاقہ جہاں کی آمدنی براہ راست شاہی خزانہ میں جمع ہوتی تھی۔

14- مرآۃ 1 ص 249-

15- دی انڈین ٹرویلس آف تھیونو اینڈ کاکیری' ایڈیٹر۔ ایس' این۔ سین نئی دہلی 1940ء ص 3-4-

16- خافی خان' منتخب الباب II ص 88-9 (.بلیو تھکا انڈیکا سیریز)

17- مرآۃ I ص 288-91-

18- ہری شنکر شریواستو- ایضاً ص 131-

19- 1713ء میں فرخ سیر نے اپنی حکومت میں پہلے سال ہی جزیہ معاف کر دیا- 1717ء میں جزیہ دوبارہ لگایا گیا اور 1719ء میں اسے ختم کر دیا گیا- 1723ء اور 1725ء میں پھر جزیہ عائد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس کے بعد جزیہ عائد کرنے کی تفصیل نہیں ملتی-

20- و 21- موازنہ' ستیش چندر' سترہویں صدی کے دوران بھارت میں جزیہ اور راجپوت' ایضاً ص 73-

22- انگلش فیکٹریز (ایڈیٹر) فاسٹر' 1678ء اور 1684ء ص XXIX 29-

23- ہسٹری آف اورنگ زیب حصہ سوم ص 270-

24- دی ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا ص 120 فٹ نوٹ 5-

25- ایم فاروقی "اورنگ زیب اینڈ ہرنا ٹمس" ص 158-61-

26- ایگریرین سسٹم ص 298-316-

27- "مغل شاسکوں کی دھارمک نیتی" ص 190-91-

پانچواں باب

اورنگ زیب کے بعد ہندوستانی سلطنت کا زوال

مذکورہ بالا تمام حقائق اور طریقہ کار کو دھیان میں رکھتے ہوئے مغل سلطنت کے زوال کے اسباب کو اورنگ زیب یعنی اس کی حکمت عملی میں تلاش کرنا سیدھے راستہ سے بھٹک جانے کے مترادف ہو گا۔

ارون (1) اور جادو ناتھ سرکار (2) نے بادشاہ اور اس کے درباریوں کا انتہائی آرام طلب ہو جانا ہی مغل سلطنت کے زوال کا خاص سبب مانا ہے۔ ان دانشوروں کے اس خیال کو تسلیم کر لیا جائے تو شاہجہاں کے زمانہ میں ہی مغل سلطنت کا پوری طرح زوال ہو جانا چاہئے تھا۔ پھر اور ایک جگہ اورنگ زیب کی مذہبی اصول پرستی سے پیدا شدہ ہندو مسلمان کی تفریق کو جادو ناتھ سرکار نے اصل وجہ بتایا ہے۔ (3) کتنے ہی آثار اور شواہد کی بنیاد پر پہلے ہی یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اورنگ زیب کو اپنے مخالفین سے دشمنی تھی خواہ وہ باپ ہو یا بھائی' بیٹا ہو یا بیٹی اور ہندو ہو یا مسلمان۔

منصب داری اور جاگیرداری بندوبست میں ستیش چندر نے مغلوں کے زوال کے اسباب تلاش کرنے کی کامیابی کے ساتھ کوشش کی ہے۔ (4) اور اس کی تائید عرفان حبیب نے بھی کی ہے۔ (5) کچھ دانشوروں کی رائے میں سلطنت کی وسعت ہی زوال کا سبب بنی۔ (6) یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہر حکمراں کی پہلی کوشش سلطنت کو وسیع کرنا ہی ہوتی ہے اور یوں تو مغلیہ عہد میں ہی بیجاپور' گول کنڈہ اور مرہٹہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی زوال سے بچ نہیں سکیں۔

اٹھارویں صدی میں مغل سلطنت کے زوال کے علاوہ ایم اطہر علی (7) نے

دوسرے ممالک میں صفوی' سلطنت عثمانیہ اور ازبک سلطنت کے زوال کا تذکرہ کرتے ہوئے چند عام قسم کے اسباب کی طرف رجوع ہونے کے لئے دانشوروں کا دھیان مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ برطانیہ اور روس کے ڈرامائی اقدام سے پہلے مذکورہ بالا سلطنتوں کا زوال ہوا۔

عالمی تجارتی مرکز کی شکل میں یورپ کو 1500ء اور 1700ء کے درمیان عروج حاصل ہوا' اور غیر ملکی تاجروں کے ذریعہ ہندوستان کے اقتصادی استحصال کا انتہائی ٹھوس ثبوت سترہویں صدی سے ملنے لگتا ہے۔ اس غیر ملکی استحصال سے قبل حکمراں طبقہ کو جو آمدنی ہندوستانی تاجروں کی بدولت ہوتی تھی اس سے ان کا آرام طلبی کی زندگی بسر کرنا نظریاتی طور پر صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر اسی فضول خرچ اور آرام طلب زندگی کی روش نے اندرونی خلفشار کو جنم دیا۔ اندرونی انتشار اور امور سلطنت میں بدنظمی یعنی مغل سلطنت کے زوال کی وجہ اس اعتبار سے غیر ملکی طاقتوں کے ذریعہ کئے جانے والے استحصال کے ذیل میں بھی تلاش کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس نکتہ پر پہنچ کر ہندوستان کے حکمرانوں میں اورنگ زیب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے' اس لئے کہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے سے وہ ہمیشہ دور رہا اور سرکاری خزانہ کو زیر بار نہیں ہونے دیا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یورپی طاقتوں نے ہی ہندوستان کا اقتصادی استحصال کیوں کیا' جسے مغل سلطنت کے زوال کے لئے لازمی حقیقت سمجھا جا سکتا ہے۔ عہد قدیم میں ہندوستان اور روم کے درمیان ہونے والی تجارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جس میں منافع کمانے کے لحاظ سے روم کی بہ نسبت ہندوستان کا پلڑہ کئی گنا بھاری رہا۔ اس سوال کا جواب عام طور پر تکنیکی ترقی میں تلاش کیا جا سکتا ہے' چنانچہ جس بڑے پیمانہ پر یورپی ممالک میں ٹکنالوجی کی ترقی' کاروباری انجمنیں مشینی کارخانہ قائم ہوئے' اس قدر ہندوستان میں نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ بلدیاتی ترقی کے لئے جتنی کوشش ہونی چاہئے تھی' نہیں کی گئی۔ ملک کے اندرونی معاملات' حکومت اور مذہبی انتشار اتنے بڑے پیمانہ پر یہاں رونما ہوئے کہ شمال اور جنوب کی تمام ریاستوں کا انتہائی

مقصد دشمن کو زیر کرنا اور علاقائی سطح پر امن و سکون کے ساتھ حکومت کرنا تھا۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ نہ تو دشمن زیر ہوئے اور نہ ہی یہاں کے راجاؤں یا نوابوں کو چین اور سکون کے ساتھ حکومت کرنا ہی نصیب ہوا۔

صنعت و حرفت کو حکومت کی اطمینان بخش سرپرستی نہیں مل سکی اس لئے یورپ کا مقابلہ یہاں کی پیداوار (تیار مال) اور قیمت سے نہیں کیا جا سکا۔ کاشتکاری پیداوار میں اضافہ کی جس قدر شدید ضرورت تھی جاگیرداروں اور منصب داروں نے وہ پیداواری اضافہ نہیں ہونے دیا۔

شہروں کی ترقی ہوتی تو سیلاب' خشک سالی یا وبائی امراض کے سبب کثرت اموات سے تنگ آ کر کاشتکار شہروں کی طرف بھاگتے اور تاجروں یا صنعت کاروں کو مزدور مہیا ہوتے جیسا کہ برطانیہ میں یہی سب کچھ ہونے کا پتہ چلتا ہے' لیکن ہندوستان میں ایسا بھی نہ ہو سکا۔

عالمی صنعتی تبدیلیوں سے فوج سب سے زیادہ متاثر ہوئی۔ غیر ممالک میں توپیں تیار ہونے لگی تھیں۔ ہندوستان میں ماہرین' ریاضی دانوں اور سائنس دانوں کی حوصلہ افزائی کر کے اس طرح کا قدم اٹھایا جا سکتا تھا لیکن یہاں تو غیر سائنسی طریقہ سے بندوق اور چھوٹی توپ ہی بنتی رہی' جو 1700ء تک کافی پرانی تکنیک ہو چکی تھی۔ مغل اب بھی تلواروں سے لڑنے والے گھوڑ سواروں پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ 1739ء میں ہونے والی لڑائی میں نادر شاہ کی فتح مندی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اس کی فوجوں نے یورپین اور عثمانی توپ خانہ کی نقل پر بنایا ہوا توپ خانہ استعمال کیا تھا۔

سائنسی کمتری نے ہندوستان میں کاشتکاری اور تجارتی بحران میں اضافہ کیا' اسی اقتصادی بحران کے انتہا کو پہنچنے پر سیاسی نااتفاقی اور فوجی بربادی کی ابتداء ہوئی' فوجی کمزوری کے اسباب میں مذہب کا رول بھی کچھ کم نہیں رہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو پرانے مذہبی عقائد اور رسوم کو بالکل ترک کر دینا چاہیئے بلکہ مذہبی عقائد اور رسم و رواج پر قائم رہتے ہوئے اس طرف بھی دھیان دینا چاہیئے کہ دنیا کس طرف جا رہی ہے اور اسی کے مطابق ہر ملک کو آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن ہندوستان

میں اس قسم کی کوشش پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد حیدر آباد' بنگال اور اودھ جیسی حکومتیں وجود میں آئیں جو اصل میں ختم شدہ سلطنت کے ہی ٹکڑے تھے۔ ان حکومتوں نے اپنی حکمت عملی کے انداز کو وضع کرنے کے لئے مغلوں کے طور طریقوں کو بنیاد بنایا۔ دوسرے درجہ میں مرہٹہ' جاٹ' سکھ اور افغان تھے۔ ان حکومتوں کا حکومت کرنے کا اپنا الگ انداز تھا۔ (8) موجودہ کرناٹک صوبہ اور اس کے قرب و جوار میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی حکومت تھی جس نے مغلوں کے نظام سلطنت کی تقلید کی۔ اس حکومت نے فوج کو جدید ہتھیاروں سے لیس کرنے کی کوشش کی اور اسلحہ سازی بھی۔ تجارتی میدان میں برطانیہ کی پیروی کرتے ہوئے ترقی کی طرف قدم بڑھایا۔ (9)

اس طرح مغل سلطنت تقسیم ہو گئی۔

بنگال میں وہاں کے صوبہ داروں (ناظم) نے جو کچھ کیا وہ مرکز کے اشارہ پر کیا۔ صوبہ داروں کے کئے ہوئے بندوبست میں اصلاح کے پیش نظر مرشد قلی خاں نے جاگیروں کو خالصہ میں تبدیل کرنا چاہا جس کی اجازت اسے مرکز سے حاصل ہو گئی۔ اس سے جاگیرداروں کا اقتدار بنگال سے ختم ہو گیا۔ مرشد قلی خاں اس وقت ناظم کے ساتھ ساتھ دیوان (صوبائی مالگذاری وصول کرنے والا وزیر) بھی تھا۔ اس لئے "خالصہ" پر اسی کا قبضہ ہو گیا۔ مرشد قلی خاں اورنگ زیب کا معتمد اور ایماندار آدمی تھا۔ اس نے اور اس کے ماتحتوں نے مغل شہنشاہ کو کثیر رقمیں بھیجیں۔ 1740ء تک آمدنی کا ذریعہ بھی بند ہو گیا اس لئے کہ ساری مالگذاری کے مالک بنگال کے نواب بن بیٹھے۔ جاگیرداروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ لہٰذا مغل امیر کی حیثیت ہی ختم ہو گئی۔ نوابوں نے زمینداروں اور بیوپاریوں میں سے کچھ کو مالگذاری وصول کرنے کے لئے مقرر کیا' اس طرح ایک نیا اونچا طبقہ وجود میں آیا اور مخالفانہ کہاسنی کے ایک نئے ماحول کا آغاز ہوا۔ حیدر آباد اودھ وغیرہ علاقوں میں قدیم جاگیرداری رواج برقرار رہا۔ ان علاقوں میں کوئی نیا اعلیٰ طبقہ پیدا نہیں ہوا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ 1740ء سے پہلے مغل دربار میں تاجروں کا کوئی اثر یا

ان کی اہمیت نہیں تھی۔ اٹھارہویں صدی میں بنگال کے رؤسائے شہر سے زیادہ بااثر سترہویں صدی میں گجرات کے تاجر تھے۔

مرہٹہ حکومتوں کو مغل تخت کا جانشین اور حقدار تصور کرنا ممکن نہیں۔ یہ ایک متفق الیہ حقیقت ہے کہ مرہٹوں کی یہ ایک ناکام کوشش تھی۔ 1761ء تک کافی کامیابی حاصل کر لینے کے بعد قیام سلطنت کے لئے جدید طریقوں کو بروئے کار لانے میں وہ ناکام رہے۔ "ہندو پدر بادشاہ" کا نعرہ دوران حمل ہی مر گیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ پیشوا اپنے بس بھر نام نہاد آقا' ستارا کے راجہ کو بغیر کسی ٹھوس بنیاد کے زیادہ اہمیت دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اصل فائدہ کے لئے پیشوا مغل بادشاہ کے اقتدار کو تسلیم کرنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ آگے چل کر نانا پھڑ نویس نے پیشواؤں کو ایک محدود دائرے میں محصور کر دیا۔ اقتدار میں آتی ہوئی حکومت پر مکمل اعتماد بھی پیشواؤں نے نہیں کیا۔ مرہٹہ حکومت کا طرز عمل لوٹ مار پر مرکوز ہونے کی وجہ سے اسے عوام کی حمایت بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ مرہٹوں کے عظیم مقصد کا نقطہ عروج چوتھ اور سردیش مکھی (چوتھ وصولنا اور سردار کہلانا) یا مفتوحہ علاقوں کو تاراج کرنے تک محدود تھا۔

1757ء میں پلاسی کی لڑائی میں برطانیہ نے بنگال کو اپنے قبضہ میں کر کے سات سال کے اندر مشرقی ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یہ فتح ایک غیر معمولی حادثہ تھی۔ سارے ہندوستان کا تجارتی ڈھانچہ بدل گیا۔ بنگال اور بہار کی مالگذاری ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمدنی کا ایک مخصوص ذریعہ بن گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے "کورومنڈل" برآمدات کا رخ تبدیل کر دیا۔ اور برطانیہ کی سمت یہ برآمد بڑھ کر بہت جلد پچاس لاکھ پونڈ ہو گئی۔ اس صورت میں ہندوستان کے اقتصادیات کی کمر ٹوٹنے کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گجرات اور آگرہ کی تجارت کا انحصار بنگال سے ریشمی اور سوتی کپڑوں کے آنے پر تھا۔ چنانچہ ان دونوں مقامات کا تجارتی زوال ہو گیا۔ خشکی کے راستہ سے افغانستان کے راستہ ہونے والی تجارت بھی بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی۔ انیسویں صدی میں جیسے جیسے انگریزوں کا اقتدار بڑھتا گیا ہندوستانی تاجر ویسے ویسے کشمکش سے دوچار ہوتے گئے۔

اس اقتصادی تبدیلی سے مرہٹہ حکومتوں اور افغانوں پر بھی برا اثر پڑنا لازمی تھا۔

1808ء میں انگریزوں کا اثر دہلی تک پھیل گیا اور 1809ء میں افغان سلطنت کی بنیاد منہدم ہو گئی وہاں تجارت کا تیزی کے ساتھ زوال ہوا اور کاشتکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

یہ ایک قابل غور حقیقت ہے کہ ہاری ہوئی ہندوستانی طاقتوں نے انگریزوں سے مقابلہ کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے تکنیکی ترقی پر دھیان نہیں دیا۔ سندھیا جیسے مرہٹہ سردار اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کو یورپی فوج سے ٹریننگ دلا کر ہی رہ گئے۔ بعد میں ان کی فوجیں یورپی فوجوں کے ماتحت رہ کر ہی کام کرنے لگیں۔ جو اور بھی برا ہوا۔ ذہنی سطح پر انگریزی اثر حاوی رہا۔ مغرب کی سائنس کے بارے میں کچھ معلومات فارسی ادب سے اخذ کی گئیں لیکن ان اطلاعات کی اشاعت انگریز افسر یا پادری کی مرضی یا منشاء کے مطابق کی گئی انجام کار فارسی ادب نئی اقدار سے دور رہا۔

انگریزوں کے زیر سایہ زندگی گذارنے والے صاحب سیرالمتاخرین نے 1781ء میں اپنی کتاب میں مغل نظام حکومت کی ایک مثالی تصویر پیش کی اور اسے انگریزوں کے روبرو رکھا۔ انگریزوں کے سلطنت کو وسعت دینے کے' مقصد اور نظریہ کے اعتبار سے کتاب کافی مفید ثابت ہوئی۔ انگریزوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ مغل سلطنت کے اندر قائم جماعتیں اور حقوق مستقل اہمیت کے حامل تھے' خاص طور سے زمین کی مالگذاری کا دعویٰ کرنے کے لئے مغل انتظامیہ کو بطور مثال ہندوستانی عوام کے مقابلہ کامیاب طریقہ سے پیش کیا۔ مستقل بندوبست کا خیال پوری طرح انگریزوں کے ذہن میں نہیں تھا۔ انگریزوں نے بنگال کی مسلم حکومت کے طرز کو بنیاد بنا کر اسی کے مطابق خود کو ڈھالنا چاہا تھا۔ منرو کی رعیت واڑی رسم مغل زمانہ کی نقلو ضبط رسم کی ترقی یافتہ شکل تھی جسے انگریز نے میسور سے چھینے ہوئے علاقہ میں رائج پایا۔ مغلوں نے سارے ملک میں انتظام کے ایک جیسے بندوبست اور سماج سے منظور شدہ ایک اکیلی زبان (فارسی) کو رائج کیا' انگریزوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہیں حکومت کرنے کے لئے اس بات کو بطور ہتھیار استعمال کرنے میں مدد ملی۔

اس کے باوجود انگریزی حکومت کو مغل سلطنت کی تبدیل شدہ شکل میں نہیں کہا

جا سکتا' ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام تر منافع کی صورت میں ملک کی سرکاری آمدنی کو تبدیل کر دینا ہی انگریزی حکومت کے قیام کی اصل بنیاد تھی۔ اجتماعی اور انفرادی ڈھنگ سے ہندوستان کی دولت کو انگلینڈ لے جانا اس سلطنت کا پہلا اور آخری مقصد تھا' چنانچہ مغل سلطنت کے باقیات کو انگریزوں نے اپنی خودغرضی کے حصول کی خاطر ایک نئی سمت میں پلٹ دیا۔ مغل خصوصیت کا استعمال پرانے کسی بھی ڈھانچہ کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے نہیں کیا۔

اس طرح نتیجہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کے بعد وسیع سلطنت کو چلانے کے لئے جس قسم کے اہل حکمرانوں کی ضرورت تھی اس کا فقدان رہا۔ غیر ممالک کے مقابلہ سائنس اور ترقی کی حالت بالکل خراب رہی' جس کی وجہ سے کاشتکاروں اور تاجروں کی حالت خراب اور جنگی استعداد ابتر رہی۔ جاگیرداروں اور منصب داروں نے بھی کاشتکاروں اور تاجروں کی حالت خراب کرنے میں ساتھ دیا۔ اورنگ زیب کے زمانہ تک یورپی طاقتوں کے ذریعہ ہندوستان کا استحصال جس پیمانہ پر ہوا' اس سے کہیں بڑے پیمانہ پر اورنگ زیب کے بعد شروع ہوا۔ اورنگ زیب کا مقابلہ عام طور سے سکھ' مرہٹہ' راجپوت اور مسلم ریاستوں وغیرہ سے ہی رہا' لیکن بعد میں ہندوستان کا ٹکراؤ غیر ملکی طاقتوں سے ہونے لگا' جس میں کمزور قیادت کی وجہ سے ہار یقینی رہی۔ ملک کی اقتصادی صورت حال کو دیکھتے ہوئے اورنگ زیب عیش کوشی کے اخراجات سے دور رہا۔ لیکن بعد کے حکمرانوں نے خود کو قابو میں رکھ کر اس دولت کو سائنس اور تکنیکی ترقی پر صرف نہیں کیا۔ ملک کے عوام کو ایک قوم تصور کرنے کی خوبی یا خصوصیت اورنگ زیب میں تو پائی جاتی ہے' لیکن باقی طاقتوں جیسے بیجاپور' گول کنڈہ' سکھ' راجپوت اور مرہٹہ وغیرہ میں ایک قومیت کا تصور ناپید ہے۔ اسی طرح سے اورنگ زیب کے بعد کے حکمرانوں نے بھی ذاتی عیش و آرام کو اپنا نصب العین بنایا' نہ کہ قومی یکجہتی کو۔

مذکورہ بالا تمام عوامل 1750ء کے اردگرد ایک ساتھ موجود تھے۔ انجام کار کچھ ہی سال بعد پلاسی اور بکسر کی جنگیں اور تقریباً سو سال کے اندر 1857ء کا واقعہ سامنے آ

گیا اور ہندوستان مکمل طور سے ایک غیر ملکی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

مندرجہ بالا حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو تاریخ ساز طاقتیں قوم کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہیں وہ نہ صرف اقتصادی یا سماجی ہوتی ہیں بلکہ شخصی طور پر کسی ایک منفرد آدمی کے طریقہ کار کا بھی اس میں بڑا دخل ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ دخل ہمیں ایک شخص میں چند مرتبہ کچھ اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ جیسے صرف اسی کی وجہ سے تاریخ کے تمام صفحات الٹ پلٹ گئے ہوں۔ یہ شخص کبھی اشوک کی صورت میں آتا ہے تو کبھی اکبر کی' کبھی اورنگ زیب کی شکل میں اور کبھی گاندھی کی۔

اورنگ زیب کے انتقال کے 32 سال بعد مغل سلطنت کا زوال ہوا۔ اور اورنگ زیب کو ہی بیشتر دانشوروں نے یہ کہتے ہوئے ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ جنوب کی مسلم طاقتوں کو مرہٹوں کے خلاف منظم نہیں کر سکا' جنوب کے ہندو اس کے مذہبی رخ کو بنیاد بنا کر ناخوش رہے' راجپوت سرداروں کی مکمل حمایت حاصل کرنے میں وہ ناکام رہا۔

ہر ایک چیز پر غور کرنے سے مذکورہ بالا سارے ثبوت اور جوازات بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں۔ جنوب کی مسلم ریاستوں نے نہ صرف اورنگ زیب کے خلاف مرہٹوں سے سانٹھ گانٹھ کی بلکہ اس کے بیٹے اکبر کو باغی بنانے میں سب سے زیادہ جنوب کی یہی مسلم ریاستیں ذمہ دار ہیں۔

راجپوتوں کی ریاست میں دو دعویداروں کے درمیان جھگڑے کو سلجھانے کے لئے اس نے دخل اندازی کی۔ راجپوت علاقوں پر اسے براہ راست یا بالواسطہ ہمیشہ قابو رہا۔ بہت سے راجپوت اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

اورنگ زیب کے نااہل جانشینوں کو سلطنت کے زوال کا واضح سبب کہا جا سکتا ہے۔ اورنگ زیب جیسا پاکیزہ کردار اور کام کرنے کی غیر معمولی صلاحیت' بعد کے حکمرانوں میں ناپید تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ وارث نااہل ہونے کے ساتھ بزدل بھی تھے اس لئے رعایا ان کا احترام کرنے کے لئے آمادہ نہ تھی۔ جانشینی کے قضیے میں کامیابی حاصل کرنے والا بادشاہ اپنے عمال اور درباریوں کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتا۔ ایسی صورت میں صوبائی گورنر خودمختار ہونے کا موقع تلاش کرتے۔ اودھ اور بنگال

صوبوں کے گورنروں کے ذریعہ خود مختار ریاستوں کا قیام اس کی روشن مثالیں ہیں۔

اقتصادی بد انتظامی کو بنیادی وجہ کہا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر مالیات اور تجارت میں اضافہ کے باوجود کاشت کی پیداوار بقدر ضرورت نہیں بڑھ سکی۔ لگان میں اضافہ کی وجہ سے قابل کاشت زمین ہونے کے باوجود بے روزگار کاشتکار مزدوروں کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ منصب داروں کی تعداد میں اضافہ نے بھی اقتصادی حالت کو اور کمزور کیا۔ جاگیروں کی کمی کی وجہ سے جاگیرداروں نے اپنی جاگیروں کو موروثی بنانے کی کوشش کی اور خالصہ زمین پر قبضہ بھی کیا۔

اخراجات کم کرنے کے لئے فوجی اخراجات میں تخفیف کی گئی جس سے فوجی قوت میں تنزل آیا۔

منصب داروں کے تبادلہ سے اورنگ زیب کے زمانہ میں جہاں بندوبست (انتظامی امور) میں زیادہ کارکردگی کی صلاحیت پیدا ہوئی وہاں بعد کے حکمرانوں کی نااہلی اور قابو میں رکھنے کی صلاحیت کے فقدان میں کئے گئے تبادلوں کے نتیجہ میں جاگیردار قلیل مدت میں کثیر دولت اکٹھی کرنے لگے' اس طرح رعایا پر ظلم اور زیادتی میں اضافہ ہوا۔

اورنگ زیب کے بعد اجارہ داری کی رسم نے کافی فروغ پایا۔ مختلف علاقوں میں لگان کی وصولیابی کا کام سب سے زیادہ ڈاک (اونچی بولی) بولنے والے کو دیا جاتا تھا۔ لہٰذا ٹھیکہ دار اس علاقہ سے زیادہ سے زیادہ دولت کمانا چاہتے تھے۔ پہلے زمینداروں کے ذریعہ وصول کی جانے والی رقم میں انہیں صرف دس فیصد ملتا تھا۔ لیکن اب یہ چیز ختم ہو گئی آخری اور جان لیوا حربہ غیر ملکی حملہ کی شکل میں ہوا جس کے باعث سلطنت کے پھر سے وجود پذیر ہونے کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی۔

حکومت کے نظام میں بدانتظامی اور لاقانونیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ چھوٹے چھوٹے ملازم پیروی کر کے یا رشوت دے کر اعلیٰ عہدے حاصل کرنے لگے۔ تربیت یافتہ اور بہتر قسم کے سپاہیوں کی تعداد میں کمی ہونے لگی تھی۔ دنیا کے کتنے ہی ملکوں میں سائنس کی ترقی اور جدید سامان حرب تیار ہو رہا تھا لیکن ہندوستانی فوج آج بھی پرانے توپ خانہ پر فخر کرتی۔ یورپی طاقتوں سے امکانی خطرہ کی بات کو سوچ کر ان حکمرانوں کو

ایک ترقی یافتہ اور بحری فوج منظم کرنا چاہئے تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ پرتگالیوں اور انگریزوں کے ذریعہ استعمال کئے جانے والے نئے طرز کے جہازوں کو دیکھ کر بھی ان جیسے جہاز تیار کرنے کی کوئی خواہش یا حسرت ان کے دل میں بیدار نہیں ہوئی۔

تجارت سے حاصل شدہ آمدنی اور لگان سے محصلہ دولت کا بڑا حصہ تقریباً ہر ایک حکمراں سامان عیش و عشرت پر صرف کرتا تھا۔ نتیجہ میں جہاں ایک طرف گاؤں کے کسان' شہری مزدوروں' کاریگروں اور دستکاروں کو اقتصادی مشکلات کا سامنا تھا' وہیں بالادست طبقہ اور مال دار تاجر عیش و آرام کی زندگی گزارنے میں مست تھے' اس لئے اٹھارہویں صدی میں موجود ان بالادست اور مقتدر طبقوں کا کرداری اور سماجی زوال ناگزیر ہو گیا۔ بالادست طبقہ کے کنبوں کے افراد ناچ گانے اور شراب کو پہلا مقام دینے لگے تھے۔

یہ طبقہ سلطنت کے زوال کو روک سکنے میں مجبور و ناکام تھا۔ دوسری طرف صوبائی گورنروں کے خود غرضانہ مقاصد کی وجہ سے نئی ریاستوں کے انتظامی افسران نے قابو پانے میں کامیابی حاصل کی۔ یہ مقامی گورنر اپنے فائدہ کے لئے مرکز کے زوال کے خواہش مند تھے اور مرکز نے بھی ان کی خواہشات کی تکمیل میں ان کو مایوس نہ کیا۔

لہٰذا یہ کہنا مناسب نہیں کہ مغل سلطنت کا زوال اورنگ زیب کی وجہ سے ہوا۔ مغل سلطنت کی انتظامی اور اقتصادی ناکامی جاگیری بحران یا جاگیروں کے فقدان کے باعث ہوئی۔ مسئلہ جاگیر نے بہت سے نئے مسائل کو پیدا کیا جنہیں بعد کے حکمراں سلجھا نہ سکے۔ اگرچہ اورنگ زیب کے بعد مذہبی پالیسی اور بغاوت کے بیشتر مسائل کا حل بہادر شاہ اول کے زمانہ میں نکالا جا چکا تھا اور مغلوں کے مخالف گرو گوبند سنگھ اور جاٹ' ست نامی' مرہٹوں وغیرہ کی بغاوتوں کو خاموش کر دیا گیا تھا' پھر بھی مغل سلطنت انتشار سے بچ نہیں سکی۔

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ اورنگ زیب پر اب بھی بہت کچھ کہنا اور لکھنا باقی ہے۔ حقائق اور تاریخی شواہد کی کمی نہیں ہے' اگر کمی نظر آتی ہے تو بیدار ذہن دانشوروں کی' جنہیں غیر جانبدارانہ تاریخ کی نئی تعمیر میں ہر ہر اینٹ کی طرح اپنا اپنا

تعاون دینے کی اشد ضرورت ہے۔ قوموں کی ترقی کے لئے غیر جانبدار تاریخ کو بھی ایک اہم بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں جو زاویہ نظر پیش کیا گیا ہے وہ صرف ایک کوشش کے بقدر ہے کہ اورنگ زیب اتنا ظالم' سخت گیر' ہندو مخالف' اور ہندوستانی سلطنت کے زوال اور انگریزوں کی سلطنت کے قیام کے لئے اتنا ذمہ دار نہیں تھا جتنا بتایا گیا۔

رعایا کی اقتصادی سرپرستی کرنا قومی یکجہتی اور ترقی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ امیری اور غریبی کے درمیان خندق کو پاٹنے اور اونچ نیچ کے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے بھی عمومی قسم کی اقتصادی پالیسی اور (اسے بروئے کار لانے کے لئے) سرکار کی بہتر سیاسی پالیسی کا ہونا ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر موجودہ نظام بھی قومی یکجہتی کے لئے کوشاں ہے۔ تخت نشینی کے وقت جتنے قسم کے مسائل اورنگ زیب کے سامنے تھے انہیں حل کرنے کے لئے کوئی بھی حکمراں سب سے پہلے عوام پر محصولات (ٹیکس) کا بوجھ بڑھا دیتا۔ لیکن اورنگ زیب نے سرکاری خزانہ سے پہلے رعایا پر دھیان دیا۔ سامان عیش پر دولت کو فضول خرچ کرنے سے وہ ہمیشہ دور رہا۔ اور اسے ناپسند کیا۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے مشہور عالم ول پرشلو کا قول ہے (10) کہ کسی بھی زمانہ کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے تین باتوں کو دھیان میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ اول یہ کہ تاریخی واقعات کا مطالعہ کسی مقررہ تاریخ سے کرنا مناسب نہیں۔ مثال کے طور پر کوئی واقعہ یا حادثہ 1857ء میں رونما ہوا تو لازمی طور سے اس کا پس منظر پانچ' دس یا بیس سال پہلے ہی تیار ہوا ہو گا۔ دوم یہ کہ مغلوں کے زوال میں "اورنگ زیب کی ذمہ داری" جیسے سوالات پر غور کرنے سے زیادہ یہ فکر کرنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہندوستانی ریاستوں کا زوال کیوں ہوا اور انگریزوں نے ہندوستان پر فتح پائی تو کیوں؟

سوئم یہ کہ کسی بھی سماجی' مذہبی یا سیاسی واقعہ کا مطالعہ اس زمانہ کے اقتصادی حالات پر غور کئے بغیر کرنے سے صحیح نتیجہ اور مقصد تک رسائی مشکل ہو گی۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ ہم انہیں مارکسٹ یا کمیونسٹ افکار کہہ لیں لیکن اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بھی تاریخی واقعہ (انقلاب) براہ راست یا

بالواسطہ اقتصادی وجوہ سے متاثر ہوتا ہے۔

انگریز دانشوروں اور ان سے متاثر ہونے والے ہندوستانی دانشوروں نے "زوال کے لئے اورنگ زیب ذمہ دار" جیسے سوالات اٹھا کر بالغ نظر تاریخ دوستوں کو نامکمل اور غلط واقعات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ بہت سے واقعات کے ایک تقابلی مطالعہ پر کچھ ایسی باتیں نکل کر سامنے آتی ہیں جن کا بیشتر دانشوروں کے شائع شدہ افکار و خیالات میں فقدان پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات

1- ولیم اروِن "لیٹر مغلس"

2- سرکار "فال آف دی مغل ایمپائر" حصہ 4-

3- سرکار، "ہسٹری آف اورنگ زیب" حصہ 3- کلکتہ 1916ء ص 283، 264

4- ستیش چندر "پارٹیز اینڈ پالیٹکس ایٹ دی مغل کورٹ" 1707-1740ء علی گڑھ 1963ء

5- عرفان حبیب، ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا 1556ء 1707ء بمبئی 1963ء

6- و 7- ایم اطہر علی "مغل سامراج کاانت" مدھیہ کالین بھارت، مدیر عرفان حبیب شمارہ 1، 1982ء ص 10-109

8- آزاد بلگرامی "خزانہ عامرہ" کانپور، ص 47-

9- محب الحسن "ہسٹری آف ٹیپو سلطان" کلکتہ 1951ء ص 344-7

10- جنوری 1987ء کے آخری ہفتہ میں پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں منعقد ایک نشست میں انہوں نے یہ خیال پیش کیا۔

چھٹا باب

آخر میں

بی- این- پانڈے کے الفاظ میں "عدم اتحاد' علیحدگی پسندی اور انتشار کو زیادہ اور زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو اس ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان مذہبی جذبات کو بھڑکانا ایک اہم ہتھیار بن چکا ہے- یہی غلط انداز فکر دیکھتے ہی دیکھتے مختلف ڈراونی صورتیں اختیار کر لیتا ہے- ان میں سے ایک صورت "ہندوستان کی تاریخ نگاری" ہے جس میں دونوں طرف کے تخریب پسند عناصر تاریخی حقائق اور اس کی رفتار کی شکل اس طرح مسخ کر دیتے ہیں کہ ان تحریروں کے ذریعہ ان کے تصورات کو ایک جیتا جاگتا قالب مل سکے-

ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں ہندوستانی تاریخ کی کتابیں ایک زمانہ سے پڑھائی جا رہی ہیں- ان کا اصل خاکہ یورپی مصنفوں کا ترتیب دیا ہوا ہے ہم ابھی تک فرقہ واریت اور جانبداری کے اس بوجھ کو اتار پھینکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جو یورپی اسکالروں نے ہمارے دماغوں میں بھر دیا ہے- تاریخ کہلائی جانے والی ان کتابوں نے قارئین کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا اور قومی زندگی کے ذرائع کو منتشر کر دیا- انہوں نے مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور رسم و رواج کو تباہ کرنے اور ہندو مندروں اور محلوں کو منہدم کرنے والے ایسے بد دماغ بت شکنوں کی شکل میں پیش کیا ہے جو مصیبت زدہ ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے یا تلوار سے گردن کٹا دینے پر مجبور کرتے تھے-

ان حالات میں یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ بچپن

سے ہی اس زہر کو پی پی کر ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہندوؤں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسلم دور جو آٹھ سو سال سے بھی زیادہ مدت پر محیط ہے۔ ایک بدترین خواب ہے۔ ایک عام قاری کسی طرح بھی اس زمانہ پر کوئی فخر محسوس نہیں کرتا بلکہ اس طویل درمیانی مدت کو نظرانداز کر کے اس سے قبل کہ سنہرے زمانہ کی خیالی تصویر بنانے لگتا ہے۔ دوسری طرف مسلمان انگریز کے ہاتھوں ہوئی مسلم حکومت کی شکست کی وجہ سے ہندوؤں کو منافق سمجھ کر خود اپنی ذات کو ان کارناموں سے مطمئن کرتا ہے' جب اسی کی طرح کے دوسرے مسلمانوں نے یہاں فتح کا جھنڈا نصب کیا تھا' مگر وہ اس بعید ماضی کو بھول جاتا ہے جس نے اس کے تہذیبی نقش و نگار میں رنگ آمیزی کی اور اگر اس پر وہ فخر کرے تو اس کا فخر کرنا بالکل درست ہو گا۔ (1)

انگریز مورخین نے اس انداز فکر کا فائدہ کس طرح اٹھایا' اس کی وضاحت مندرجہ ذیل جملوں سے ہو گی جو سر ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ کی معروف کتاب "ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹورینس کی پہلی جلد کے دیباچہ میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ " ہمارے یہ تمام بادشاہ سیاہ کارناموں میں غرق نظر آتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کے زیر اثر کسی استعجاب کی گنجائش نہیں اگر ان کے قانون کے فوارے منتشر ہیں۔ سرکاری آمدنی (وصولیابی) تشدد اور مار دھاڑ کے بغیر کبھی وصول نہیں کی جاتی۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے جاتے' اور وہاں کے ساکنوں کے ہاتھ پیر توڑ دیئے جاتے یا انہیں غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا۔ سرکاری عمال رعایا کو تحفظ دینے کے بجائے خود سب سے بڑے لٹیرے اور ڈکیت بنے ہوئے ہیں اور ظالموں کے ظلم کے خلاف غریبوں کو کوئی انصاف نہیں ملتا۔" اس ایک ہی جلد کے مختصر سے گوشہ میں بھی ہمیں یہی جھلکیاں نظر آتی ہیں کہ مسلمانوں سے برسرپیکار ہندوؤں کا قتل پر قتل ہو رہا ہے۔ ان کے مذہبی جلوسوں پر' پوجا اور اشنان کرنے پر پابندیاں عائد ہیں۔ مورتیاں توڑی جا رہی ہیں' مندر گرائے جا رہے ہیں۔ زبردستی مذہب کی تبدیلی اور شادیاں ہو رہی ہیں۔ مخصی جائداد ضبط کی جا

رہی ہے۔ ان تمام لوگوں کے پس منظر میں ان ظالم حکمرانوں کی قتل و غارت گری، جبرو تشدد اور سفاکی، عیاشی اور نشہ خوری سے واضح ہوتا جاتا ہے کہ ان کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے۔ (2)

ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ (3)

"منشی سبحان رائے جو اورنگ زیب کے زمانہ کا تاریخ نگار تھا اپنی کتاب "خلاصتہ التواریخ" میں لکھتا ہے۔ "دیپالوال نامی گاؤں جو کالا نور کے پاس واقع ہے وہاں شاہ شمس الدین دریائی کا مزار ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو ان سے بڑی عقیدت ہے۔ ان کے زمانہ حیات سے ہی دیپالی نام کے ایک ہندو کو ان سے اس درجہ عقیدت تھی کہ ان کی وفات کے بعد ہندو اور مسلمان سب نے مل کر اسی ہندو کو ان کے مزار کا متولی بنا دیا۔ چند سال بعد کچھ مسلمانوں نے مذہب کی آڑ لے کر ہنگامہ کھڑا کر کے اس ہندو کو نظامت کے عہدے سے ہٹانا چاہا، لیکن اورنگ زیب کی حکومت نے اس ہنگامہ کو کامیاب نہیں ہونے دیا اور آج جب کہ یہ کتاب (خلاصتہ التواریخ) لکھی جا رہی ہے اورنگ زیب کے زمانہ حکومت کا تیسرا سال ہے اور مزار کی نظامت پہلے کی طرح ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہے۔"

موجودہ بنارس ضلع میں واقع بستی گاؤں کے ساکن جگ جیون کے لڑکے گردھر مہیش پور پرگنہ حویلی کے یدو ناتھ مصر اور پنڈت بل بھدر مصر کو اورنگ زیب نے جاگیریں دیں۔ یہ سب کے سب مندر کے پجاری تھے۔ (4)

ملتان کے مندر تلائی کے لئے کلیان داس، مصر کو سو روپیہ مندر کے خرچ چلانے کے لئے مقرر کئے۔ یہ مندر ابھی تک موجود ہے۔ (5)

عہد شہزادگی میں اورنگ زیب نے متعدد مرتبہ اپنے باپ شاہجہاں سے کئی عہدوں پر ہندوؤں کا تقرر کرنے کی سفارش کی، اس کی تصدیق اس کے خطوط سے ہو سکتی ہے جو واقعات عالم گیری میں شامل ہیں۔ انہیں خطوط میں بطور مثال ایک یہ بات اسی ذیل میں ملتی ہے کہ ایلچی پور کے دیوان کا عہدہ خالی ہوا تو اورنگ زیب نے ایک راجپوت

عہدیدار رام کرن کی سفارش کی۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے ڈرا دھمکا کر ہندوؤں کو مسلمان بنایا لیکن ہم یہاں ایک ایسی حیرت ناک بات کا بیان کرتے ہیں جس سے اورنگ زیب کے انداز فکر اور ذہنیت کا بخوبی علم ہو جائے گا۔ (6) شاہجہاں نے بندھیرا کے راجہ اندرامن کو تعمیل حکم نہ کرنے پر قید کر لیا۔ جب اورنگ زیب اس علاقہ یعنی دکن کا صوبہ دار ہوا تو اس نے اندرامن کی رہائی کے لئے شاہجہاں سے التماس کیا۔ شاہجہاں نے اورنگ زیب کو لکھ بھیجا کہ اندرامن نے پے بہ پے تکلیف پہنچائی ہے' وہ صرف اس شرط پر رہا ہو سکتا ہے کہ اسلام قبول کر لے۔ اورنگ زیب نے اس بات کی سخت سے مخالفت کرتے لکھا کہ اس شرط کی تعمیل نہیں کی جا سکتی' ایسا کرنا ناجائز اور تنگ نظری کا کام ہو گا۔ راجہ کی رہائی اسی کے شرائط کے مطابق ہونی چاہئے۔ اورنگ زیب کا یہ خط آواب عالمگیری (خدا بخش لائبریری کا قلمی نسخہ) میں موجود ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر' لیکن یہ بات بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ اورنگ زیب کے دور میں ہندوستان میں مذہب کو جو اہمیت حاصل تھی وہ آج ہی کے مانند تھی اور اس زمانہ میں بھی لوگ ہندو اور مسلمان کے نقطہ نظر سے ضرور سوچتے ہوں گے یا تو اورنگ زیب جو مذہبا" اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا' اس کثیر تعداد رعایا پر جو دوسرے مذہب کو ماننے والی تھی کسی قسم کے ضابطہ اور وصول وضع کئے بغیر اتنے لمبے عرصہ تک اور اس قدر وسیع و عریض ہندوستان پر اس انداز سے کس طرح حکمرانی کر سکتا تھا۔

اس کے متعلق اس نکتہ پر کوئی اختلاف رائے نہیں کہ وہ ہندوستان کے تین یا چار عظیم بادشاہوں میں سے ایک تھا لیکن یہ سمجھنا کہ بی۔ این پانڈے اور ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ راجندر بابو نے جو اس کی مذکورہ بالا تصویر پیش کی ہے' وہی تصویر مکمل ہو یہ صحیح نہیں۔ ویسے بھی کوئی انسانی تصویر نہ تو صرف سیاہ رنگ کی حامل ہوتی ہے اور نہ محض سفید رنگ کی۔ اورنگ زیب تو ویسے بھی نہ کبیر تھا نہ نانک' نہ

چشتی تھا نہ رام کرشن پرم ہنس' نہ رامانج اور نہ تکارام! وہ تو صرف ایک حکمراں تھا جس کے اندر دھنک کے سات رنگوں کی طرح سرخ' ہرا' نیلا' پیلا ہر رنگ موجود ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہو گا کہ اورنگ زیب کو فرشتہ کہنے والے بھی اتنی ہی بڑی غلطی کرتے ہیں جتنی شیطان سمجھنے والے! بس' ہمارا ادراک تو یہ بتاتا ہے کہ اگر سترہویں صدی کے اواخر میں مرکز کو کمزور کرنے والی طاقتوں میں مکمل ہندوستانیت ہوتی اور وہ متحد ہو کر قوم کو مضبوط بنانے کے نظریہ کے تحت مرکزی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے اورنگ زیب کی مخالفت کرنے کے بجائے اس کی حمایت کرتیں' تو مذکورہ بالا تمام وجوہ کے باوجود غیر ملکیوں کی غلامی یا تو شاید آتی ہی نہیں' اگر آتی بھی تو شاید آتے آتے بہت دیر لگ جاتی۔ بس اسی طرح جیسے کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ بھلے ہی ہم غیر ملکی غلامی کا جوا اپنی گردن سے اتارنے میں مزید دس سال کی تاخیر کر دیتے لیکن اس سے پہلے اپنا قومی کردار بنانے میں مصروف ہو جاتے' بالکل اسی طرح جیسے آزادی کی تحریک میں کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کیا' تو آج یہ سب نہ دیکھنا پڑتا جو آئے دن پیش آتا رہتا ہے۔ مرتے وقت انسان کی آواز میں صرف حق و صداقت ہی کی جھلک اور مزاج کے اعتبار سے معمولی سوالات اور معاملات کو بھی اہم سمجھ کر انہیں دور اندیشی کے ساتھ حل کرنے کی اس طرح کوشش کی ہوتی جیسی کہ اورنگ زیب نے۔ دنیا نے ہمیشہ اسے ایک بادشاہ کے ہی اعتبار سے دیکھا لیکن "کنبہ کا آقا ہی سب سے بڑا نوکر ہوتا ہے۔" کی کہاوت کے مصداق اس کردار کو' اورنگ زیب' فرشتہ پن کے حصول کے لئے' تادم حیات سعی کرتا ہے۔ دنیا نے اسے ہندوستان کی تمام دولت کا مالک سمجھا' لیکن وہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے زندگی بھر ٹوپیاں سیتا اور قرآن کے صفحات کی نقل تیار کرتا رہا۔ لوگوں نے اسے ہندو مخالف کہا' لیکن تمام رعایا کے حق میں اس کا یکساں برتاؤ رہا۔ مسلمانوں نے اسے شیعہ مخالف کہا' مگر اس کی جان ایک شیعہ کی مٹھی میں تھی۔ ذی علم حضرات نے اسے بدترین حکمراں بتایا' مگر صحیح طور پر اس کی حکومت وسعت کے اعتبار سے ہندوستان کی تاریخ میں سب سے بڑے رقبہ پر اور مدت کے

اعتبار سے آٹھ سال پر محیط رہی۔ تین مسلم طاقتوں (افغان' بیجاپور' اور گول کنڈہ) اور تین ہندو طاقتوں (مراٹھا' سکھ اور راجپوت) کی دشمنی کی تلوار ہمیشہ اس کے سر پر لٹکتی رہی' مگر جنگ کے کھلے میدان میں دشمنوں کی تلواروں کے درمیان وہ خدا کی یاد میں غرق ہو جاتا۔ بیوی' بیٹا' بیٹی اور سرکاری خزانہ میں دولت کا انبار' اظہر من الشمس شخصیت سب کچھ ہونے کے باوجود مٹی کے ایک ڈھیر نما اپنی قبر کی محض ہری دوب گھاس سے سجاوٹ کرنے کی خواہش رکھنے والے اورنگ زیب کے چھوڑے ہوئے وصیت نامے (7) پر' آیئے آخر میں ایک نظر ڈالیں تاکہ شہنشاہ اورنگ زیب کے اندر چھپا ہوا انسان پوری طرح سامنے آ سکے!

اورنگ زیب کا وصیت نامہ

1- مذہب سے غافل گنہگار یعنی اس ناچیز کے کپڑے اور دری کو صدقہ کر کے حسن کی متبرک قبر کو ڈھانک دینا کیوں کہ بحر بیکراں میں ڈوبے ہوؤں کے لئے عفو اور رحم کے اس عظیم باب میں داخل ہو کر پناہ لینے کے علاوہ عافیت حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ اس انتہائی متبرک کام کو انجام دینے کے ذرائع اور اسباب میرے عزیز بیٹے شہزادہ عالی (محمد اعظم) کے پاس ہیں' انہیں حاصل کر لو۔

2- میری سی ہوئی ٹوپیوں کی قیمت میں سے چار روپیہ دو آنہ مہالدار آیا بیگا کے پاس ہیں' اس رقم کو لے کر اس بے سہارا انسان پر چادر ڈالنے میں صرف کرو۔ میرے ذاتی خرچ کی تحصیل میں قرآن نقل کرنے کے محنتانے کے تین سو پچاس روپیہ ہیں۔ میری موت کے دن انہیں فقیروں میں تقسیم کر دینا۔ چونکہ شیعہ فرقہ قرآن کو نقل کر کے رقم حاصل کرنے کو ناجائز سمجھتا ہے' اس لئے اس رقم کو میرے کفن کی چادر یا تکفین کی دوسری ضرورتوں پر خرچ نہ کیا جائے۔

3- شہزادہ عالی جاہ کے گماشتہ سے (میری آخری رسوم تجہیز و تکفین کے لئے) ضروری چیزیں لے لینا کیونکہ میرے لڑکوں میں میرا قریب ترین جانشین ہے اور اس پر

خلاف مذہب یا مذہب کے مطابق میری آخری رسوم کو ادا کرانے کا میرا پور استحقاق ہے۔ یہ بے سہارا متنفس اپنے بعد سے متعلق کاموں کے لئے جواب دہ نہیں اس لئے کہ مردہ شخص زندہ لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

4- مذہب کی راہ چھوڑ کر گمراہی کی وادی میں بھٹکنے والے مجھ آوارہ کو ننگے سر دفنانا کیونکہ شہنشاہ کبیر (خدا) کے حضور سر برہنہ حاضر ہونے والا ہر ایک گناہگار یقیناً رحم کا مستحق قرار پاتا ہے۔

5- میرے جنازہ کو چارپائی پر رکھنے کے بعد گزی کے کپڑے سے ڈھانکا جائے۔ چاندنی تاننے، گلوکاروں کا جلوس نکالنے اور رسول اللہ کا یوم ولادت منانے وغیرہ، خلاف مذہب نئی رسموں سے گریز کرنا۔

6- حکومت کے حاکم یعنی میرے جانشین کے لئے یہ بہتر ہو گا کہ وہ اس شرم سار اور گناہ گار کی خدمت کے بطور (جنوب کے) ریگستانوں اور ویرانوں میں بھٹکتے رہنے والوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔ اگر براہ راست ان سے جرم کا ارتکاب ہو بھی جائے تو فراخدلی کے ساتھ انہیں معاف کر دیا جائے اور ان کے جرم کو فراخدلی سے نظر انداز کر دیا جائے۔

7- لیکھ پال (پٹواری) کے کام کے لئے ایرانیوں سے بہتر کوئی قوم نہیں ہے۔ شہنشاہ ہمایوں کے زمانہ سے تاحال اس برادری کا کوئی فرد جنگ سے منہ موڑ کر نہیں بھاگا، اور ان کے پائے استقامت میں کبھی لرزش نہیں آئی۔ اس کے علاوہ وہ کبھی حکم عدولی یا بد اعتمادی کے قصور وار نہیں ہوئے لیکن ان کے ساتھ نباہ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کیا جائے۔ تمہیں کسی بھی طرح انہیں مطمئن رکھنا ہے۔ اگر اس کے لئے پالیسی کو بھی کام میں لانا پڑے تو مناسب نہ ہو گا۔

8- تورانی ہمیشہ سپاہی رہے ہیں۔ یہ لوگ پیش قدمی، چڑھائی، شب خون اور گرفتاریاں کرنے میں مشاق ہوتے ہیں۔ جب انہیں کسی لڑائی کے دوران واپسی یعنی پیر

پیچھے کھینچنے کا حکم دیا جاتا ہے اس وقت وہ کسی شک' ناامیدی یا شرم کا احساس نہیں کرتے۔

ہندوستانی تو اپنا سر دینا پسند کریں گے لیکن لڑائی میں اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھائیں گے۔ تمہیں اس قوم پر ہر طرح مہربان رہنا چاہئے' کیونکہ کئی موقعوں پر جبکہ کوئی دوسری قوم ضروری خدمات کرنے میں ناکام رہے گی یہ قوم اس کی تکمیل کر دے گی۔

9- بارہ کے سید دعاؤں اور نیک خواہشات کو پیش کرنے والے ہیں۔ تمہیں ان کے ساتھ قرآن کی آیت "پیغمبر کے قریبی رشتہ داروں کو ان کا منصفانہ حصہ ادا کرو" کے مطابق سلوک کرنا چاہئے۔ قرآن میں ایک آیت ہے میں کہتا ہوں کہ اس کے لئے تم سے اپنے رشتہ داروں سے محبت کرنے کے علاوہ اور کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ اس بنا پر تمہیں سمجھنا چاہئے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا مطلب (رسول خدا) رسول اللہ کو ان کی مساعی جمیلہ کا نذرانہ (بدلہ) پیش کرنا ہے۔ تم ان کے احترام کرنے میں کبھی کسر نہ کرنا' اس سے تمہیں دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں فائدہ ہو گا۔ لیکن بارہہ کے سیدوں سے معاملات میں بہت چوکنا رہنا چاہئے۔ دل و جان سے انہیں چاہنا لیکن ان بارہہ کے عہدہ کو بڑھانا بھی مت' ورنہ وہ حکومت میں انتہائی بااثر شریک بن جائیں گے' صرف یہی نہیں وہ اپنے لئے حکومت ہی کی مانگ کرنے لگیں گے اگر حکومت کی تھوڑی بہت لگام تم انہیں ہاتھ میں لے لینے دو گے تو انجام کار تمہیں بے عزت ہونا پڑے گا۔

10- جہاں تک ممکن ہو مملکت کے حکمراں کو گرد و پیش و دور و دراز کے دوروں سے گریز نہیں کرنا چاہئے' ایک مقام پر قیام بظاہر آرام کا باعث ہوتا ہے' لیکن بطور ثمرہ ہزارہا مصائب اور آلام کا بار اس کے اوپر آن پڑتا ہے۔

11- اپنے بیٹوں پر کبھی اعتماد مت کرنا نہ اپنی زندگی میں ان سے شیرو شکر ہونے کا رویہ اختیار کرنا۔ اگر شہنشاہ شاہجہاں نے داراشکوہ کے ساتھ تعلق خاص کا برتاؤ نہ کیا

ہوتا تو اس کے معاملات اس درجہ کبھی خراب نہ ہوتے۔ بادشاہ کے قول (وعدہ) ہمیشہ بے معنی ہوتے ہیں' اس نکتہ کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا۔

12- مملکت کے حالات سے اچھی طرح باخبر رہنا حکمرانی کی خاص بنیاد ہے۔ ایک لحہ کی غفلت برسوں کی تذلیل کا باعث بن جاتی ہے۔ میری غفلت ہی کی وجہ سے بدبخت شیوا جی چھوٹ کر بھاگ گیا اور اسی کے نتیجہ میں مجھے اختتام حیات تک مرہٹوں کے خلاف سخت جدوجہد کرنا پڑی ہے۔

اپنے بیٹے شہزادہ معظم بہادر شاہ کو قید سے رہا کرتے وقت اورنگ زیب نے یہ نصیحت کی۔

"ہر ایک بادشاہ کو نرمی اور سختی کے درمیان قائم رہنا چاہئے۔ اگر دونوں میں سے ایک وصف دوسرے سے بڑھ جاتا ہے تو وہ اس کے تخت و تاج کی بربادی اور خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے۔ نرمی کی زیادتی ہونے پر لوگ برابری کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور اگر سختی میں اضافہ ہو جائے تو لوگ خوف زدہ ہو کر دور بھاگنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر میرے چچا الغ بیگ اگرچہ بڑے قابل اور بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے مگر خون بہانے میں اتنے بے جھجک تھے کہ معمولی معمولی خطاؤں پر بھی سزائے موت دے دیا کرتے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللطیف نے انہیں قید کر لیا اور نہاوند قلعہ میں بھیج دیا۔ راستہ میں انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا۔ "میری شاہی طاقت (اقتدار) کے خاتمہ کا تمہاری رائے میں کیا سبب ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا۔ "تمہارا خون بہانا جس کی وجہ سے لوگ تم سے بچنے لگے۔" میرے محترم جد امجد شہنشاہ ہمایوں نے طرح دینے' معاف و درگذر کرنے اور امور سلطنت میں نامناسب حد تک نرمی کا مظاہرہ کیا' حالانکہ صوبہ بنگال میں شیر خاں کے قابل اعتراض حرکات و سکنات کے بارے میں بار بار سننے کے باوجود وہ اس کو طرح دیتے رہے' اور صرف اس کے باپ حسن سور کو یہ کہہ کر ڈانٹتے رہے کہ "تم اپنے بیٹے کے کارناموں کو جانتے ہو پھر بھی تم اسے روکنے کے لئے کچھ نہیں لکھتے۔" حسن نے جواب دیا۔ "اس کے کام لکھنے (روک تھام یا سمجھانے

بجھانے) کی کیفیت سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور والا کی نظر اندازی کا کیا انجام ہو گا۔"

اشعار (ترجمہ) : "بادشاہ اور پانی دونوں کے لئے ایک مقام پر ٹھہرے رہنا بہت برا ہوتا ہے۔ پانی سڑ جاتا ہے اور بادشاہ اپنی کثیر حمایت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ دور دورے میں رہنے سے ہی بادشاہوں کا اعزاز' اطمینان اور اقتدار قائم رہتا ہے۔"

"چٹائی بننے والے کو لوہار کے کام کا حکم دینا سمجھداری سے باہر کی بات ہے۔"

اپنے بیٹے شہزادہ محمد معظم کو اورنگ زیب نے لکھا۔ "لازمی سمجھ کر بہ سبب مجبوری میں نے تمہیں چند سال تک قید خانہ میں رکھ کر تمہارے انتہائی تباہ کن چال چلن کے لئے تمہیں سزا دی ہے' اس کے باوجود تم اس بات سے مستقبل میں اپنا بادشاہ ہونا طے سمجھو کہ اپنی زندگی میں ہی میں نے تمہیں جنت نشان ہندوستان کی صوبہ داری دی ہے۔"

حوالہ جات

1- انگریزوں نے ہندوستان میں کامیاب حکومت کرنے کے لئے فرقہ واریت کو اپنا مخصوص ہتھیار بنایا اور اسے استعمال کرنے کے لئے تاریخ کو وسیلہ بنایا۔ انگریز چلے گئے لیکن ان کی لکھی ہوئی تاریخ کو یہ دھیان دیئے بغیر کہ تاریخ وہ ماضی ہے جس کے دریچے حال میں کھلتے ہیں اور موجودہ زمانہ کے بیشتر معاملات کا اس پر انحصار ہوتا ہے' ہمارے تعلیمی نصاب میں شامل کر دیا گیا۔ آج بھی فرقہ واریت کے مسئلہ (ملاحظہ ہو : عرفان حبیب "ا-تہاس اور سامپردایکتا" رویواروشک انک' کلکتہ 30- اگست- 5 ستمبر 1987ء ص 16-7) کی اصل بنیاد اور ذرائع کو تاریخ کی کتابوں میں ہی تلاش کرنا ہو گا۔ انگریزوں ہی کی مہربانی ہے کہ ہندوستان میں دو قومی نظریہ وجود میں آیا۔ دو قومی نظریہ کا وجود میں آنا اس صورت میں تو ممکن ہوتا کہ مسلمانوں کی بڑی آبادی اس یقین میں مبتلا ہو جاتی کہ بحیثیت مسلمان انہوں نے صدیوں تک اس ملک پر حکومت کی ہے اور ہندوؤں کے ساتھ ایک شہری کی صورت رہنا بستا ان

کے نزدیک ممکن نہیں ہے۔ اس قسم کے انداز فکر کو مختلف مورخین نے وسطی عہد کا ہندوستان اور "مسلم نظام حکومت" پر نکتہ چینی کر کے استحکام بخشا۔ گذشتہ سال ہندوستان کی آزادی کے مجاہدوں کی یاد مناتے ہوئے ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں رانا پرتاپ شیوا جی اور گروگووند سنگھ صرف تین مجاہدوں کے سلسلہ میں ہی قصیدہ خوانی کی گئی۔ ان میں سے کوئی بھی صحیح معنی میں ہندوستان کی آزادی کے لئے نہیں لڑا' طاقت میں اپنا حصہ بانٹنے کے لئے (جواہر لال نہرو' وشو ایتہاس کی جھلک ساتویں اشاعت' نئی دہلی 1986ء ص 41-439) یہ آپس میں لڑتے رہے۔

انگریزی عہد کی دین' فرقہ واریت کے خطرہ کو سمجھنا ضروری بھی نہیں سمجھا گیا۔ ابتدائی مرحلہ میں فرقہ واریت پر شائع ہونے والے مواد پر گاندھی ازم یا نہرو ازم کی چھاپ ہوتی تھی۔ نہرو نے کہا۔ "فرقہ واریت قومیت کے لبادہ میں خود کو چھپا لیتی ہے اور فاشزم کا ہندوستانی آلہ کار ہے۔ بڑھتے ہوئے فرقہ واریت کے (کیول شرما' "اب چاہئے نئی دھرم نرپیکشتا" "رویوار" وہی صفحہ 18) خطرہ کو محسوس نہیں کیا گیا۔ ہم لوگ نہرو جیسے رہنماؤں کے خیالات سے متاثر تھے جو یہ تسلیم کرتے تھے کہ تقسیم کے بعد مسلم فرقہ پرست پاکستان چلے گئے اور ہندوستان میں مسلم فرقہ واریت اتنی کمزور ہے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتی۔ نہرو کا خیال تھا کہ ہندوستان میں جس فرقہ واریت کا ہمیں مقابلہ کرنا ہے وہ ہندو اور سکھ فرقہ واریت ہے۔ 1598ء میں اکبر نے متھرا اور اس کے نواح کے مندروں کا ایک سروے کرایا تھا اور ان کے لئے زمین دی تھی ان میں سے کئی مندر (بقول عرفان مطابق محولہ بالا) آج بھی وہاں موجود ہیں۔ ان کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اورنگ زیب نے انہیں محفوظ رکھا۔ اورنگ زیب کے بارے میں نہرو کے اس خیال کو کہ "اس نے ہندوؤں کو ستانے اور تنگ کرنے کے طریقے اختیار کئے۔ ہزاروں مندروں کو مسمار (جواہر لال نہرو ایضاً ص 4-439) کرا ڈالا اور مغل سلطنت کا خاتمہ بھی اسی کے باعث ہوا" ہم کیا کہیں گے؟

تاریخ محض حکمرانوں' مذاہب یا دوسری تحریکوں کی دستاویز نہیں بلکہ انسانی زندگی سے متعلق حالات اور معاملات کے صحیح ریکارڈ کا نام تاریخ ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان

کے کام کا کیا طریقہ تھا' جو کچھ وہ پیدا کرتے آیا اس کا فائدہ بھی انہیں حاصل ہوتا یا نہیں۔ ان کا معیار زندگی کس قسم کا تھا' کس طرح وہ درجوں اور طبقوں میں منقسم تھے' کل آبادی کا نصف حصہ عورتوں پر مشتمل تھا تو کیسی ان کی حالت تھی۔ کس طرح ان تمام لوگوں نے جنگل کو ہموار زمین کی صورت میں تبدیل کیا' گزشتہ کے مقابلہ ارتقاء نظر آتا ہے یا نہیں۔ ماضی کی تہذیبی عظمت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام دستیاب چیزوں کو مثبت طریقہ سے کام میں لینے کی ضرورت ہے۔ نامکمل تاریخ تاریخ نہیں ہوتی' اور اگر ہوتی ہے تو غلط تاریخ سے زیادہ خطرناک۔ آدھا سچ جھوٹ سے زیادہ برا ہوتا ہے!

2- بی- این- پانڈے "اسلام اینڈ انڈین کلچر" 1985ء ص 5-33

3- راجندر پرشاد' "انڈیا ڈوائڈیڈ" دہلی 1986ء ص 6-35

4- ایضاً ص 37

5- ایضاً

6- ایضاً

7- سرکار' اورنگ زیب کے اپاکھیان ص 7-40
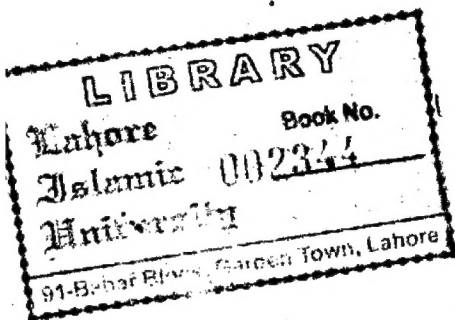
نامور تاریخ دان ڈاکٹر مبارک علی
کی تاریخ پر مستند کتابیں

در در ٹھوکر کھائے
یورپ کا عروج
برطانوی راج (ایک تجزیہ)
تاریخ ٹھگ اور ڈاکو
بدلتی ہوئی تاریخ
جاگیرداری
مغل دربار
تاریخ اور سیاست
نجی زندگی کی تاریخ
تاریخ اور معاشرہ
اکبر کا ہندوستان
جہانگیر کا ہندوستان
تاریخ اور دانشور
تاریخ کھانا اور کھانے کے آداب
آخری عہد مغلیہ کا ہندوستان
سہ ماہی "تاریخ"

برصغیر میں مسلمان معاشرہ کا المیہ
لمحہ کا اوور کوٹ
تاریخ اور عورت
تاریخ اور فلسفہ تاریخ
تاریخ کی روشنی
تاریخ شناسی
شاہی محل
المیہ تاریخ
اچھوت لوگوں کا ادب
تاریخ کے بدلتے نظریات
تاریخ اور مذہبی تحریکیں
غلامی اور نسل پرستی
تاریخ کیا کہتی ہے
سندھ : خاموشی کی آواز
علماء اور سیاست

اورنگ زیب: ایک نیا زاویہ نظر

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندوں کے ردعمل میں پاکستان کے لبرل مورخ اورنگ زیب کو صرف مغل زوال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں بلکہ اس سے یہ نتائج نکالتے ہیں کہ جب بھی مذہب اور سیاست کو ایک کیا جائے گا تو اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔ وہ اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے اس کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ اس نے ہندوؤں کو علیحدہ کر کے اپنی حکومت کو کمزور کیا۔ لہٰذا دو قومی نظریہ جو کہ مذہب کے بنیاد پر ہو، معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ان دو نقطہ ہائے نظر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کس طرح سے زمانہ حال ماضی کی تشکیل کرتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے ترقی پسند اور سیکولر سوچ رکھنے والے تاریخ کو اپنے اپنے ماحول میں رہتے ہوئے کس طرح سے مختلف انداز میں دیکھ رہے ہیں۔ کس طرح سے سیکولر نقطہ نظر کے پاکستانی، ہندوستان کے فرقہ پرستوں سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور ہندوستان کے سیکولر ذہن رکھنے والے، پاکستان کے بنیاد پرستوں کی خیالات سے اتفاق کرنے لگتے ہیں۔

فکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ لاہور

E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

ISBN 978-969-562-071-7

9789695620717